التخییر من التفسیر

سورۂ آلِ عمران

حضرت مولانا بیضاوی رح کی تفسیر کا اردو ترجمہ

برائے ایم

از

محمد حمزہ نعیم ایم۔اے (عربی)

کتب خانہ اردو بازار۔ لاہور

Marfat.com

Marfat.com

اَلتَّخْيِيْر مِنَ التَّفْسِيْر

سُورۃ آل عمران

حضرت علامہ بیضاویؒ کی تفسیر آل عمران کا متن مع ترجمہ

از

محمد حمزہ نعیم ایم۔اے (عربی)

علمی کتاب خانہ ۔ اردو بازار۔ لاہور

فون ۶۲۸۳۱۳

ھدیہ

Marfat.com

۲۹۷۰۱۴
۲۷۷۳۶
27736

DATA ENTERED

مطبوعہ: پنجاب پریس لاہور

Marfat.com

DATA ENTERED

عرضِ مؤلف

ابتدا ہے نامِ اللہ سے بیاں
جو ہے بخشش کرنے والا مہرباں

تفسیر بیضاوی سورۃ آل عمران مدت مدید سے پنجاب یونیورسٹی ایم اے عربی کے نصاب میں داخل چلی آتی ہے اور یہی نصاب کئی ایک ملکی اور غیر ملکی یونیورسٹیوں میں متداول ہے۔ علامہ بیضاوی نے جس طرح اپنی اس تصنیف میں ایجاز و اجمال سے کام لے کر ایک بحرِ ذخّار کو کوزے میں بند کیا ہے وہ کسی تفسیری ذوق رکھنے والے شخص سے ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اس تفسیر میں صرف بھی ہے نحو بھی، فقہ بھی ہے کلام بھی، روایت بھی ہے درایت بھی، ادب بھی ہے تاریخ بھی اور اختلافِ قرأت پر بھی بحث کی گئی ہے اور خوارج کے اعتراضات کے جوابات بھی دیے گئے ہیں۔ غرض اس میں علامہ بیضاوی نے ایک ایسی کوشش کی ہے جسے ہر زمانے میں اور ہر گوشۂ عالم میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے اور علمی اور ادبی حلقوں میں اسے خاص اہمیت دی گئی ہے ـــ عرب یونیورسٹیوں میں اسے پڑھایا گیا، برصغیر اور دیگر کئی مغربی یونیورسٹیوں میں اسے شاملِ نصاب کیا گیا، عربی دینی مدارس میں اسے ایک خاص مقام دیا گیا اور برصغیر پاک و ہند کی ہر بڑی یونیورسٹی میں یہ تفسیر اپنا مقام حاصل کیے رہی۔ اس کی مزید اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ بیسیوں حاشیے اس تفسیر کے لکھے گئے اور پھر حاشیوں پر مزید حاشیے سپردِ قلم کیے گئے۔ انہی حاشیوں میں اُن اجمالی امور کی تفصیل کی گئی ہے جنہیں علامہ نے فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ کہہ کر چھوڑ دیا تھا۔

Marfat.com

استاذ مکرم جناب مولینا حافظ نور الحسن خاں صاحب استاذ تفسیر پنجاب یونیورسٹی کے سامنے جب زانوئے تلمذ تہ کرنے کا شرف حاصل ہوا تو اس بات کا پوری طرح اندازہ ہوا کہ تفسیر بیضاوی کے طرزِ بیان اور طریقِ تنقید اور دیگر تفاسیر میں کتنا بڑا فرق ہے اور یہ کہ ایک عام سطح کا طالب العلم ان پیچیدہ اور قواعد و اختلاف قرأت میں الجھے ہوئے مسائل کو کس قدر مشکل پاتا ہوگا جبکہ ذہین طلبہ کو بھی دو اڑھائی آیت کی تفسیر سننے کے بعد اپنا دامن طلب سمیٹے بنتی ہے۔

جامعہ پنجاب میں داخلے کے بعد پہلے دو چار ماہ تو ہم بھی یہ تماشا دیکھا کیے مگر بالآخر یہ ارادہ پختہ کر لیا کہ اس پُر پیچ و خم راہ کو صرف طے ہی نہیں کریں گے بلکہ مقدور بھر اسے دوسروں کے لیے سہل و صاف بنا کے رہیں گے۔

تفصیلی نوٹ لکھنے کی مجھے عادت نہ تھی صرف نکات و رموز کے لیے ایک کاپی بنا چھوڑی تھی۔ مگر جلد احساس ہوا کہ مجھے تو دوسروں کے لیے بھی سہولت مہیا کرنا ہے لہٰذا اس عرصے میں جو کتاب پڑھ چکے تھے اس کے تمام نکات اور تفصیل تحت الشعور سے شعور میں لا کر قلمبند کرنا شروع کیا اور پھر ہر مغلق مسئلہ پر استاذِ مکرم سے تفصیل و تسہیل چاہی۔ پھر اس پر اضافے اور تشریح کی خاطر انوار التنزیل کے کئی ایک حواشی دیکھے اور جو موتی حاصل ہوتے گئے اس خزینہ میں جمع کرتا گیا۔

اسی سلسلے میں استاذ گرامی قدر ڈاکٹر رانا م۔ ن احسان الٰہی صاحب صدر شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ انہوں نے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور نہایت مفید مشوروں سے نوازا۔ غیر ملکی زبانوں میں بھی تفسیر بیضاوی پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ برطانوی یونیورسٹیوں کے طلبہ کے استفادہ کی غرض سے آلعمران (بیضاوی) کا ترجمہ انگریزی میں بھی کیا گیا۔ یہ ترجمہ ہمارے یہاں نایاب ہے مگر اُس

Marfat.com

میں کچھ تحقیق و تدقیق سے زیادہ کام نہ لیا گیا تھا جس کے نتیجہ میں ترجمہ میں کئی ایسی خامیاں رہ گئی تھیں جن کی ترمیم و اصلاح نہایت لابدی تھی۔ پھر اس میں بعض مقامات پر ترجمہ بھی غلط چھپا تھا۔ استادیم ڈاکٹر رانا صاحب نے میری توجہ اس جانب مبذول کرائی۔ ڈاکٹر صاحب کی شفیقانہ حوصلہ افزائی سے بندہ نے اس کتاب کو جلد از جلد مکمل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور حلقہ احباب میں سے محترم محمد انور خاں صاحب ایم اے لیکچرار اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور، محترم خواجہ اختر احمد صاحب ایم اے اور محترم رانا احسان الرحمن صاحب نے ہر قدم پر مجھے مفید مشورہ دیا سے مستفید کیا۔ اور اب اس کتاب کو بہ ہر امکان اس طرح تالیف کیا گیا ہے کہ اس سے طلبۂ جامعہ کے علاوہ عربی مدارس کے طلبہ اور عام شائقینِ تفسیر و ادب بھی یکساں طور پر مستفید ہو سکیں۔

اس کتاب میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھا گیا ہے:

۱- متنِ قرآن مجید کو مشکول کر دیا گیا ہے۔

۲- متن بیضاوی کا ترجمہ سلیس اور آسان اردو میں بیان کیا گیا ہے۔

۳- مشکل الفاظ کی وضاحت یا زائد جملے جو متن کی توضیح میں آئے ہیں انھیں قوسین میں رکھا گیا ہے، اس طرح کہ اگر قوسین کے مابین کے الفاظ اور جملے وغیرہ حذف بھی کر دیں تو عبارت کی روانی قائم رہے۔

۴- اصطلاحات قواعد اور دیگر پیچیدہ مسائل کو بھی قوسین میں واضح کیا گیا ہے۔

۵- اختلاف قراءت یا دوسرے مسائل علمی، ادبی و دینی وغیرہ جو کسی آیت کے تحت آتے ہیں انھیں الگ الگ نمبروار لکھا گیا ہے تاکہ سمجھنے اور یاد رکھنے میں سہولت رہے۔

Marfat.com

جہاں تک اس کتاب کے نام کا تعلق ہے میرے خیال میں اس کا نام "التخییر من التفسیر" نہایت مناسب رہے گا۔ تسہیل تفسیر کے سلسلے کی دوسری کتاب "الاختیار من المنار" انشاء اللہ اِس کتاب کے فوراً بعد ہی پیش کر دی جائے گی جو الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہٗ المصری کی تفسیر المنار میں سے تیسویں پارے کے رُبع آخر متن مع ترجمہ و توضیح اُردو پر مشتمل ہوگی۔

وعلی اللہ التوفیق والاعانۃ

۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ

محمد حمزہ نعیم

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

سُبْحَانَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا

قرآن پاک کی بعض سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات آئے ہیں ان کے بارے میں علمائے مفسرین کی مختلف رائیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہ اُن سورتوں کے نام ہیں جن کی ابتدا میں یہ آئے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان سے ایک کلام کے منقطع ہونے اور دوسری کے شروع ہونے پر تنبیہ مقصود ہے۔ یعنی ان کے لانے سے یہ غرض ہے کہ وہ پہلے کلام کے انقطاع اور دوسرے کلام کے از سرِ نو شروع ہونے پر دلالت کریں۔ بعض کا خیال ہے کہ حروفِ مقطعات سے اُن کلمات کی طرف اشارہ ہے جن سے یہ اختصار کیے گئے۔ مثلاً ایک نامور عرب شاعر کا قول ہے ع "فَقُلْتُ لَہَا قِفْ فَقَالَتْ لِیْ قَاف" یہاں "ق" میں یہ اشارہ ہے کہ اس کلمہ میں سے کچھ حروف حذف کیے گئے ہیں یعنی وَقَفْتُ کی جگہ "ق" استعمال ہوا۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ "ا" سے مراد "اللہ" اور "م" میں مراد "محمدؐ" ہے پھر درمیان میں "ل" جبریل کے لئے لایا گیا یعنی اللہ تعالیٰ کا پیغام بواسطۂ جبریل محمدؐ علیہ السلام تک پہنچا۔ مگر قاضی ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر بن محمد الشیرازی البیضاوی نے جو مفسرین کے طبقہ میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہیں ان تمام توجیہات سے پہلوتہی کرتے ہوئے ایک نہایت محرکۃ الآراء توجیہہ کی ہے، آپ فرماتے ہیں:

اس لئے ان میں سے بعض حروف کے ساتھ قرآن پاک کی ابتدا کی گئی۔ پھر ان میں سے بعض سورتوں کی ابتدا انہی سے کی۔ گویا ان لوگوں کو تنبیہ کرنا مقصود ہے جو

قرآن پاک کے منزّل ہونے کا انکار کرتے ہیں اور اسے غیرِ خدا کا کلام سمجھتے ہیں۔ کہ جو کلام تمہیں پڑھ کر سنایا جاتا ہے انہی حروف سے مرکّب ہے جن سے تم اپنے کلام کو ترتیب دیتے ہو، پھر اگر یہ خدا کا کلام نہیں تو تم کیوں اس جیسا کلام نہیں بنا لاتے۔ نیز حروف تہجّی اس لئے بھی سورتوں کی ابتدا میں لائے گئے کہ سب سے پہلے جو چیز سامعین کے کانوں تک پہنچے وہ اعجاز کی ایک مستقل نوع ہو۔ پھر ایک اُمّیِ محض کا جس نے کسی مکتب کا دروازہ تک نہ دیکھا ہو، نہ کسی کاتب کے پاس بیٹھا ہو ان حروف کا ذکر کرنا صریح معجزہ ہے۔ علاوہ ازیں ان حروف کے لانے میں ان نکات کو حقائق کی رعایت دی گئی جن سے بڑے سے بڑا ادیب جو فنّ ادب میں مشہور اور صاحب فوقیت ہو محض عاجز اور قاصر رہتا ہے۔

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن مَدَنِیَّۃٌ اٰیَاتُھَا مِأَتَانِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

الٓمّٓ ۝ اللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ اُن کے سوا کوئی قابل معبود بنانے کے نہیں۔

قرأت مشہورہ میں "میم" کو مفتوح پڑھا گیا ہے حالانکہ اس پر وقف کرنا زیادہ مناسب اور قرینِ قیاس تھا (کیونکہ حروف مقطعات سے اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک کے انقطاع کے بعد از سر نو شروع ہونے پر دلالت کرے)۔ اور یہ 'میم' کا فتحہ دراصل ہمزہ کی حرکت تھی جو میم کی طرف منتقل کیا گیا تاکہ ثابت ہو کہ ہمزہ قطعی (اور حکماً ثابت) ہے۔ اور یہ کہ وہ تخفیف کی غرض سے ساقط کیا گیا، نہ کہ درجِ کلام کی وجہ سے، کیونکہ "میم" حکم وقف میں ہے۔ جس طرح کہتے ہیں وَاحِدِ اثْنَانِ اور ہمزہ کی حرکت "دال" کو دے دی جاتی ہے۔ یہ بوجہ التقاء ساکنین نہیں ہوا

Marfat.com

کیونکہ وقف کی صورت میں التقاء ساکنین جائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "الٓمٓ" کہتے ہوئے "م" کو ساکن ہی رکھا اور "ل" کے بعد 'ا' اور 'م' دونوں کو ساکن ہی پڑھا گیا۔ التقائے ساکنین والے اصول کے وہم کی بنا پر الٓمٓ میں 'م' کو کسرہ بھی دیا گیا ہے۔ مگر قاری ابوبکر نے الم پر وقف ہی کر دیا اور اگلی آیت سے نیا جملہ شروع کیا۔

الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وہ زندہ (باوید) ہیں۔ سب چیزوں کے سنبھالنے والے ہیں۔

روایت ہے کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا نام (اسم اعظم) تین سورتوں میں ہے۔ سورۃ بقرہ میں "اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم" الآیہ سورۃ آل عمران میں "اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم" الآیہ اور سورۃ طٰہٰ میں "وعنتِ الوجوہ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ" میں۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس قرآن بھیجا ہے۔

آپ پر کتاب نازل فرمائی اور وہ قرآن مجید ہے جو تھوڑا تھوڑا وقتاً فوقتاً نازل ہوتا رہا۔

بِالْحَقِّ واقعیت کے ساتھ۔

یعنی عدل کے ساتھ یا یہ کہ وہ اپنی خبروں میں جو اس نے بہم پہنچائیں سچا ہے۔ یا یہ کہ وہ ایسے دلائل کے ساتھ نازل ہوا جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ نے ہی نازل فرمایا اور بالحق یہاں قواعد کی رُو سے حال واقع ہوا ہے۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ اس کیفیت کے ساتھ کہ وہ تصدیق کرتا ہے اُن (آسمانی) کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں۔

اپنے سے پہلے کی آسمانی کتابوں کے منزل من اللہ ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔

وَأَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيْلَ اور (اسی طرح بھیجا تھا) توریت اور انجیل کو۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ خدا کے حکم آنے تک ملتوی ہے کہ ان کو سزا دے گا یا ان کی توبہ قبول کرے گا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے (اور)

حَكِيْمٌ ۝۱۰۶ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

حکمت والا ہے اور بعضے ایسے ہیں جنہوں نے ان اغراض کے لئے مسجد بنائی ہے کہ (اسلام کو) ضرر پہنچائیں اور (اس میں بیٹھ بیٹھکر) کفر کی باتیں کریں اور ایمانداروں میں

وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ

تفریق ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اُس کے قبل سے خدا اور رسول کا مخالف ہے اور قسمیں کھا جاویں گے کہ بجز بھلائی کے ہماری کچھ نیت نہیں

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۰۷

اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔

اور مدینہ والوں میں سے کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ یہ لوگ اور ہیں کہ جن کا معاملہ حکم الٰہی کے آنے تک ملتوی ہے، خواہ عدم شرکت غزوہ تبوک پر ان کو سزا دے اور خواہ انکی عدم شرکت کو معاف فرما دے، اور حق تعالیٰ ان کی توبہ اور تخلیف کو خوب جاننے والا ہے، اور اس فیصلہ فرمانے میں بڑی حکمت والا ہے۔

عبداللہ بن ابی، جد بن قیس، معتب بن قشیر اور ان کے ساتھی جو کہ تقریباً سترہ ہیں، انہوں نے ان اغراض کیلئے مسجد بنائی کہ اسلام اور مومنین کو ضرر پہنچائیں، اور کفر و نفاق پر ثابت رہیں۔

اور اس وجہ سے کہ ایمان داروں میں تفریق ڈالیں کہ ایک جماعت ان کی مسجد میں نماز پڑھے اور ایک جماعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز پڑھے، اور اس شخص کے قیام کا انتظار کریں، جو ان سے پہلے ہی سے خدا اور اس کے رسول کا دشمن ہے، مراد اس سے ابوعامر راہب ہے، جس نے عیاذ باللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فاسق کہا تھا، اور پوچھو تو قسمیں کھا جائینگے کہ اس مسجد بنانے سے بجز مسلمانوں کے ساتھ بھلائی اور نیکی کے ہماری اور کوئی نیت نہیں، تاکہ جس کی مسجد قبا میں نماز فوت ہو جائے اور اسے وہاں جماعت نہ ملے وہ اس مسجد میں آکر نماز پڑھ لے۔

اور حق تعالیٰ گواہ ہے کہ یہ اپنی قسموں میں جھوٹے ہیں۔

(لباب النقول فی اسباب النزول)

فرمان خداوندی وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا الخ۔ ابن مردویہ نے ابن اسحاق کے طریق سے نقل کیا ہے کہ ابن شہاب زہری نے بواسطہ اکیمہ لیثی، ابورہم غفاری سے نقل کیا ہے، اور ابورہم غفاری ان حضرات میں سے ہیں، جنہوں نے درخت کے نیچے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی بیان کرتے ہیں کہ جنہوں نے مسجد ضرار بنائی تھی وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ تبوک کی طرف روانگی کی تیاری کر رہے تھے، اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ہم نے یہ مسجد ضرورت مند اور حاجت مندوں اور سرد راتوں اور بارش والی راتوں کے لئے بنائی ہے اور ہماری یہ خواہش ہے کہ آپ ہمارے لئے اس مسجد میں تشریف لاکر نماز پڑھ دیجئے۔

آپ نے فرمایا اس وقت تو ہم سفر کی تیاری میں ہیں، سفر سے جس وقت واپس آئیں گے تو انشاء اللہ تمہاری مسجد میں آکر نماز پڑھ دیں گے، جب آپ تبوک سے واپس ہوئے تو ذی اوان مقام پر پڑاؤ فرمایا، جہاں سے مدینہ منورہ کا ایک گھنٹہ کا راستہ تھا، اس وقت حق تعالیٰ نے اس مسجد کے بارے میں یہ آیتیں نازل فرمائیں وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا الخ۔

Marfat.com

تاہم توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر (عبرانی زبانی میں) اور انجیل جناب عیسیٰ علیہ السلام پر (سریانی زبان میں) یکبارگی نازل ہوئیں بخلاف قرآن مجید کے کہ وہ حسبِ ضرورت تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔ اور یہ کہنا کہ توراۃ کا مادّہ "وری" ہے اور انجیل کا "نجل" اور اُن کا وزن "تفعلہ" اور "إفعیل" ہے، درست نہیں کیونکہ یہ دونوں غیر عربی کلمات ہیں اور اس بات کی تائید اُس قرأت سے ہوتی ہے جس میں أنجیل ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا گیا بحالانکہ "أفعیل" عربوں کے ہاں کوئی بناء (وزنِ کلمہ) نہیں۔ ابوعمرو، ابن ذکوان اور کسائی نے توراۃ کو تمام قرآن مجید میں إمالہ سے ("توریت") پڑھا ہے اور نافع اور حمزہ نے (نہ پورا ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ، نہ پورا إمالہ کے ساتھ بلکہ دونوں کے) بین بین پڑھا ہے۔ اور قاری قالون نے باقی قرّاء کی طرح فتحہ کے ساتھ یعنی بغیر امالہ کے ہی پڑھا ہے۔

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ اس سے قبل لوگوں کی ہدایت کے واسطے۔

توراۃ و انجیل کو قرآن مجید سے پہلے نازل فرمایا۔ وہ بھی لوگوں کے لئے باعثِ ہدایت تھیں۔ عمومی طور پر اگر ہم یہ کہیں کہ ہم بھی شرائع ماقبل مذکورہ کے مکلّف ہیں بصورت دیگر "النّاس" سے مراد وہی لوگ ہیں جن پر یہ کتابیں نازل ہوئیں، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم۔

وَ أَنْزَلَ الْفُرْقَانَ اور اللہ تعالیٰ نے بھیجے معجزات۔

ممکن ہے فرقان سے مراد تمام جنسِ کتب سماویّہ ہوں کیونکہ یہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہیں۔ قرآن مجید، توراۃ اور انجیل تین کتابوں کے بعد فرقان کہہ کر اِن کے علاوہ دوسری کتابوں اور صحائف کو بھی شامل کیا، گویا یوں ارشاد فرمایا کہ اُسی نے وہ سب کچھ نازل فرمایا جو حق و باطل کے درمیان خطِ امتیاز کھینچتا ہے۔ یا فرقان سے مراد "زبور" ہو یا "قرآن مجید" ہی مراد ہو اور اس

کا ذکر دوبارہ اس لئے کیا گیا کہ اس کی مدح، عظمت، شان اور باقی کتابوں پر فضیلت ظاہر کی جائے کیونکہ دوسری آسمانی کتابیں اس لحاظ سے تو قرآن پاک کی ہم پلّہ ہیں کہ وہ بھی خدا تعالیٰ ہی کی نازل کی ہوئی ہیں مگر قرآن مجید اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ وہ "عاجز کر دینے والا" ہے (اپنے مقابل کو) فرق کر دینے والا ہے حق و باطل کے درمیان۔ یا پھر فرقان سے مراد "معجزات" ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ بیشک جو لوگ منکر ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے۔

خواہ وہ کتب منزّلہ کی آیات ہوں یا ان کے علاوہ نشانیاں (جو زمین و آسمان میں پائی جاتی ہیں)۔

لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ اُن کے لئے سزائے سخت ہے۔

اُن کے کفر کی وجہ سے۔

وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ اور اللہ تعالیٰ غلبہ (اور قدرت) والے ہیں۔

عذاب کرنے سے اُسے کوئی روک نہیں سکتا۔

ذُوانْتِقَامٍ بدلہ لینے والے ہیں۔

جس طرح وہ بدلہ لے سکتے ہیں کوئی اور نہیں لے سکتا۔ اور "نِقمہ" مجرم کی سزا کو کہا جاتا ہے اور اس مصدر سے فعل عین کلمہ کے فتحہ اور کسرہ دونوں سے آتا ہے (یعنی باب "ضرَب یضرِب" سے بھی اور "سمِع یسمَع" سے بھی) اور یہ وعید ہے جو توحید کے ثابت کرنے اور صاحب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قابلِ اعتماد اور ٹھوس اشارہ کرنے کے بعد عظمت بتانے کی خاطر لائی گئی اور اس سے منہ موڑنے پر سخت دھمکی دی گئی۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ

Marfat.com

بے شک اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے، نہ (کوئی چیز) زمین میں اور نہ (کوئی چیز) آسمان میں۔

یعنی اس عالم میں وجود رکھنے والی چیز خواہ کلّی ہو یا جزئی، ایمان ہو یا کفر یہاں کائنات کی تحدید سماء وارض سے کی ہے کیونکہ انسانی حس ان دونوں سے تجاوز نہیں کرسکتی۔ اور زمین کو آسمان سے مقدم کیا کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف بالتدریج توجہ دلائی جائے۔ اور اس (زمین و آسمان) کا ذکر اس لئے بھی کیا کہ ان کے درمیان جو اعمال بھی کئے جائیں گے وہ اللہ پر مخفی نہیں۔ اور یہ آیہ اللہ تعالیٰ کے "حیّ" ہونے پر دلیل کی طرح ہے (کہ اس سے دلیل مستنبط ہوتی ہے) اور اس کا یہ فرمانا

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ وہ ایسی ذات (پاک) ہے کہ تمہاری صورت (شکل) بناتا ہے ارحام میں جس طرح چاہتا ہے۔

یعنی مختلف صورتیں دیتا ہے اور یہ دلیل کی مانند ہے اللہ تعالیٰ کے "قیوم" ہونے پر۔ یعنی وہ صورتیں جیسے چاہتا ہے دیتا ہے (تو اس سے مستنبط ہوا کہ اللہ تعالیٰ "قیوم" ہیں) اور استدلال یوں ہے کہ وہ رحم مادر میں بچے کی تخلیق اور اس کی صورت کے متعلق اپنے فعل کی پختگی کو جانتا ہے۔ اور اس کی ایک قرأت "تَصَوَّرَكُمْ" بھی ہے (باب تفعل میں خاصّہ اتخاذ ہے) یعنی اُس نے تمہیں اپنی ذات کے لئے اور اپنی عبادت کے لئے تخلیق و تشکیل کرکے یہاں بھیجا۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اُس کے۔

کیونکہ کوئی بھی وہ سب کچھ نہیں جانتا جو وہ جانتا ہے اور کوئی بھی کسی کام کے لئے اتنی قدرت نہیں رکھتا جتنی وہ رکھتا ہے۔

الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ وہ غلبہ والے ہیں حکمت والے ہیں۔

Marfat.com

یہ اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت اور حکمت کے غیر متناہی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔
کہا گیا ہے کہ یہ اُن لوگوں کے خلاف دلیل ہے جو خیال کرتے تھے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام بھی "رَبّ" تھے۔ کیونکہ "وفدِ نجران" نے جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس بارے میں جھگڑا کیا تو یہ سورۃ ابتدا سے کچھ اُوپر اسّی آیات نازل ہوئی۔ اس سے وہ دلیل جو اُن پر قائم کی گئی تھی ثابت کر دی گئی اور اُن کے شبہ کا جواب دے دیا گیا۔ (اُن کے دلائل کا ردّ اور شبہات کا ازالہ ہے)

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ۔

وہ ایسا ہے جس نے نازل کیا تم پر کتاب کو جس میں سے ایک حصہ وہ آیتیں ہیں جو اشتباہِ مراد سے محفوظ ہیں۔

یعنی اُن آیات میں نہ اجمال ہے (کہ مطلب صاف واضح نہ ہو) اور نہ احتمال ہے (کہ مطلب کئی طرح سے ہو سکے)۔

هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ اور یہی آیتیں اصلی مدار ہیں اُس کتاب کا۔

(قاموس میں اُمّ کے معنیٰ ماں کے ہیں اور ہر چیز کی اصل اور جڑ کو بھی اُمّ کہتے ہیں) یہ آیات کلام پاک کا اصل ہیں کہ باقی آیات بھی (جو متشابہ ہیں) انہی کی طرف لوٹتی ہیں (یعنی ان کی روشنی میں حل کی جاتی ہیں۔) اور قواعد کی رُو سے هُنَّ کی خبر اُمّ کی بجائے اُمّہات ہونا چاہیے تھا مگر یہاں واحد ہے تو اس لیے کہ ہر ایک ایسی آیت انفرادی طور پر "اُمّ الکتاب" ہے یا تمام آیات بمنزلہ آیہ واحدہ کے ہیں۔

وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ اور دوسری آیتیں ایسی ہیں جو کہ مشتبہ المراد ہیں۔

ان میں احتمال ہے یعنی کئی معنیٰ نکل سکتے ہیں اور اجمال (یعنی اختصار) کی وجہ سے یا ظاہر میں دوسری آیات کی مخالف ہوتی ہوں شریعت کی مخالفت کی

Marfat.com

وجہ سے ان کا مقصود واضح نہیں ہوسکتا ہاں اُس میں انتہائی غور وغوض اور جانچ پڑتال کرنے سے اُس کا مقصود پایا جا سکتا ہے۔(اور متشابہات کا ایک مقصد یہ بھی ہے) کہ ان میں علماء کی فضیلت کا دروازہ کُھلا رہے اور اُن میں غور وفکر کرنے میں محنت واجتہاد کرنے پر اور اُن پر متوقّف علوم کے حصول پر اُن آیات کے اصل مقصود کے ڈھونڈ نکالنے کی غرض سے اُن کا حرص اور لالچ بڑھ سکے۔ پھر وہ اُن کے معانی نکالنے میں اور اُن (متشابہات) میں اور محکمات میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے طبیعتوں کو تھکا دیں اور اس طرح بلند مراتب اور اعلیٰ درجات حاصل کرسکیں۔ اور جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا" اَلٓرٰ کتب اُحکمت اٰیاتہٗ " تو اس کا یہ معنیٰ ہے کہ تمام آیات صحت معنیٰ اور جزالت لفظی میں ایک دوسری سے متشابہ ہیں (مذکورہ صدر آیہ میں تو معنیٰ کے واضح اور خفی ہونے کے اعتبار سے فرق بتایا گیا ہے) اور اُخَر ، اُخْرٰی کی جمع ہے اور یہ غیر منصرف ہے کہ اس میں دو سبب وصف اور عدل پائے جاتے ہیں۔ یہ "الاٰخر" سے معدول ہے اور اس سے اُس کا معرفہ لانا ضروری نہیں کیونکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ قواعد کی رُو سے اسے معرفہ ہونا چاہیے تھا اور معرفہ نہیں لایا گیا۔ اور یہ بھی نہیں کہ وہ پہلے ہی معرفہ کے معنیٰ میں ہو یا پھر اُخَر آخَرُ مِنْ سے معدول ہے۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ" سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے۔

یعنی جو لوگ حق سے مُنہ موڑے ہوئے ہیں مثلاً دین میں (خواہش نفسانی کے تحت) نئی نئی راہیں نکالنے والے بدعت پسند لوگ۔

فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ وہ اُس کے اُسی حصے کے پیچھے ہو لیتے ہیں جو مشتبہ المراد ہے۔

اور متشابہ آیات کے ظاہری (غیر واضح) معانی یا باطل تاویلات کو شعار

Marfat.com

بناتے ہیں۔ (جو حقیقت سے کہیں دور ہوتی ہیں)

اِبْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ (دین میں) شورش ڈھونڈنے کی غرض سے۔

وہ چاہتے ہیں کہ لوگوں میں اُن کے دین کے متعلق شک پیدا کر کے اور غلط معانی پہنا کر اور محکم و متشابہ کی آپس میں مخالفت دکھا کر اُنھیں فتنہ میں ڈال دیں۔

وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ اور اس کے (غلط) مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے۔

یعنی وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ اُن آیات کو اپنی خواہشات کے مطابق معانی دے سکیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دل کی کجی والا یہ[1] دونوں مقصد رکھتا ہو یعنی فتنہ میں ڈالنا اور غلط معانی پہنانا۔ یا[2] یہ کہ یکے بعد دیگرے دونوں اس کے مقصود ہوں (نہ بیک وقت) اور پہلا عناد والے کے مناسب حال ہے اور دوسرا جاہل کے موافق۔

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ حالانکہ اُن کا (صحیح) مطلب کوئی نہیں جانتا۔

وہ تاویل جس پر اس کا محمول کرنا مقصود ہے۔

إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ بجز حق تعالیٰ کے اور جو لوگ علم (دین) میں پختہ کار (اور فہیم) ہیں۔

(راسخون فی العلم سے) مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے علم و عمل میں پختگی پائی ہے اور وہ ثابت قدم ہیں۔ جو لوگ الا اللہ پر وقف کرتے ہیں ان کے نزدیک اس کی تفسیر یہ ہوگی کہ بعض باتوں کا علم صرف خدا تعالیٰ کو ہے جیسے دنیا کی عمر قیامت کب ہوگی؟ خواص الاعداد جیسے زبانیہ کی تعداد وغیرہ۔ یا ایسے امور جن کے بارے میں قطعی دلیل موجود ہو کہ ان کا ظاہر مراد نہیں ہو سکتا اور ظاہر الفاظ اس کے اصل مدلول پر دلالت نہ کریں۔

يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر (اجمالاً) یقین رکھتے ہیں۔

Marfat.com

یہ جملہ مستأنفہ ہے اور الراسخون فی العلم سے حال واقع ہوا ہے[۱] یا حال کی وضاحت کرنے والا ہے[۲] یا خبر ہے[۳] بشرطیکہ الراسخون کو مبتدأ قرار دیا جائے۔

كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا (یہ) سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں۔

یعنی محکم اور متشابہ دونوں خدا کی طرف سے ہیں۔

وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو کہ اہلِ عقل ہیں۔

راسخین کی جودۃِ ذہن اور حسنِ نظر کی مدح ہے اور ان کی سعی و استعداد کی طرف اشارہ ہے، جو وہ متشابہات کی تاویل کے لیے کرتے ہیں۔ اور عقل کو حسیات کی طمع سازیوں سے پاک کرتے ہیں۔

آیت کا ربط ماقبل سے یہ ہے کہ اس میں علم و تربیت سے روح کی تکمیل و تزئین کا ذکر ہے اور آیہ ماسبق میں جسم کی تصویر و تسویہ کا ذکر تھا۔ یا خدا تعالیٰ کے قول کلمۃٌ اَلْقَاهَا إِلَىٰ مریم و روحٌ مِّنْهُ سے ابنیتِ مسیح کا جواز پیدا کرنے والے نصاریٰ کا جواب دیا گیا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اس کا کوئی باپ نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے، لہذا وہی اس کا باپ ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تو جنین کو جیسے چاہے شکل و صورت دیتا ہے خواہ وہ باپ کے نطفہ سے ہو یا نہ ہو (اس لیے مسیح کے انسانی باپ نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا اس کا باپ ہے) اُس نے تو اسے رحمِ مادر میں صورت عطا کی ہے اور مصوِّر مصوَّر کا باپ نہیں ہوا کرتا۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کیجیے۔

یہ[۱] راسخین کا قول ہے یا[۲] جملہ مستأنفہ ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ اے پروردگار! ہمارے دل حق سے موڑ کر متشابہات کی ایسی تاویل پر نہ لگا دے جو تیری مرضی کے خلاف ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: قلب ابن آدم

بین اصبعین من اصابع الرحمان إن شاء أقامه علی الحق وان شاء ازاغهٗ عنه۔ (۳) یا یہ دعا کی گئی ہے کہ ہمیں ایسی آزمائشوں میں نہ ڈال جن میں پڑ کر ہمارے دل ٹیڑھے ہو جائیں۔

بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا بعد اس کے کہ آپ ہمیں ہدایت کر چکے ہیں۔

یعنی حق کی طرف راہنمائی کے بعد یا محکم و متشابہ ہر دو پر ایمان لانے کے بعد۔ "بَعْدَ" ظرفیت کی بناء پر منصوب ہے اور "إِذْ" جر کے مقام میں ہے کیونکہ یہ "بعد" کا مضاف الیہ ہے۔ اور "إِذْ" کو "إِنْ" کے معنیٰ میں بھی لیا گیا ہے۔

وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اور ہمیں اپنے پاس سے رحمتِ (خاصّہ) عطا فرمائیے۔

(ایسی رحمت) جو ہمیں تیرے قریب کرے۔ یا[۲] یہ کہ حق پر ثابت قدم رہنے کی توفیق ہو۔ یا[۳] یہ کہ گناہوں کی مغفرت ہو۔

إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔

(ہر امر کے) جو آپ سے مانگا جائے۔ وہّاب کے لفظ میں دلیل ہے کہ ہدایت اور ضلالت دونوں خدا تعالیٰ سے ہی ملتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ انسان کو جن انعامات سے نوازتا ہے وہ اس کا فضل ہی ہے ورنہ خدا تعالیٰ پر کچھ واجب نہیں ہے۔

رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ اے ہمارے پروردگار آپ بلاشبہ تمام آدمیوں کو (میدانِ محشر میں) جمع کرنے والے ہیں اُس دن میں۔

حساب[۱] کے لیے یا[۲] جزا، سزا دینے کے لیے جمع کریں گے۔

لَا رَيْبَ فِيهِ جس میں ذرا شک نہیں

یعنی اُس دن کے وقوع میں کوئی شک نہیں اور جو حشر اور جزا نافذ ہوگی

Marfat.com

(اُس میں بھی شک نہیں)۔ اس میں انسان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اس کے دونوں مطالبات (طلبِ رحمت اور استقامتِ قلب) کی غرض کا تعلق آخرۃ ہی سے ہے اور وہی اس کا مقصد و مآل ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (اور) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خلاف کرتے نہیں وعدے کو۔

کیونکہ اُلوہیت وعدہ خلافی کے منافی ہے۔ یومِ حساب کا احساس دلانے اور (یومِ موعود کی) عظمت ظاہر کرنے کے لیے خطاب کو یہ رنگ دیا گیا ہے۔ اور وعیدیہ گروہ نے اس سے یہ دلیل پکڑی کہ فاسقین کو ضرور عذاب دیا جائے گا۔ مگر اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ فاسقین کے بارے میں وعید کا تحقق عدمِ عفو سے لازم آتا ہے۔ جیسا کہ وعید عدمِ توبہ سے مشروط ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بالیقین جو لوگ کفر کرتے ہیں۔

یہاں تمام کافر مراد ہیں یا[۱] خاص طور پر وفدِ نجران یا[۲] یہود یا[۳] مشرکینِ عرب۔[۴]

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ہرگز اُن کے کام نہیں آسکتے اُن کے مال (و دولت) اور نہ اُن کی اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ذرّہ برابر بھی۔

یعنی اُن کے اموال و اولاد اُن کو خدا کی رحمت سے[۱] یا اُس کی اطاعت سے[۲] مستغنی نہیں کر سکتے کہ یہ مال و اولاد اُس کا بدل نہیں ہیں یا[۳] خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکتے۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ اور ایسے لوگ جہنم کا سوختہ ہوں گے۔

جہنم کا ایندھن۔ اور اِسے "و" کے ضمّہ سے (وُقود) بھی پڑھا گیا۔ اور اس صورت میں اس کے معنیٰ (اَھل وَقود) جلنے والے ہوگا۔

Marfat.com

كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ جیسا معاملہ تھا فرعون والوں کا۔

اپنے ماقبل (لن تغنی) سے متصل ہے۔ یعنی اُن کے مال و اولاد اُن کے کام نہیں آئیں گے جس طرح "آلِ فرعون" کے کام نہ آئے۔ یا[۲] اُولٰئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ سے متعلق ہے۔ یعنی آگ اُن کو بھی اسی طرح جلائے گی جس طرح "آلِ فرعون" کو۔ یا[۳] جملہ مستانفہ ہے اور محلاً مرفوع ہے اور تقدیر اس کی یوں ہے "دَأْبُ هٰؤُلَاءِ كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ فِي الْكُفْرِ وَالْعَذَابِ"۔ "دأب" مصدر ہے۔ دَابَ فِي الْعَمَلِ کا معنی ہے كَدَحَ فِيْهِ (یعنی جدّ و جہد کی) اور یہ (دأب) شأن (حالت) کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور ان سے پہلے والے (کافر) لوگوں کا معاملہ۔

آلِ فرعون پر عطف ہے یا جملہ مستانفہ ہے۔

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلایا اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر دار و گیر فرمائی اُن کے گناہوں کے سبب۔

یہ حال واقع ہوا ہے اور "قد" مقدر ہے یا[۱] جملہ مستانفہ ہے جو اُن کے حال کی تفسیر ہے یا[۲] خبر ہے بشرطیکہ جملہ "وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ" سے شروع کیا جائے (یعنی اُسے مبتدا قرار دیا جائے)

وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

کفار کو مواعظ الٰہی سے ڈرانے اور زیادہ خوفزدہ کرنے کے لئے یوں فرمایا۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ

آپ (ان) کفر کرنے والوں سے فرما دیجیے کہ عنقریب تم (مسلمانوں کے ہاتھ سے) مغلوب کیے جاؤ گے اور (آخرت میں) جہنم کی طرف جمع کر کے لے جائے جاؤ گے

یعنی[1] مشرکین مکّہ سے کہہ دو کہ وہ یوم بدر میں مغلوب ہوں گے۔ یا[2] یہودِ مدینہ سے خطاب ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے یہود کو غزوۂ بدر کے بعد سوق بنی قینُقاع میں جمع کر کے ڈرایا کہ اُن کی حالت بھی ویسی ہو سکتی ہے جو قریش مکہ کی بدر کے موقع پر ہوئی ہے۔ اس پر اُنہوں نے جواب دیا: "لَا يَغُرَّنَّكَ أَنَّكَ أَصَبْتَ أَغْمَارًا لَا عِلْمَ لَهُمْ بِالْحَرْبِ لَئِنْ قَاتَلْتَنَا لَعَلِمْتَ إِنَّا نَحْنُ النَّاسُ" اس پر یہ آیۃ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے قریظہ کے قتل، بنی نضیر کی جلاوطنی، خیبر کی فتح اور باقی یہود کو جزیہ کی ذلّت دکھا کر یہ وعدہ پورا کر دیا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت کی دلیل ہے۔

حمزہ اور کسائی نے "سَيُغْلَبُونَ وَيُحْشَرُونَ" پڑھا ہے گویا بالواسطہ طور پر (INDIRCET NARRATION) اُنھیں دھمکی دی گئی ہے۔

وَبِئْسَ الْمِهَادُ اور وہ (جہنم) ہے بُرا ٹھکانا۔

اُن[1] کفار کو جو کہا گیا ہے اُس قول کے ساتھ شامل ہے (یعنی "الی جہنّم بئس المہاد") یا[2] مستأنف جملہ ہے اور اس کی تقدیر "بئس المہاد جہنّم" ہے یا[3] "مِهَاد" سے مراد ہے "ما مَهَّدُوهُ لِأَنْفُسِهِم" کہ (جو کچھ اُنہوں نے اپنے لیے تیار کیا) وہ بُرا ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ[1] **آيَةٌ** بے شک تمہارے لیے بڑا نمونہ ہے۔

اس میں خطاب قریش سے ہے[1] یا یہود سے ہے[2] یا مومنوں سے ہی ہے[3]۔

فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا دو گروہوں (کے واقعہ) میں جو کہ باہم ایک دوسرے سے مقابل ہوئے تھے

جنگِ بدر کے دن۔

Marfat.com

فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَأُخْرٰى كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ

ایک گروہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتا تھا (یعنی مسلمان) اور دوسرا گروہ کافر لوگ تھے، یہ کافر اپنے کو دیکھ رہے تھے کہ ان مسلمانوں سے کئی حصہ (زیادہ) ہیں۔

(ا) یعنی مشرکوں کو مومن اپنی تعداد سے یا ان کی ذاتی تعداد سے دُگنے نظر آتے تھے۔ کفار کی تعداد ایک ہزار تھی اور مسلمانوں کی تعداد کچھ اوپر تین سو تھی۔ یہ اس لیے کہ پہلے تھوڑے نظر آئے تبھی حملہ کرنے کی جرأت کی، لیکن لڑائی شروع ہو جانے پر اُن کو مومن دُگنے نظر آئے اور وہ مرعوب ہو گئے، مومنین کو خدا تعالیٰ کی تائید حاصل ہوئی اور ان کو شکست ہوئی (ب) مومن مشرکوں کو اپنے سے دُگنا سمجھتے تھے، حالانکہ وہ تگنے تھے، تاکہ ان کی ہمتیں مضبوط ہوں اور اُن کو خدا تعالیٰ کے وعدہ "فان یکن منکم مأۃ صابرۃ یغلبوا مأتین" پر پورا یقین ہو اور اختلاف قرأت اس معنیٰ کی تائید 'یعقوب' اور 'نافع' کی قرأت سے بھی ہوتی ہے جنہوں نے (۱) "تَرَوْنَهُمْ" پڑھا ہے۔ اور یہ دونوں مجہول بھی پڑھے گئے ہیں، جیسے (۲) "يُرَوْنَهُمْ" - (۳) "تُرَوْنَهُمْ" یعنی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اُن کو دکھاتا تھا یا تمہیں دکھاتا تھا۔ اور فئۃ مجرور پڑھا گیا اس صورت میں کہ یہ "فئتین" سے بدل ہوگا اور اسے منصوب بھی پڑھا گیا اختصاص کی بنا پر یا یہ "اِلْتَقَتَا" کے فاعل سے حال واقع ہوا ہے۔

رَأْيَ الْعَيْنِ کھلی آنکھوں دیکھنا

یعنی یہ تو سامنے آنکھوں دیکھی جانے والی ظاہر بات تھی۔

وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاءُ اور اللہ تعالیٰ اپنی امداد سے جسے چاہتے ہیں قوت دے دیتے ہیں۔

جیسا کہ اُس نے بدر والوں کی تائید و نصرت فرمائی۔

Marfat.com

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ (سو) بلاشک اس میں۔

تعداد کو اصل سے کم و بیش دکھانے میں یا بے سروسامان قلیل تعداد کو ہتھیاروں سے لیس کثیر تعداد پر غالب کرنے میں یا خود یہ واقعہ ہی آیت ہے اور اس کا بھی احتمال ہے کہ واقعۃً (ایسا تقلیل و تکثیر ہوا یا) فتح وغیرہ ایک آیت ہو جس کی آنحضور علیہ السلام خبر دے چکے تھے۔

لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ بڑی عبرت ہے (دانش و) بینش والے لوگوں کو۔

صاحبِ بصیرت لوگوں کے لیے یا جنگِ بدر میں جن لوگوں نے فریقین کو دیکھا تھا اُن کے لیے۔

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ خوشنما معلوم ہوتی ہے (اکثر) لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی۔

شہوات سے مراد مشتہیات (یعنی پسندیدہ چیزیں) ہیں۔ اُن کا نام شہوات مبالغہ کی بنا پر رکھا گیا اور یہ اشارہ کرنے کے لیے کہ وہ اُن کی محبت میں اس قدر منہمک ہو گئے جیسے شہوت محبوب ہوتی ہے، جیسے فرمایا اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ (کہ میں نے ان سے اس طرح محبت کی جیسے نیک باتوں سے کی جاتی ہے) اور (ا) مُزَیِّن (زینت دینے والا) خود اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہ افعال اور خواہشات کا خالق ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس نے زینت ابتلاء کے لیے رکھی ہو یا اس لیے زینت رکھی ہو کہ اُن کا صحیح اور خدائی مرضی کے مطابق استعمال سعادتِ اُخرویہ کا باعث ہو۔ یا اس لیے کہ یہ اُمور انسانی زندگی اور بقائے نوع کے لیے لازمی ہیں۔

(ب) یہ بھی کہا گیا ہے کہ مزیّن شیطان ہے کیونکہ آیت میں مذمت کا پہلو پایا جاتا ہے اور جبائی نے (مزیّن اشیاء و اُمور میں) حلال و حرام کا فرق بیان کیا ہے کہ جو شہوات مباح ہیں اُن کا مزیّن کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور جو شہوات حرام ہیں اُن کا

Marfat.com

شیطان لعین ہے۔

مِنَ النِّسَاءِ وَ الْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْأَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ط

(مثلاً) عورتیں ہوئیں، بیٹے ہوئے، لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے، نمبر (یعنی نشان) لگے ہوئے گھوڑے ہوئے (یا دوسرے) مواشی ہوئے اور زراعت ہوئی۔

یہ شہوات کا بیان (یعنی تفصیل) ہے اور قنطار سے مال کثیر[1] یا ایک لاکھ دینار یا[2] بیل کی کھال بھر مال مراد ہے۔ اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس کا وزن 'فِعْلَال' ہے یا 'فِنْعَال' اور المقنطرة قنطار سے ہی ماخوذ ہے تاکید کے لئے آیا ہے جیسے کہا جاتا ہے "بَدْرَةٌ مُبَدَّرَةٌ"۔ 'المسوّمة' کا معنی ہے 'المعلّمة' یعنی علامت ونشان زدہ، یہ السّومة سے ہے جس کا معنی علامت ہے[1] یا اس کا معنی ہے 'المرعيّة' (پالا ہوا) جیسے کہا جاتا ہے أَسَامَ الدَّابَّةَ وَ سَوَّمَهَا[2] یا المسوّمہ کا معنی ہے المُطَهَّمة (خوب پلے ہوئے موٹے تازے گھوڑے تام الخلقہ ہاتھ پاؤں کے مضبوط، صورت وشکل کے عمدہ۔ طہم: موٹا ہونا) الأنعام اونٹ، گائے، بیل اور بھیڑ، بکری سب مواشی کو عام ہے۔

ذَالِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (لیکن) یہ سب استعمالی چیزیں ہیں دنیوی زندگانی کی۔

ذالك میں مذکورہ چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ اور انجام کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

یعنی (مآب) مرجع (لوٹنے کی جگہ)۔ اس میں اس امر کی (تحریص و) ترغیب ہے کہ ان فانی اور ناقص شہوات کے بدلے ابدی اور حقیقی لذات حاصل کرنے کی

Marfat.com

کوشش کرنا چاہیے۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ آپ فرما دیجیے کیا میں تمہیں ایسی چیز بتلا دوں جو (بدرجہا) بہتر ہو ان چیزوں سے۔

اس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ہاں کا ثواب لذاتِ دُنیوی سے بہتر ہے۔

لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا (سو سنو!) ایسے لوگوں کے لیے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں اُن کے مالکِ (حقیقی) کے پاس ایسے ایسے باغ ہیں جن کے پائین میں نہریں جاری ہیں اُن میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے۔

یہ جملہ مستأنفہ ہے جس میں "خیر" کی وضاحت کی گئی ہے، یہ بھی جائز ہے کہ (لِلَّذِيْنَ کا) لام 'خیر' سے متعلق قرار دیا جائے۔ اور "جَنّٰتٌ" کا رفع خبر ہونے کی وجہ سے ہو یعنی "هُوَ جَنّٰتٌ" اس کی تائید اُس قرأت سے بھی ہوتی ہے جو 'جَنّٰتٍ' کی جرّ 'خیر' کے بدل ہونے کی بناء پر لاتے ہیں۔

وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ اور (اُن کے لیے) ایسی بیبیاں ہیں جو صاف ستھری کی ہوئی ہیں۔

27736

یعنی اُن گندگیوں سے پاک ہیں جو عورت میں قابلِ نفرت سمجھی جاتی ہیں۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اور (اُن کے لیے) خوشنودی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

ابو بکر کی روایت کے مطابق عاصم نے تمام قرآن کریم میں رُضْوَان پڑھا ہے سوائے 'مائدہ' کی آیہ "رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ" کے، اور یہ دونوں (رِضْوان کی) لُغتیں (بولیاں) ہیں۔

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے (بھالتے) ہیں بندوں کو۔

Marfat.com

[1] یعنی "بصیر" باعمالھم " جس کی بناء پر نیکی کرنے والے کو اچھا بدلہ اور برائی کرنے والے کو سزا دی جائے گی یا[2] "بصیر باحوال الذین اتقوا" الف لام استغراق یا عہد کا ہے۔ اسی لیے اُن کے لیے باغاتِ بہشت تیّار کیے ہیں۔ گویا ان آیات میں انعامات خداوندی کے تین درجے بتائے ہیں:

۱۔ ادنیٰ درجہ متاع دنیا۔

۲۔ متوسط درجہ جنت اور اس کی نعمتیں۔

۳۔ اعلیٰ درجہ خوشنودی اللہ تعالیٰ کی اور فرمایا و رضوان من اللہ اکبر۔

اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (یہ) ایسے لوگ (ہیں) جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے سو آپ ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجیے اور ہمیں عذابِ دوزخ سے بچا لیجیے۔

[1] یہ "متقین" کی صفت ہے لہٰذا مجرور ہے یا[2] "عباد" کی صفت ہے یا[3] منصوب بتقدیر اَمْدَحُ ہے یا[4] مرفوع ہے (مبتدا محذوف کی خبر ہو کر) اس آیت سے یہ دلیل ملتی ہے کہ محض ایمان مغفرت یا استعدادِ مغفرت کے لیے کافی ہے۔

الصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ (اور وہ لوگ) صبر کرنے والے ہیں اور راستباز ہیں اور (اللہ کے سامنے) عاجزی کرنے والے ہیں اور (مال) خرچ کرنے والے ہیں اور اخیر شب میں اُٹھ اُٹھ کر گناہوں کی معافی چاہنے والے ہیں۔

اس آیۃ میں سالک کے مقامات کو انتہائی حسین ترتیب سے بیان کیا گیا ہے کیونکہ سالک کا خدا تعالیٰ سے معاملہ توسّل[1] ہوتا ہے یا[2] طلب۔ پھر توسّل[1] یا تو نفس کے ذریعہ ہوتا ہے اور وہ ہے اُسے رذائل سے باز رکھنا اور فضائل پر قائم رہنا۔ اور

Marfat.com

صبر میں یہ دونوں صفات آگئیں۔ یا[۲] (توسّل) بدن کے ذریعہ ہوتا ہے اور وہ یا قولی ہوگا جو سچ[ذ] بولنا ہے اور یا فعلی ہوگا جو قنوت[ز] و عاجزی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور یہ طاعۃ کا لازمہ ہے۔ تیسری[۳] صورت توسّل کی مال کے ذریعہ ہے اور وہ یہ ہے کہ بھلائی کے مقامات پر خرچ کیا جائے۔ باقی رہا طلب تو وہ بخشش مانگنا ہے کیونکہ مغفرت ہی تمام مقاصد میں ایک مقصد عظیم ہے بلکہ تمام مقاصد کو جامع ہے۔

مقامات السالک کا شجرہ یہ ہے :

معاملۃ مع اللہ

- توسّل
  - طلب ← استغفار (اعظم المطالب بل الجامع لہا)
  - نفس
    - منع عن الرذائل
    - حبس علی الفضائل
  - بدن
    - قولی (الصدق)
    - فعلی (القنوت)
  - مال
    - انفاق فی سُبُل الخیر

ان تمام مقامات کے درمیان 'واؤ' لائی گئی جس سے یہ مقصود ہے کہ[۱] ان تمام اوصاف میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر ایک مستقل وصف کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس لئے کہ ایک سالک ان تمام میں کمال حاصل کرتا ہے۔ یا[۲] یہ کہ مختلف سالکین مختلف مقامات میں ممتاز درجہ کے مالک ہوئے (یعنی کسی نے صبر میں کمال پیدا کیا تو دوسرے نے صدق میں، پھر ایک نے قنوت کا مقام طے کیا تو اور کسی نے اِنفاق کا مقام پایا اور اسی طرح کسی نے درجہ استغفار میں دوسروں سے امتیاز حاصل کیا) اس طرح ہر ایک موصوف الگ ہے۔

اور "اَسحار" کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اُس وقت دُعا قبولیت کے زیادہ

Marfat.com

قریب ہوتی ہے کیونکہ اُس وقت عبادت نفس پر زیادہ گراں گزرتی ہے اور طبیعت زیادہ صاف ہوتی ہے اور خاطر جمع ہوتی ہے خاص طور پر تہجّد خوانوں کے لیے (یہ وقت نہایت مبارک ہوتا ہے)۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ لوگ سحر تک نمازیں پڑھا کرتے تھے پھر اُس کے بعد استغفار کرتے اور (اپنے پروردگار سے) دعائیں مانگتے۔ (گویا 'اسحار' کے ذکر سے اُن کے 'قیام اللّیل' کی طرف اشارہ ہے)۔

شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهٗ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ گواہی دی ہے اللہ نے اس کی کہ بجز اُس کی ذات کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں۔

اُس نے اپنی وحدانیت کے لیے واضح دلائل عقلیہ و سمعیہ دیے اور ایسی آیات نازل فرمائیں جو اُس کی توحید پر دالّ ہیں۔

وَ الْمَلٰٓئِكَةِ اور فرشتوں نے بھی۔

اور ان کی شہادت اُن کے اقرار کے ذریعہ ہے۔

وَ اُولُوا الْعِلْمِ اور اہلِ علم نے بھی۔

علماء کی شہادت اس پر ایمان لانا اور اس پر دلائل دینا ہے۔ گویا ان کا بیان اور انکشاف دلائل ایک گواہ کی گواہی ہے۔

قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ اور معبود بھی وہ اِس شان کے ہیں کہ اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے ہیں

عدل قائم کرنے والے ہیں اُس کی اقسام میں اور احکام میں۔ قَآئِمًا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ لفظ 'اللّٰهُ' سے حال ہے (شہد اللہ قائمًا بالقسط) اور حال کو ذوالحال سے فاصلے سے لانا ایسے مواقع پر جائز ہے کہ یہاں التباس نہیں لیکن "جاء زیدٌ وعمروٌ راکبًا" زید کا حال ہو، التباس کی وجہ سے جائز نہیں۔ حال اور ذوالحال کے بالفصل آنے کی مثال یہ بھی

Marfat.com

ہے: 'و وھبنا لہٗ إسحاقَ ویعقوبَ "نافلۃً"، یا[۲] یہ ھُوَ کا حال ہے (کہ یوں پڑھیں گے: شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو قائما بالقسط) اُس[۱] صورت میں معنیٰ جملہ اس میں عامل قرار پائے گا یعنی 'تفرّد قائماً'، وہ تنہا ہی قائم بالقسط ہے۔ یا[۲] حالِ موکدہ ہونے کی وجہ سے 'أحقہ'، مقدر مانیں تو یوں ہوگا: أحِقّہٗ قَائِمًا بِالقِسْطِ (میں تنہا اُسی کو قائم بالقسط تسلیم کرتا ہوں)۔

(ا) پہلی صورت حال کی تھی (ب) دوسری صورت یہ ہے کہ 'قائماً' منصوب علی المدح ہے (ج) یا تیسری صورت یہ ہے کہ 'قائماً' منفی کی صفت ہے (یعنی لَا إِلٰہَ قائماً بالقسط) مگر یہ صورت ضعیف ہے، کیونکہ صفت اور موصوف میں اتنا فاصلہ نہیں ہوتا۔

اور بصورت صفتِ (لا الٰہ) ہونے کے اور بصورت حال (مِنْ ھُوَ) ہونے کے قائماً بالقسط بھی مشہود بہ میں شامل ہوگا اور اسے 'القائمُ بالقسط' بھی پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں ضمیر 'ھُوَ' سے بدل ہے یا مبتدأ محذوف کی خبر ہے۔

لَا إِلٰہَ إِلَّا ھُوَ اُن کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں۔

اِسے[۱] تاکید کی خاطر دوبارہ لائے اور[۲] اِس لئے بھی کہ دلائل توحید کو پہچاننے کی طرف زیادہ توجہ دی جائے اور[۳] دلائل قائم کرنے کے بعد فیصلہ بھی سُنا دیا جائے اور[۴] اس لئے بھی کہ العزیز الحکیم کو بھی اسی پر مبنی قرار دیا جائے۔

الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ وہ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

تاکہ معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ کی ذات ہی ان دو صفات سے متّصف ہے اور چونکہ اُس کی قدرت کا علم اُس کی حکمت کے علم سے مقدّم ہے اس لیے 'العزیز' کو الحکیم سے پہلے بیان کیا۔ یہ اسماء ھُوَ[۱] کا بدل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہیں یا[۲] 'شَھِدَ' کے فاعل (اللہ) کی صفت ہونے کی وجہ سے رَفع آیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

Marfat.com

علیہ وسلم نے فرمایا کہ یُجَاءُ بِصَاحِبِهَا یومَ القِیَامَةِ فَیَقُولُ اللّٰهُ تعالیٰ اِنَّ لِعَبْدِی هٰذَا عِنْدِیْ عَهْدًا وَأَنَا أَحَقُّ مَنْ وَفٰی بِالْعَهْدِ "اَدْخِلُوْا عَبْدِیَ الْجَنَّةَ" (اس آیۃ کا پڑھنے والا قیامت کے دن لایا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے اس بندے کا مجھ سے ایک عہد ہے اور میں سب سے زیادہ ایفائے عہد کرنے والا ہوں، میرے بندے کو جنت میں داخل کر دو)۔

یہ آیۃ اصولِ دین (سیکھنے اور) جاننے کی فضیلت اور ایسے عُلماء کے شرف پر دلالت کرتی ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ بلاشبہ دینِ (حق اور مقبول) اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔

یہ جملہ مستأنفہ ہے، پہلے جملہ کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ یعنی کوئی دین سوائے اسلام کے اللہ تعالیٰ کے ہاں پسند نہیں اور اسلام توحید کو تسلیم کرنے اور شرع محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کا نام ہے۔ اِعراب کِسائی نے أَنَّ بالفتح پڑھا ہے اس بناء پر کہ یہ "اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" سے بدل کل ہے بشرطیکہ اسلام کی تفسیر ایمان یا متعلقات ایمان سے کی جائے۔ اور بدلِ اشتمال ہوگا جبکہ اسلام کی تفسیر مخصوص شریعت کے طور پر کی جائے۔

اور یہ قرأت بھی ہے کہ (اوپر) أَنَّهٗ لَا اِلٰهَ میں اِنَّهٗ مکسور پڑھا جائے اور أَنَّ مفتوح یعنی وقوعِ فعل اِنَّهٗ پر نہیں بلکہ أَنَّ پر ہوا۔ اور درمیان میں تمام جملہ معترضہ کے طور پر آیا۔ یا فعل شَهِدَ کا اِجراء "قَالَ تَارَةً وَعَلِمَ أُخْرٰی" یعنی پہلی شہادت قولی ہے اور دوسری علمی کیونکہ شَهِدَ دونوں معنی پر حاوی ہے۔

Marfat.com

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اور اہلِ کتاب نے جو اختلاف کیا (کہ اسلام کو باطل کہا)

یعنی یہود و نصاریٰ یا مطلق وہ لوگ جن کے پاس پہلے صحائف آسمانی آئے اُنھوں نے دین اسلام کے بارے میں اختلاف کیا۔ بعض نے کہا اسلام حق ہے، بعض نے اُسے صرف عربوں کے لیے مخصوص قرار دیا اور بعض نے بالکل انکار کر دیا۔ یا اُنھوں نے توحید کے بارے میں اختلاف کیا، نصاریٰ نے تثلیث کو اپنایا اور یہود نے کہا عُزَیر (علیہ السلام) اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ صرف یہود مُراد ہیں جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد اختلاف کیا اور نصاریٰ بھی مراد لیے جاتے ہیں جنھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اختلاف کیا۔

اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ تو ایسی حالت کے بعد کہ اُن کو دلیل پہنچ چکی تھی۔

یعنی حقیقتُ الامر معلوم کر لینے اور آیات اور (واضح) دلائل کے ساتھ اس اختلاف (کا حل) جان لینے کے بعد۔

بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ محض ایک دوسرے سے بڑھنے کے سبب سے۔

یعنی آپس میں حسد کی وجہ سے اور سرداری حاصل کرنے کی غرض سے ورنہ اُنہیں کوئی اشتباہ نہ رہا تھا اور کوئی بات اُن سے چھپی نہ رہی تھی۔ (بغیاً مفعول لہٗ ہو کر منصوب ہے اور بینھم ظرف مستقر ہو کر بغیاً کی صفت ہے)

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرے گا تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد اُس کا حساب لینے والے ہیں۔

مذکورہ لوگوں میں سے جنھوں نے اسلام کا انکار کیا اس آیۃ میں اُن کے لیے

Marfat.com

وعید ہے۔

فَإِنْ حَاجُّوكَ پھر بھی اگر یہ لوگ آپ سے حُجّتیں نکالیں۔

یعنی دین کے بارے میں بحث کریں یا تیرے حجّت پوری کر دینے کے بعد بھی تجھ سے مباحثہ کریں۔

فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ تو آپ فرما دیجیے کہ (تم مانو یا نہ مانو) میں تو اپنا رُخ خاص اللہ کی طرف کر چکا۔

یعنی میں نے اپنے نفس اور جملہ قُویٰ کو خدا تعالیٰ کے لیے خالصۃً مخصوص کر دیا ہے اور کسی غیر اللہ کو اس میں شریک نہیں کروں گا۔ یہی وہ صحیح دین ہے جس کی حجّت قائم ہے اور جس کے لیے حق کے نشانات اور انبیاء علیہم السلام نے دعوت دی ہے ـــــ 'نفس' کا مفہوم بیان کرنے کے لیے 'وَجْہ' کا لفظ لایا گیا ہے کیونکہ چہرہ ظاہری اعضا میں سے اشرف اور قُویٰ و حواس کا مظہر ہے۔

وَمَنِ اتَّبَعَنِ اور جو جو میرے پیرو تھے وہ بھی۔

'اَسْلَمْتُ' کی ضمیرِ بارز 'تُ' پر عطف ہے اور فصل کی وجہ سے عطف جائز بھی ہو گیا۔ یا مفعول معہٗ ہے۔

وَقُلْ لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ اور کہیے اہلِ کتاب سے اور مشرکینِ عرب سے۔

أُمّیین جن کے پاس کتاب نہیں آئی جیسے مشرکینِ عرب۔

أَأَسْلَمْتُمْ کیا تم بھی اسلام لاتے ہو؟

جس طرح میں ایمان لایا ہوں جبکہ میں نے بدلائل تمہارے سامنے اس کی وضاحت کی ہے۔ یا ابھی اپنے کفر ہی پر قائم ہو؟ لفظوں میں تو یہ استفہام ہے مگر معنیٰ میں امر ہے۔ اس کی نظیر "فَهَلْ أَنْتُم مُّنتَهُونَ" ہے اور اس میں

Marfat.com

اُن کی کند ذہنی کی طرف -- یا معاندت کی طرف اشارہ کرکے عار دلانا مقصود ہے۔

فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا سو اگر وہ لوگ اسلام لے آئیں تو وہ لوگ بھی راہ پر آجاویں گے۔

اور اس طرح گویا اُنہوں نے اپنے آپ کو نفع پہنچایا کہ گمراہی سے بچ گئے۔

وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ اور اگر وہ لوگ روگردانی رکھیں تو آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے۔

یعنی پھر جانے کی صورت میں آپ کو وہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جبکہ آپ کا فرض اُن تک پیغام پہنچانا تھا اور آپ نے یہ فرض ادا کر دیا۔

وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ اور اللہ تعالیٰ خود دیکھ (اور سمجھ) لیں گے بندوں کو۔

وعدہ اور وعید دونوں پر مشتمل ہے۔ یعنی ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ایسے شخصوں کو جو (افعال و اخلاق کے) اعتدال کی تعلیم دیتے ہیں سو ایسے لوگوں کو خبر سنا دیجیے ایک سزائے دردناک کی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمعصر اہل کتاب مراد ہیں جن کے آباؤ اجداد نے انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کو قتل کیا اور یہ اُس فعل سے خوش اور راضی تھے۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دوسرے مؤمنین کو قتل کرنا چاہا لیکن خدا تعالیٰ نے اُنہیں محفوظ رکھا۔ اس قسم کا بیان

سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ بغیر حقّ یعنی اُن کے اعتقاد میں بھی ناحق ہی تھا ورنہ انبیاء کو قتل کرنا ہمیشہ ناحق ہی ہوتا ہے۔ حمزہ صاحب نے یقتلون الذین کی جگہ "یُقَاتِلُونَ الَّذِینَ" پڑھا ہے۔ سیبویہ نے 'إنّ' کی خبر پر 'لیتَ' اور 'لعلّ' کی خبر کی طرح 'ف' کا داخل کرنا جائز نہیں سمجھا، اس لیے اُس نے فبشرھم بعذاب الیم کو جملہ معترضہ اور اگلی آیت کو خبر قرار دیا ہے۔

أُولٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

(اور) یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سب اعمال (صالحہ) غارت ہو گئے دنیا میں اور آخرت میں۔

اور یہ اسی طرح درست ہے جس طرح یہ کہنا درست ہے زَیْدٌ قَافْهُمْ رَجُلٌ صَالِحٌ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ إنّ — "لیت اور لعلّ" کی طرح مبتدا کے معانی نہیں بدلتا۔ یعنی ثبوتِ خبر علی المبتدا بخلاف لیت و لعلّ کے۔

وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ اور (سزا کے وقت) اُن کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا۔

جو اُن سے عذاب کو دور کر سکے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتٰبِ (اے محمدؐ) کیا آپ نے ایسے لوگ نہیں دیکھے جن کو کتاب (توراۃ) کا ایک (کافی) حصہ دیا گیا۔

کتاب سے توراۃ مراد ہے یا جنسِ کتبِ سماویہ۔ 'مِن' تبعیض یا تفسیر کے لیے ہے اور 'نصیب' کو تعظیم کے لیے نکرہ لایا گیا ہے یا تحقیر کے لیے۔

يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اور اسی کتاب اللہ کی طرف اس غرض سے اُن کو بلایا بھی جاتا ہے کہ وہ اُن کے درمیان فیصلہ کر دے۔

یہاں داعی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور کتاب سے مراد

Marfat.com

قرآن مجید یا توراۃ ہے۔ روایت ہے کہ حضور علیہ السلام اُن کی درسگاہ میں گئے تو نعیم بن عَمرو اور حارث بن زید نے آپ سے پوچھا: عَلٰی أَیِّ دِیْنٍ أَنْتَ؟ آپ نے فرمایا: عَلٰی دِیْنِ اِبْرَاھِیْمَ - اُنہوں نے کہا: ابراہیم (علیہ السلام) تو یہودی تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا: "توراۃ لاؤ، یہ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔" لیکن اُنہوں نے انکار کیا تو یہ آیۃ نازل ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ آیت رجم کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ الاختلاف خبر کان لِیَحْکُم مجہول لِیُحْکَمَ پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں یہود کا اندرونی اختلاف مراد ہوگا۔ اس میں دلیل ہے کہ اصول میں أدلّۂ سمعیّہ حُجّۃ ہوتی ہیں۔

ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ پھر (بھی) اُن میں سے بعض لوگ انحراف کرتے ہیں۔

یُدْعَوْن پر عطف ڈال کر اُن کے پھر جانے کو بعید از عقل قرار دیا ہے جبکہ وہ جانتے ہیں کہ کتاب کی طرف رجوع واجب ہے۔

وَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ بے رُخی کرتے ہوئے۔

یعنی یہ ایسے لوگ ہیں کہ اِعراض اُن کی عادت میں داخل ہو چکا ہے۔ یہ جُملہ "فَرِیْقٌ" سے حال واقع ہوا ہے اور اُن کے اس صفت سے مخصوص ہونے کی وجہ سے لایا گیا ہے۔

ذٰلِکَ (اور) یہ رویّہ۔

اُن کے اعراض اور تولّی کی طرف اشارہ ہے۔

بِأَنَّھُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ

اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہم کو صرف گنتی کے تھوڑے دنوں تک دوزخ کی آگ لگے گی (پھر مغفرت ہو جاوے گی)۔

یعنی اس لئے کہ اُنہوں نے اپنے متعلّق عذابِ الٰہی کے معاملہ کو آسان سمجھ

Marfat.com

رکھا ہے بسبب اپنے غلط عقیدے اور فضول طمع کے۔

وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ اور اُن کو دھوکا میں ڈال رکھا ہے اُن کی تراشی ہوئی باتوں نے۔

افتراء سے مراد اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ[1] انھیں صرف چند ہی دن آگ چھوئے گی۔ یا[2] اُن کے آباء میں جو انبیاء گزرے ہیں وہ سفارش کر کے چھڑا لیں گے۔ یا[3] یہ افتراء کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ اُن کی اولاد کو صرف قسم پوری کرنے کے لیے عذاب دیا جائے گا۔

فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ سو اُن کا کیا (بُرا) حال ہوگا جبکہ ہم اُن کو اُس تاریخ میں جمع کر لیں گے جس (کے آنے) میں ذرا شُبہ نہیں۔

یہ قول آخرت میں یہود سے کیے جانے والے سلوک کی عظمت و ہولناکی بیان کرنے کے لیے ہے اور ان کے قول "لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ" کی تکذیب کے لیے ہے۔ روایت ہے کہ قیامت کے دن کفّار کے جھنڈوں میں سے یہود کا جھنڈا پہلے بلند کیا جائے گا تو سب کے سامنے اللہ تعالیٰ انہیں رسوا کرے گا اور پھر دوزخ میں ڈالنے کا حکم فرمائے گا۔

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ اور (اُس تاریخ میں) پورا پورا بدلہ مل جائے گا ہر شخص کو جو کچھ اُس نے (دنیا میں) کیا تھا۔

یعنی اُن کے اعمال کی جزاء۔ اس سے ثابت ہوا کہ عبادۃ کسی صورت بھی ضائع نہ کی جائے گی۔ دوسرے یہ کہ مؤمن جہنّم میں ہمیشہ نہیں رہے گا کیونکہ اُس کے ایمان و عمل کی جزاء دوزخ میں نہیں ہو سکتی اور اِس (دخولِ نار) سے پہلے بھی نہ ہوئی تھی لہٰذا وہ جہنّم سے نجات کے بعد ہی ہوگی۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ اور ان شخصوں پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

Marfat.com

ضمیر "ھُمْ" عمومی معنٰی میں ہے کہ اُس کا معنٰی مطلقاً تمام انسان ہیں۔ یعنی یہ ضمیر معنٰی کے لحاظ سے کلّ نفسٍ کی طرف راجع ہے۔

قُلِ اللّٰھُمَّ (اے محمدؐ) آپ (اللہ تعالیٰ سے) یوں کہیے کہ اے اللہ!

اللّٰھم کی میم 'یا' ندا کے بدلے میں ہے اسی لیے "م" اور "یا" جمع نہیں ہوتے۔ اور اس 'م' کا داخل ہونا صرف 'اللہ' کے اسم سے مختص ہے جس طرح کہ لفظ 'اللہ' کے اور بھی خصائص ہیں۔ مثلاً اس پر لامِ تعریف کے باوجود 'یا' داخل ہوتا ہے اور اس پر ہمزہ باقی رکھا جاتا ہے اور اس پر تاءِ قسم بھی داخل ہوتی ہے (جبکہ اور کہیں نہیں ہوتی)۔ [۲] یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اصل میں "یَا اَللّٰہُ اُمَّنَا بِخَیْرٍ" تھا، تخفیف کی خاطر حرفِ ندا، متعلقاتِ فعل اور ہمزہ سب حذف کر دیے۔

مَالِكَ الْمُلْكِ مالک تمام ملک کے۔

خدا تعالیٰ ایک مالک کی حیثیت سے اشیاء پر تصرّف رکھتا ہے۔ سیبویہ کے نزدیک یہ دوسری نداء ہے اور اِس پر سے حرفِ نداء کو حذف کر دیا ہے اُس کی رائے میں اللّٰھُمَّ کی 'م' وصفیّہ (صفت موصوف) سے مانع ہے۔

تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ

آپ ملک جس کو چاہیں دے دیتے ہیں اور جس سے چاہیں ملک لے لیتے ہیں۔

تو ملک میں جس کو چاہے اور جو چاہے عطا کرتا ہے یا لوٹا لیتا ہے۔ 'ملک' کا لفظ تین بار استعمال ہوا۔ پہلی جگہ عام ہے اور دوسرے دو مقامات میں اُس کا حصر ہے کہ ملک کا کچھ حصہ۔ اور [۲] یہ بھی کہا گیا کہ ملک سے 'نبوت' مراد ہے اور اس کا چھیننا یہ ہے کہ ایک قوم سے دوسری میں منتقل کر دی جائے۔

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ اور جس کو آپ چاہیں

Marfat.com

غالب کر دیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں پست کر دیتے ہیں۔
دنیا میں یا آخرت میں یا ہر دو میں نصرت و توفیق کے ذریعہ عزت دیتا ہے اور ادبار و خذلان سے ذلیل و رسوا کرتا ہے۔
بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی۔ بلاشبہ آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

یہاں صرف خیر کا ذکر کیا ہے کیونکہ خیر ہی مقصود بالذات ہے اور شر مقصود بالعرض، کیونکہ شر محض کا وجود نہیں جس میں خیر نہ ہو۔ یا خطاب میں ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف خیر کا ذکر کیا۔ یا اس لیے کہ کلام کا سیاق و سباق اور آیۃ کا شان نزول صرف خیر کو چاہتا ہے کیونکہ یہ آیۃ اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خندق کا اندازہ لگایا اور ہر دس آدمیوں کو پچاس ہاتھ کھودنے کا ذمہ لگایا۔ سب کھودنے لگے تو اچانک ایک بڑی چٹان ظاہر ہوئی جس پر کدال اثر نہ کرتے تھے صحابہ کرام نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضور علیہ السلام کی طرف بھیجا کہ آپ کو اس بات کی اطلاع کریں، چنانچہ آپ تشریف لائے اور اسے توڑنے لگے آپ نے ایک ہی ضرب لگائی تھی کہ چٹان پھٹ گئی اور اس میں سے بجلی کی سی چمک پیدا ہوئی جس نے تمام ماحول کو روشن کر دیا جیسے اندھیرے گھر کے درمیان چراغ روشن کر دیا گیا ہو۔ تو آپ نے تکبیر کہی اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی نعرۂ تکبیر لگایا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس روشنی میں مجھے حیرہ کے محلات چمکتے ہوئے نظر آئے گویا وہ کلاب کے دانت چمک رہے ہوں۔ آپ نے دوسری مرتبہ ضرب لگائی اور پھر فرمایا کہ مجھے سلطنت روم کے سرخ محل چمکتے دکھائی دیے۔ پھر تیسری ضرب لگائی اور فرمایا کہ مجھے اس میں

Marfat.com

صنعاء (یمن) کے محلات واضح نظر آئے ہیں اور مجھے جبریل علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ میری اُمّت ان سب پر غالب آجائے گی۔ یہ سُن کر تمام مسلمان خوش ہو گئے مگر منافقین کہنے لگے: "کتنے تعجب کی بات ہے۔ تمہیں جھوٹ آرزوئیں دلاتا ہے اور باطل وعدے کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ وہ حیرہ کے محلّات اور کسریٰ کے شہر یثرب سے دیکھ رہا ہے اور یہ کہتا ہے کہ وہ سب تمہارے ہاتھ فتح ہوں گے اور حال یہ ہے کہ تم کافروں سے ڈر کے مارے خندق کھود رہے ہو۔" اس پر یہ آیۃ نازل ہوئی اور متنبّہ کر دیا کہ شرّ بھی اُسی کے ہاتھ میں ہے اور فرمایا انك علی کل شيءٍ قدیرٌ۔

تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ آپ رات (کے اجزا) کو دن میں داخل کر دیتے ہیں اور (بعض فصلوں میں) دن (کے اجزا) کو رات میں داخل کر دیتے ہیں اور آپ جاندار چیز کو بے جان سے نکال لیتے ہیں (جیسے بیضہ سے بچہ) اور بے جان چیز کو جاندار سے نکال لیتے ہیں (جیسے پرندے سے بیضہ) اور آپ جس کو چاہتے ہیں بے شمار رزق عطا فرماتے ہیں۔

اپنی قدرت کے بیان کے بعد یہ فرمایا کہ وہ رات اور دن کو لاتا لے جاتا ہے، موت اور حیات پر قادر ہے اور اُس کا فضل بڑی وسعت والا ہے۔ یہ چیزیں دلیل کے طور پر لائی گئیں کہ جو ذات ان پر قدرت رکھتی ہے وہ ذلیل و رسوا کرنے، عزّت دینے، ملک عطا کرنے اور اُس کے چھین لینے پر بھی قادر ہے ——

اور 'وَلوج' تنگ مقام میں داخل ہونے کو کہتے ہیں اور اِیلاجِ لیل و نہار کا یہ مطلب ہے کہ اُنہیں ایک دوسرے میں داخل کرتا ہے یکے بعد دیگرے لانے سے یا

اُن کے اوقات میں کمی بیشی کر دینے سے ـــــ اخراج الحی من المیت و بالعکس سے مُراد مادّہ سے حیوان (جاندار) کی پیدائش اور بالعکس اُس کو موت دینا ہے۔
یا[۳] حیوان (تمام جاندار) کا نطفہ سے پیدا کرنا اور پھر اُس سے زندہ پیدا کرنا مراد ہے۔ اور[۳] یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب مومن سے کافر کا پیدا کرنا اور کافر سے مومن بنانا ہے۔

ابنِ کثیر، ابوعمرو، ابن عامر اور ابوبکر نے مَیِّت کو مَیْت (بسکون الیاء) پڑھا ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مسلمانوں کو چاہیے کہ کفار کو (ظاہراً یا باطناً) دوست نہ بنائیں۔

اُن[۱] کی دوستی سے روکا ہے کہ اُن سے ایسی دوستی نہ لگائیں جیسے زمانہ جاہلیت میں تعلقات اور رشتہ داریاں وغیرھما تھیں تاکہ ان کی محبت اور بُغض صرف اللہ کے لیے ہوں۔ یا[۲] مومنوں کو کافروں سے غزوات اور دینی امور میں مدد لینے سے روکا ہے۔

مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ مسلمانوں (کی دوستی) سے تجاوز کر کے۔

اس میں اشارہ ہے کہ مومنین ہی دوستی کے مستحق ہیں۔

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَالِكَ اور جو شخص ایسا (کام) کرے گا۔

یعنی کفار کو دوست بنائے گا۔

فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ سو وہ شخص اللہ کے ساتھ دوستی رکھنے کے کسی شمار میں نہیں۔

یعنی خدا کی دوستی میں اُس کا کوئی حق نہیں جسے دوستی کا نام دیا جا سکتا ہو۔ کیونکہ دو حقیقی دشمنوں کی دوستی ایک جگہ (ایک دل میں) جمع نہیں ہو

Marfat.com

سکتی۔ جیسا کہ ایک شاعر کا قول ہے : ؎

تَوَدُّ عَدُوِّیْ ثُمَّ تَزْعَمُ اَنَّنِیْ صَدِیْقُكَ لَیْسَ النَّوْكُ عَنْكَ بِعَازِبِ

اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً مگر ایسی صورت میں کہ تم اُن سے کسی قسم کا (قوی) اندیشہ رکھتے ہو۔

البتہ اُن امور میں ان سے بچو (اور احتیاط کا پہلو اختیار کرو) جن میں احتیاط لازمی ہے۔ یا تقوی کو مدّنظر رکھ کر (مفعول مطلق ہے) اور فعل کو 'مِنْ' سے متعدّی کیا گیا (حالانکہ یہ بغیر صلہ آتا ہے) کیونکہ یہ تحذّروا اور تخافوا کے معنیٰ میں آیا ہے ــــ یعقوب نے "تُقَاةً" کی بجائے "تَقِیَّةً" پڑھا ہے۔ گویا کفّار سے ظاہری معاملات ہوں یا باطنی تمام اوقات میں دوستی سے منع کیا گیا۔ سوائے اوقات مخصوصہ (خطرناک حالات) کے کیونکہ ایسے حالات میں دوستی کا اظہار جائز ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابن مریم علیہ السلام نے فرمایا: كُنْ وَسَطًا وَّامْشِ جَانِبًا۔ کہ اُن کے ساتھ ظاہری معاشرت کرو مگر اُن کی موافقت قلبی سے کنارہ کش رہو۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور خُدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

تو خدا تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرکے اور اُس کے دشمنوں سے دوستی کرکے اُس کی ناراضی کا نشانہ نہ بنو۔ یہ وعید نہایت سخت ہے اور اس بات کو واضح کرتی ہے کہ جس بات سے منع کیا گیا ہے وہ بُرائی میں انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ اور 'نَفْسَه' فرمایا کہ جان لیا جائے کہ جس چیز سے ڈرنا چاہیے وہ عذاب اور قہر الٰہی ہے جو اللہ جل جلالہٗ کی ذات سے صادر ہوگا اور کافروں سے ڈرنا قابلِ التفات نہیں۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ

اللّٰہُ آپ فرما دیجیے کہ اگر تم پوشیدہ رکھوگے اپنا ما فی الضمیر یا اُسے ظاہر کروگے اللہ تعالیٰ اُسے (ہر حال میں) جانتے ہیں۔

یعنی کفار سے دوستی وغیرہ کے بارے میں وہ تمہارے ضمائر کو جانتا ہے خواہ تم اُسے چھپاؤ یا ظاہر کرو۔

وَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ اور وہ تو سب کچھ جانتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔

پس وہ تمہاری پوشیدہ باتوں کو بھی جانتا ہے اور ظاہر کو بھی۔

وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت بھی کامل رکھتے ہیں۔

اگر تم ان منع کردہ امور سے باز نہ آؤ گے تو وہ تمہیں سزا دینے پر قادر ہے اور یہ وَ یُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ "کا بیان ہے۔ گویا یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے تمام معلومات پر محیط ذاتی علم سے متصف ہے ـــ اور ذاتی قدرت سے بھی متصف ہے۔ لہٰذا ہر قسم کی مقدورات اُس کے لیے ممکن ہیں اس لیے اُس کی نافرمانی پر جسارت نہ کرو کیونکہ اُسے ہر نافرمانی کا علم بھی ہے اور وہ اُس پر سزا دینے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

یَوْمَ تَجِدُ کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا وَ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَہَا وَ بَیْنَہٗٓ اَمَدًا بَعِیْدًا جس روز (ایسا ہوگا) کہ ہر شخص اپنے اچھے کیے ہوئے کاموں کو سامنے لایا ہوا پائے گا اور اپنے بُرے کیے ہوئے کاموں کو بھی (اور) اس بات کی تمنا کرے گا کہ کیا خوب ہوتا کہ اُس شخص کے اور اُس روز کے درمیان دور دراز کی مسافت (حائل) ہوتی۔

Marfat.com

یَوْمَ [1] 'تَوَدُّ' کا مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی جس دن ہر نفس اپنے اعمال کا ریکارڈ یا اپنے خیر و شر کا اجر حاضر پائے گا تو ہر نفس چاہے گا کہ کاش اُس کے اور اُس خوفناک دن کے درمیان لمبا فاصلہ ہوتا۔ یا [2] اُذْکُرْ جیسے کسی فعل کا مفعول بہ ہے۔ اور [1] "تَوَدُّ" "عَمِلَتْ" کی ضمیر غائب کا حال ہے یا [2] "ما عملت من سوء" کی خبر ہے اور تَجِدُ "ما عملت من خیر" تک محذوف ہے۔ اور مَا شرطیہ نہیں ہو سکتا کیونکہ "تَوَدُّ" مرفوع ہے ـــــ اور ایک روایت میں تَوَدُّ کی بجائے وَدَّتْ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں "مَا" شرطیہ ہو سکتا ہے لیکن اُسے خبر یہ (یعنی مَا موصولہ اور عملت صلہ تَوَدُّ خبر) قرار دینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ ایک آنے والے واقعے کا بیان ہے اور قرأۃ مشہور کے بھی موافق ہے۔

وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ اور خدا تعالیٰ تمہیں اپنی ذاتِ (عظیم الشان) سے ڈراتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نہایت مہربان ہیں بندوں پر۔

تذکیر اور تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ [1] اللہ تعالیٰ کا یہ بعض باتوں سے روکنا اور ڈرانا اُن کے حال پر مہربانی اور اُن کی خاطر بھلائی کی وجہ سے ہے یا [2] یہ کہ وہ گناہ معاف بھی کرتا ہے اور سزا بھی سخت دیتا ہے اس لیے اُس کی رحمت کی امید رکھی جائے اور اس کے عتاب سے ڈرا جائے۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ آپ فرما دیجیے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو۔

محبت اُس میلانِ نفس کا نام ہے جو کسی میں کمال دیکھ کر اُس کی طرف قرب حاصل کرنے کو پیدا ہوتا ہے۔ اور بندہ جب جان لیتا ہے کہ کمالِ حقیقی صرف اللہ ہی کے

Marfat.com

لیے ہے اور یہ کہ جو کچھ بھی کمال وہ اپنے اندر پاتا ہے یا دوسروں میں دیکھتا ہے وہ سارا اللہ کی جانب سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے قائم ہے اور اسی کی جانب اس کی انتہا ہے۔ تو پھر اُس (انسان) کی محبت صرف اللہ ہی کے لیے ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر اللہ تعالیٰ کے بندوں سے ہوتی ہے۔ اور یہ امر اُس میں اطاعت و رغبت پیدا کر دے گا جو قرب الی اللہ پر منتج ہوگی۔ اسی لیے محبّت کی تفسیر ارادۂ اطاعت محبوب سے کی گئی اور عبادات میں اتّباع و فرمانبرداری رسول کو بھی یہی مستلزم ہے (یعنی محبت کے ساتھ اتّباع رسول اور آپ کی فرمانبرداری ضرور ہوتی ہے، وہ بیج ہے اور یہ پھل)۔ محبت لازمہ ہے اتباع رسول کا اور حرص علی المطاوعۃ کا۔

يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے۔

امر (فاتبعونی) کا جواب ہے۔ "يُحْبِبْكُمْ" کا معنٰی ہے کہ وہ تم سے راضی ہوگا اور تمہاری زیادتیوں سے چشم پوشی فرما کر تمہارے قلوب سے پردے ہٹا دے گا پھر تمہیں اپنی جناب میں تقرب عطا کرے گا اور تمہیں اپنے "جوارِ قدس" میں جگہ دے گا۔ اس مفہوم کو استعارہ یا مقابلہ کے رنگ میں محبت سے تعبیر کیا۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے عنایت فرمانے والے ہیں۔

اُس کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی اتّباع کو اپناتا ہے۔ روایت ہے کہ جب یہود نے "نَحْنُ أَبْنَاءُ اللّٰهِ وَأَحِبَّاؤُهُ" کہا تو یہ آیۃ نازل ہوئی۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب وفدِ نجران نے کہا کہ ہم مسیح کی عبادت خدا کی محبت کے لیے کرتے ہیں "إنّما نعبد المسيح حبّا لله" اُن

کے متعلق نازل ہوئی۔ اور[۳] یہ بھی کہا گیا ہے کہ اُن لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو آنحضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے عہد میں خدا تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرتے تھے اُن کو خطاب کیا گیا کہ اگر تم اپنے دعویٰ محبت میں سچے ہو تو (اتّباع رسول کرکے) اپنے عمل سے اُس کی تصدیق بھی کرو۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا (اور) آپ (یہ بھی) فرما دیجیے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ کی اور اُس کے رسول کی۔ پھر (اس پر بھی) اگر وہ لوگ اعراض کریں۔

تَوَلَّوْا فعل ماضی بھی ہو سکتا ہے اور تائے تفعل کے حذف سے مضارع بھی ہو سکتا ہے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ تو (سُن رکھیں کہ) اللہ تعالیٰ کافروں سے محبّت نہیں کرتے۔

یعنی اُن سے راضی نہیں اور نہ اُن کے اعمال کو (درجہ قبولیت دے کر) سراہتے ہیں اور لَا يُحِبُّهُم نہیں فرمایا تاکہ اس کا مفہوم تمام کافروں کے لیے عام ہو جائے اور یہ دلالت ہو کہ 'تولّی' کفر ہے۔ اس لیے اس حیثیت سے یہ خدا کی محبّت کی نفی کرتی ہے اور یہ بھی دلالت ہوتی ہے کہ اللہ کی محبّت مومنین کے لیے مخصوص ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ نے (نبوت کے لیے) منتخب فرمایا ہے (حضرت) آدم کو اور (حضرت) نوح کو اور (حضرت) ابراہیم کی اولاد (میں سے بعض) کو اور عمران کی اولاد (میں سے بعض) کو تمام جہان پر۔

یعنی رسالت اور خصائصِ روحانیہ و جسمانیہ میں منتخب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اُن کاموں پر بھی قادر ہوئے جن پر اُن کے علاوہ اور لوگ قادر نہ ہو سکے۔

Marfat.com

پہلے تو اللہ تعالیٰ نے اطاعتِ رسول واجب قرار دی اور واضح فرمایا کہ یہی ایک ذریعہ ہے جو حبِّ الٰہی اور قربِ الٰہی کا باعث بن سکتا ہے۔ اس کے بعد اس آیۃ میں انبیاء علیہم السلام کے مناقب بیان فرمائے اُن کی طرف رغبت دلاتے ہوئے۔ اور اس سے ملائکہ پر اُن کی فضیلت ثابت کی۔ اور آل ابراہیم، سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام اور سیدنا اسحٰق علیہ السلام ہیں اور رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی اُن میں داخل ہیں۔ اور آل عمران موسیٰ[1] وہارون ہیں جو عمران بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ عیسیٰ[2] اور اُن کی والدہ جو عمران بن ماثان بن العاذار بن ابی یوزن بن یوزن بن زربابل بن سالیان بن یوحنا بن اوشیا بن امون بن مشکن بن حازقا بن اخازا بن یوثام بن عوزیا بن یورام بن سافط بن الیشا بن راجیم بن سلیمان بن داؤد بن الیشی بن عوبدا بن سلمون بن باعز بن بخشون بن عمیاد بن رام بن حصرون بن فارص بن یہودا بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں اور دونوں عمرانوں میں اٹھارہ سو[1800] سال کا فرق ہے۔

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ بعض ان میں بعض کی اولاد ہیں۔

یہ آل ابراہیم اور آل عمران سے حال یا بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یا آل ابراہیم و آل عمران اور نوح سے بدل یا حال ہے۔ یعنی یہ ایک ہی ذُرِّيَّة ہیں اور بعض بعض سے نکلے ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ بعض، بعض سے دین میں مختلف ہوئے ہیں — اور ذُرِّيَّة — اولاد کو کہتے ہیں جس کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور جمع پر بھی — الذّر سے فُعْلِيَّة کے وزن پر یا الذُّرْء سے فُعُولَة کے وزن پر آیا ہے۔ مؤنث الذکر صورت میں ہمزہ کو 'یاء' سے بدل دیا گیا پھر 'واؤ' کو 'یاء' میں بدل دیا اور ادغام کر دیا۔

وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں۔

Marfat.com

لوگوں[1] کے اقوال و اعمال کو سنتا جانتا ہے اور جو قول و عمل سے صراطِ مستقیم اختیار کرے اُسے چُن لیتا ہے۔ یا[2] یہ کہ عمران کی بیوی کی بات کو خوب سُن رہا تھا اور اس کی نیت کو خوب جانتا تھا۔

اِذْ قَالَتِ امْرَأَةُ عِمْرَانَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ جبکہ عمران (پدرِ مریم) کی بی بی نے (حالتِ حمل میں) عرض کیا کہ اے پروردگار میں نے نذر مانی ہے آپ کے لیے اس بچہ کی جو میرے شکم میں ہے۔

بعض[1] نے "اِذْ" کو نَذَرْتُ کا ظرف قرار دے کر منصوب بتایا ہے لیکن یہ امر متنازع فیہ ہے — بعض[2] نے اس کی ظرفیت فعل محذوف اُذْکُرْ کی بناء پر مانی ہے۔ اور یہ عورت "امرءۃ عمران" حَنّہ بنت فاقوذ تھیں جو سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی نانی تھیں اور عمران بن یصہر کی بھی ایک بیٹی مریم نامی تھی جو حضرات موسٰی و ہارون علیہما السلام سے سِن میں بڑی تھیں تو بعض لوگوں نے زوجہ عمران سے عمران بن یصہر کی بیوی مراد لی ہے حالانکہ اس کی تردید کفّلہا زکریّا کرتا ہے کیونکہ زکریّا علیہ السلام عمران بن ماثان کے ہمعصر تھے اور اس کی بیٹی "ایشاع" نامی سے شادی کی تھی۔ گویا عیسٰی علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام خالہ زاد تھے — روایت ہے کہ (زوجہ عمران) بانجھ اور بوڑھی تھیں، ایک دن درخت کے سایے میں بیٹھی تھیں کہ ایک پرندے کو دیکھا جو اپنے بچوں کو دانہ کھلا رہا تھا۔ اُن کے دل میں اولاد کی خواہش پیدا ہوئی اور وہ تمنّا کرنے لگیں پھر کہا "اے اللہ! بے شک میں تیرے لیے نذر مانتی ہوں، اگر تو مجھے اولاد عطا کرے تو میں اُسے بیت المقدس پر وقف کر دوں گی اور اُسے خدّام میں داخل کر دوں گی۔" چنانچہ "مریم" کا حمل ہوا اور عمران فوت ہو گئے۔ اور ایسی نذر اُن کے عہد میں لڑکوں کے لیے مشروع تھی تو اُس نے یا تو معاملہ تقدیر پر

چھوڑا یا یہ خیال کیا کہ لڑکا ہی پیدا ہوگا۔
مُحَرَّرًا کہ وہ آزاد رکھا جاوے گا۔
بَیْتَ المقدس کی خدمت کے لیے وقف ہوگا اور مَیں اُس سے کوئی کام نہ لوں گی یا عبادت کے لیے آزاد کر دوں گی۔ اور یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔
فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ سو آپ مجھ سے (بعد ولادت) قبول کر لیجیے۔
مجھ سے وہ چیز قبول فرمائیے جس کی میں نے نذر مانی ہے۔ نافع اور ابو عمرو نے مِنِّیَ بفتح یاء پڑھا ہے اور باقی قراء نے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔
اِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ بے شک آپ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں۔
آپ میرے قول کو سنتے ہیں اور نیّت کو جانتے ہیں۔
فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا أُنْثٰی پھر جب لڑکی جنی (حسرت سے) کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار مَیں نے تو وہ حمل لڑکی جنی۔
ضمیر مؤنث (ھا) ما فی بطنھا کی طرف راجع ہے اور مؤنث اس لیے لائے کہ واقعۃً مؤنث تھیں ـــــ اور أُنْثٰی اُس سے حال ہے اور اس (حال) کا تأنیث لانا یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مؤنث لائے یہ بھی مؤنث ہوگا کیونکہ حال اور ذو الحال ذات میں ایک ہی ہوتے ہیں ـــ یا اُس کی تأنیث بتاویل مؤنث لائے جیسے نفس اور حَبَلَہ کو مؤنث گردانا جاتا ہے لہذا اُس سے حال بھی مؤنث لائے ـــــ حضرت حنّہ اُمّ مریم نے یہ الفاظ اپنے رب کی طرف اظہارِ حسرت و غم کے لیے کہے تھے کیونکہ وہ تو لڑکے کی آرزو رکھتی تھی اور اسی لیے اُسے آزاد کرنے کی نذر مانی تھی۔

Marfat.com

وَاللّٰہُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ حالانکہ خدا تعالیٰ زیادہ جانتے ہیں اُس کو جو اُنہوں نے جنی۔

یہ جملہ مستأنفہ ہے ـــــ یہ اللہ سبحانہ نے فرمایا تاکہ پیدا ہونے والے بچے (سیدہ مریم) کی عظمتِ شان اور اس کی عظمت سے اُس کی والدہ کی لاعلمی کا بیان کیا جائے۔ اور ابن عامر اور ابوبکر نے بروایتِ عاصم و یعقوب وَضَعْتُ پڑھا ہے۔ گویا یہ بھی زوجۂ عمران کا قول ہے اور اُس نے اپنے آپ تسلّی دینے کے لیے کہا ہے یعنی یہ کہ "اس میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی کوئی خفیہ مصلحت ہوگی اور شاید (میرے حق میں لڑکے سے) لڑکی ہی بہتر ہو" اور وَضَعَتِ بھی پڑھا گیا ہے اس بناء پر کہ یہ اُس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہے۔

وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثٰى اور (وہ) لڑکا (جو انہوں نے چاہا تھا) اُس لڑکی کے برابر نہیں۔

واللہ اعلم بما وَضَعَتْ کا بیان ہے اور اس میں دو احتمال ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہو کہ "جیسی نرینہ اولاد کے لیے تو نے دعا کی تھی وہ اس لڑکی کے برابر نہیں ہو سکتی تھی جو میں نے عطا کی ہے، یہ لڑکی لڑکے سے اعلیٰ و افضل ہے" اس صورت میں دونوں جگہ (الذکر اور الأنثیٰ میں) لام عہد کا ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ حضرت حنہؓ کا قول ہے کہ جس مقصد سے میں نے نذر مانی ہے کہ مرد قوت و صلاحیت کی وجہ سے زیادہ خدمت بجا لا سکتا ہے اور عورت بوجہ شرم و حیا اور عارضہ حیض و نفاس کے نہیں بجا لا سکتی" اس تقدیر پر دونوں جگہ الف لام جنس کا ہوگا۔ پہلی تأویل اچھی ہے۔

وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا۔

امرأۃ عمران کے پہلے قول پر عطف ہے اور درمیانی حصہ جملاتِ معترضہ

Marfat.com

ہیں ـــ اور اس امر کا ذکر خدا تعالیٰ کے حصولِ تقرب اور بچی کے لیے دُعا کی خاطر ہے کہ" خُدا اُسے محفوظ رکھے اور اُس کی اصلاح فرمائے تاکہ اُس کی زندگی اس کے نام کے مطابق ہو" کیونکہ اُن کی زبان میں مریم کے معنیٰ عابدہ کے ہوتے ہیں۔ اس میں دلیل ہے کہ اسم مسمّیٰ اور تسمیہ متغایر امور ہیں۔

وَاِنِّیْ اُعِیْذُھَا بِکَ اور میں اس (لڑکی) کو تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ تیری حفاظت میں دیتی ہوں۔

وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اور اُس کی اولاد کو بھی (اگر کبھی اولاد ہو) شیطان مردود سے۔

الرجیم کا معنیٰ المطرود (دھتکارا ہوا) اور رَجْم کا اصل معنیٰ ہے پتھر پھینکنا ـــ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ اِلَّا وَالشَّیْطَانُ یَمَسُّہٗ حِیْنَ یُوْلَدُ فَیَسْتَھِلُّ مِنْ مَسِّہٖ اِلَّا مَرْیَمَ وَابْنَھَا" یعنی شیطان ہر نومولود کو چھوتا ہے جس سے وہ روتا ہے۔ مگر مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کریم نے حضرت حنہ کی دعا "اِنِّیْ اُعِیْذُھَا بِکَ" الخ کی برکت سے محفوظ رکھا۔

فَتَقَبَّلَھَا رَبُّھَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ پس اُن (مریم علیہا السلام) کو اُن کے رب نے بوجہِ احسن قبول فرمالیا۔

یعنی خدا تعالیٰ نے مریم (علیہا السلام) کو نرینہ اولاد کی بجائے قبول فرمایا۔ بقبولٍ حَسَنٍ یعنی جس طور سے نذر قبول ہوتی ہے اُس میں بہتر طور سے قبول فرمایا یعنی[1] اُسے نرینہ وقف کا درجہ دیا ـــ یا[2] اُس کی ولادت کے معاً بعد ہی ـــ قبل اس کے کہ وہ بڑی ہو اور سدانت کا عہدہ سنبھالے خدا تعالیٰ نے اسے قبول فرمالیا ـــ روایت ہے کہ جب حنہ کے ہاں مریم پیدا ہوئی تو وہ اُسے

Marfat.com

ایک کپڑے میں لپیٹ کر مسجد میں لے گئیں اور احبار کے سامنے رکھ کر کہنے لگیں کہ "لو، یہ نذرانہ ہے۔" اس پر احبار میں سے ہر ایک نے اُسے لینا چاہا کیونکہ وہ اُن کے امام اور بنی ماثان کی بیٹی تھیں اور بنی ماثان بنی اسرائیل کے سرداروں اور شاہی خاندان میں شمار تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا کہ "میں اس کا زیادہ حقدار ہوں کیونکہ میرے گھر میں اس کی خالہ "ایشاع" ہیں۔" مگر دوسرے قرعہ اندازی کے بغیر نہ مانے اور وہ ستائیس آدمی تھے۔ چنانچہ وہ ایک دریا پر گئے اور اس میں اپنے قلم پھینک دیے تو حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم تیرتا رہا جبکہ باقیوں کے قلم بیٹھ گئے اور شرط تیرنا تھی چنانچہ زکریا علیہ السلام نے ہی مریم کی کفالت سنبھالی۔

[3] اور مضاف کے مقدر ہونے کی صورت میں بقبولِ حسنٍ مصدر بھی ہو سکتا ہے تقدیر عبارت یوں ہوگی بِذِیْ قَبُوْلٍ حَسَنٍ اور تَقَبَّلَ بمعنی اِسْتَقْبَلَ بھی ہو سکتا ہے جیسے تقضّی اور تعجّل بمعنی استعجل (عجلت چاہی) یعنی خدا تعالیٰ نے اُسے پیدائش سے ہی قبولیتِ حسنہ دے دی۔

وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا اور عُمدہ طور پر اُن کو نشوونما دیا۔

یعنی اُس کی خوب تربیت فرمائی اور نَبَاتًا غیرِ باب سے (اَنْبَتَ کا) مفعولِ مطلق ہے۔ تقدیرِ عبارت یوں ہوگی انبتها فَنَبَتَتْ نَبَاتًا حَسَنًا۔

وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا اور (حضرت) زکریا کو اُن کا سرپرست بنایا۔

حمزہ، کسائی اور عاصم نے کَفَّلَ کی فاء کو مشدّد پڑھا ہے اور زکریّا کو مقصور، مگر عاصم نے مقصور نہیں کیا جو انہوں نے ابن عیاش سے روایت کیا۔ اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کو فاعل اور زکریا کو ثانی مفعول کہا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا کو حضرت مریم کا کفیل بنایا اور اس کے مصالح کا ضامن کیا۔ [2] باقی قرّاء نے کفل کی فاء کو غیر مشدد (کَفَلَ) پڑھا ہے اور زکریّاء کو فاعل قرار دے کر

Marfat.com

بألف ممدودہ (زَكَرِيَّآءُ) پڑھا ہے۔

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ (سو) جب کبھی زکریا (علیہ السلام) اُن کے پاس عبادت خانہ میں تشریف لاتے۔

محراب سے مراد غرفہ[1] (کمرہ) ہے جو خاص طور پر حضرت مریم علیہا السلام کے لیے بنایا گیا تھا۔ یا مسجد[2] یا مسجد[3] کا افضل اور آگے کا حصّہ اور وہ محراب اس لیے کہلاتا ہے کہ شیطان سے جنگ کرنے کا مقام ہے۔ گویا مریم علیہا السلام کو بیت المقدس کے نمایاں اور اشرف حصّے میں جگہ دی گئی تھی۔

وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا تو اُن کے پاس کچھ کھانے پینے کی چیزیں پاتے۔

یہ كُلَّمَا کا جواب ہے لہٰذا منصوب ہے۔ روایت ہے کہ مریم علیہا السلام کے کمرہ میں زکریا علیہ السلام کے سوا کوئی نہ جاتا تھا اور جب وہ نکلتے تو ساتوں دروازے بند کر دیتے، پھر بھی وہ حضرت مریم کے پاس گرمی کے موسم میں سرما کے میوے اور سردیوں میں گرمیوں کے پھل موجود پاتے۔

قَالَ يٰمَرْيَمُ أَنّٰى لَكِ هٰذَا[16] (اور) یوں فرماتے کہ اے مریم یہ چیزیں تمہارے واسطے کہاں سے آئیں؟

یعنی یہ بے موسم پھل تمہارے پاس کہاں سے آتے ہیں جبکہ دروازے بھی بند ہوتے ہیں اور یہ آیۃ کرامات اولیاء کے جواز کی دلیل ہے ـــ اور اس معاملے میں حضرت زکریّا علیہ السلام کا اشتباہ اس بات کو رد کرتا ہے کہ یہ اُن کا معجزہ ہو۔

قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وہ کہتیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئیں۔

یعنی آپ اسے بعید نہ سمجھیں ـــ کہتے ہیں کہ مریم علیہا السلام نے بھی عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بچپن میں کلام کیا اور اُس نے کسی عورت کے پستان کا دودھ

Marfat.com

نہیں پیا اور آپ کی خوراک جنّت سے آپ کے پاس آتی تھی۔
اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے استحقاق رزق عطا فرماتے ہیں۔
یعنی اتنی کثرت سے کہ اُس کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ یا بغیر استحقاق کے محض اپنے فضل و مہربانی سے ـــــ یہ حضرت مریم علیہا السلام کا کلام بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہو ـــــ روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور دو روٹیاں اور گوشت کا ایک ٹکڑا پیش کیا۔ آپ وہ طشتری واپس فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لائے اور فرمایا "اے بیٹی! یہ لو (اپنے برتن)" اُنہوں نے طشتری کو کھول کر دیکھا تو وہ روٹیوں اور گوشت سے پُر تھی۔ آپ نے پوچھا: اَنّٰی لَکِ ھٰذا؟ اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: "ھو من عند اللہ ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب"۔ آپ نے فرمایا: "خدا کا شکر ہے کہ اُس نے تجھے سیّدہ بنی اسرائیل (مریم علیہا السلام) جیسا بنایا۔ پھر آپ نے حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین اور اپنے اہل بیت کو بلایا۔ اُن سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور کھانا ویسے کا ویسا بچ گیا۔ پھر وہ کھانا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہمسایوں کو تقسیم کر دیا۔
ھُنَالِکَ دَعَا زَکَرِیَّا رَبَّہٗ اِس موقع پر دُعا کی (حضرت) زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے۔
ھُنَالِکَ سے مُراد اُسی جگہ یا اُسی وقت کیونکہ ھنا، ثَمَّ اور حیثُ استعارۃً وقت کے لیے بھی آتے ہیں ـــــ جب زکریا علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کی کرامت اور مرتبہ دیکھا تو دُعا کی۔

Marfat.com

قَالَ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً عرض کیا کہ
اے میرے رب عنایت کیجیے مجھے خاص اپنے پاس سے کوئی اچھی اولاد۔
جس طرح تو نے عمر رسیدہ بانجھ حنہ کو اولادِ صالحہ دی ـــ کہتے ہیں کہ جب اُنہوں نے بے موسم کے پھل دیکھے تو آپ کو خیال ہوا کہ ایک عاقرہ کے ہاں بوڑھے مرد سے اولاد کا ہونا ممکن ہے تو آپ نے بھی (اللہ تعالیٰ سے اولادِ صالح کی) دعا مانگی۔
عرض کیا ھب لی من لدنك ذریة طیبة کیونکہ یہ چیز عمومی وجود اور اسبابِ ظاہری کے مطابق نہ تھی۔
اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ بے شک
آپ بہت سننے والے ہیں دُعا کے پس پکار کر کہا اُن سے فرشتوں نے۔
یعنی دعا قبول کرنے والے یا جواب دینے والے۔ یعنی ملائکہ کی جنس میں سے کسی فرد نے پکارا۔ جیسے کہتے ہیں زیدٌ یرکب الخیل (زید گھوڑوں پر سوار ہوتا ہے) بولا جاتا ہے حالانکہ وہ ایک ہی پر سوار ہوتا ہے ـــ کیونکہ ندا دینے والے صرف جبریل علیہ السلام تھے۔ حمزہ اور کسائی نے (نَادَتْهُ) بصیغہ مذکر اور بلا امالہ پڑھا ہے۔
وَهُوَ قَائِمٌ یُّصَلِّیْ فِی الْمِحْرَابِ اور وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے محراب میں۔
یعنی قائم فی الصلوٰۃ ـــ یُصَلِّیْ قائم کی صفت[1] ہے یا خبر[2] ہے یا دوسرا[3] حال ہے یا قائم کی ضمیر سے حال[4] ہے۔
اَنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں یحییٰ کی (جن کے احوال یہ ہونگے کہ)
اَنَّ[1] سے پہلے ب، مقدر ہے ای بِاَنَّ اللّٰہ ـــ نافع[2] اور ابن عامر نے اِنَّ

Marfat.com

میں ہمزہ کو مکسور پڑھا ہے اور اس سے پہلے قَالَت مقدّر مانا ہے یعنی ارادہ قول۔ یا اس لیے کہ نداء بھی قول کی قسم ہے ـــــ حمزہ اور کسائی نے اسے یُبَشِّرُکَ پڑھا ہے۔ یحییٰ عجمی نام ہے اور اگر عربی ہی مان لیں تو معرفہ اور وزن فعل کی وجوہات کی بناء پر غیر منصرف ہوگا۔

مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ (عیسی علی نبینا وعلیہ السلام) کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔

کلمۃ من اللہ سے عیسیٰ علیہ السلام مُراد ہیں۔ آپ اس لیے کلمۃ اللہ قرار دیے گئے کہ آپ بغیر باپ کے خاص اُمرِ الٰہی سے پیدا ہوئے اور اس طرح خوارق میں شمار ہوئے جو عالمِ امر سے ظہور میں آتے ہیں۔ یا اس سے مراد کتاب اللہ ہے اور کتاب اللہ کو کلمۃ کہنا اسی طرح ہے جیسے حویدرہ شاعر کے قصیدے کو کلمۃ حویدرۃ کہتے ہیں۔ (مجاز مرسل یعنی جز کا کل پر اطلاق)

وَسَيِّدًا اور مقتدا ہوں گے۔

وہ قوم کی سرداری کریں گے۔ اور اُن سے ممتاز اور فائق ہوں گے۔ اور واقعۃً اپنی قوم میں فائق تھے کیونکہ آپ نے کبھی کسی معصیت کا ارادہ نہیں کیا۔

وَحَصُورًا اور اپنے نفس کو (لذّات سے) بہت روکنے والے ہونگے۔

یعنی نفس کو شہوات اور ملاہی سے روکنے میں انتہا پر ہوں گے۔ روایت ہے کہ بچپن میں ایک مرتبہ آپ بچوں کے پاس سے گزرے اور اُنہوں نے آپ کو کھیلنے کے لیے بُلایا تو آپ نے فرمایا: مَا لِلَعِبٍ خُلِقْتُ (میں کھیل کے لیے پیدا نہیں کیا گیا)۔

وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ اور نبی بھی ہوں گے اور اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہونگے۔

یعنی صالحین میں پرورش پائیں گے یا ایسے صالحین میں سے نبوت کے مقام پر فائز ہونگے جو کبائر و صغائر کے مرتکب نہیں ہوں گے۔

قَالَ رَبِّ أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلَامٌ زکریا نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میرے لڑکا کس طرح ہوگا۔

یہ کہا کیونکہ یہ[1] امر خارق عادت بظاہر ناممکن تھا یا[2] اُس کو عظیم سمجھتے ہوئے یا[3] اظہار تعجب کی خاطر یا[4] اُس کے ظاہر ہونے کی کیفیت (اور اُس کی تفصیلات) معلوم کرنے کے لیے استفہام کے طور پر عرض کیا

وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ حالانکہ مجھے بُڑھاپا آپہنچا۔

میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور بڑھاپے کے اثرات مجھ میں ظاہر ہیں — اُس وقت اُن کی عمر ننانوے[99] سال تھی اور آپ کی بیوی کی عمر اٹھانوے[98] سال۔

وَامْرَأَتِيْ عَاقِرٌ اور میری بی بی بچہ جننے کے قابل نہیں رہی۔

یعنی وہ بچّہ نہیں جن سکتی۔ عاقر، عقر سے ہے جس کا معنیٰ ہے قطع یعنی جس کو اولاد ہونے کی امّید نہ رہے۔

قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اسی حالت میں لڑکا ہو جاوے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ ارادہ کریں کر دیتے ہیں۔

یعنی عجائب میں سے جو چاہتا ہے ظاہر کرتا ہے۔ جیسے[1] یہ فعل کہ شیخ فانی اور بانجھ عورت سے اولاد پیدا کی یا یہ کہ جیسے تیرا معاملہ ہے اور تیری بیوی کا کہ تو معمّر ہے اور تیری بیوی بانجھ — اولاد کی پیدائش کے سلسلے میں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ یا[2] كَذٰلِكَ اللّٰهُ مبتدا اور خبر ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ایسی ہی صفات کا مالک ہے اور "يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ" اُس کا بیان ہے۔ یا[3] "كَذٰلِكَ" مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی یوں ہوگا کہ "الامر كذالك" اور "اللّٰه يفعل ما يشاء" اُس کا بیان ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ اٰيَةً اُنہوں نے عرض کیا کہ اے پروردگار میرے

Marfat.com

واسطے کوئی نشانی مقرر کر دیجیے۔

ایسی نشانی جس سے میں اپنی بیوی کے حاملہ ہونے کا وقت معلوم کر سکوں اور کھلے چہرے سے بشاشت کے ساتھ اُس کا استقبال کروں اور شکر بجالاؤں اور انتظار کی تکلیف و مشقت مجھ سے زائل ہو۔

قَالَ اٰيَتُكَ اَنْ لَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری نشانی یہی ہے کہ تم لوگوں سے تین روز تک باتیں نہ کر سکو گے۔

اور فی الواقع یہی ہوا کہ آپ کی زبان مبارک خاص طور پر لوگوں کے ساتھ بات کرنے سے بند ہو گئی تاکہ آپ اس عرصے کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اُس کی نعمت کے شکریہ بجالانے میں صرف کر سکیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ تیری زبان سوائے میرے ذکر و شکر اور تسبیح کہنے کے بند ہو جائے گی۔ اور بہترین جواب وہی ہوتا ہے جو (سوال کرنے والے کے) سوال سے ہی اُخذ کیا جائے۔

اِلَّا رَمْزًا بجز اشارہ کے۔

یعنی ہاتھ یا سر کے اشارے سے اور رمز کا اصل معنی (ہلانا اور) حرکت کرنا ہے اور اسی لیے "راموز" سمندر (یا دریا) کو کہتے ہیں اور یہ استثنائے منقطع ہے اور بعض نے کہا کہ استثنائے متصل ہے اور کلام سے مراد دل کی بات زبان سے ظاہر کرنا ہے اور "رَمْزًا" کو رُمُزًا بھی پڑھا گیا ہے جیسے خَدَمٌ اور اس صورت میں یہ رَامِزٌ کی جمع تصور ہوگی جیسے خَادِم سے خَدَم اور اسے رُمُزًا بھی پڑھا گیا جو رَمُوْزٌ کی جمع ہے جیسے رُسُل جمع رسول کی۔ اس بات پر کہ یہ حضرت زکریا علیہ السلام اور النَّاسَ (لوگوں) دونوں سے حال ہے لہذا اُس سے رُمُزًا حال لایا گیا۔ جیسا کہ ذیل کے شعر میں کلمہ "فَرْدَيْنِ" متکلم اور مخاطب دونوں سے حال واقع ہوا ہے:

Marfat.com

۵ مَتٰی مَا تَلْقَنِیْ فَرْدَیْنِ تَرْجُفُ رَوَالِفُ اَلْیَتَیْكَ وَتُسْتَطَارَا

(ترجمہ: جب تُو اور مَیں اکیلے ملیں گے تو تیرے اطرافِ سرین مضطرب اور متفرق ہونے لگیں گے یعنی تو حد درجہ بزدل ہے کہ تیرا یہ حال ہونے لگے گا)

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا اور اپنے رب کو (دل سے) بکثرت یاد کیجیو۔

یعنی ان (تین) دنوں میں جب تیری زبان گفتگو سے بند رہے۔ اور یہ اپنے ماقبل کی تاکید میں آیا ہے جو زبان کو بند رکھنے کی غرض اور مقصود کو واضح کرتا ہے اور ساتھ "کثیرًا" کی قید اس پر دلالت کرتی ہے کہ امر میں تکرار نہیں ہے۔

وَسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ ۳ اور (زبان سے بھی) تسبیح (و تقدیس) کیجیو دن ڈھلے بھی۔

عَشِیّ کا معنی زوال سے غروب تک کا وقت یا عصر سے لے کر یا غروب سے لے کر رات کا پہلا حصہ گزرنے تک۔

وَالْاِبْكَارِ اور صبح کو بھی (کہ اس کی قدرت رہے گی)

طلوعِ فجر سے چاشت کے وقت تک اور اسے اَبْکَار بھی پڑھا گیا۔ اس صورت میں یہ بَکَر کی جمع ہوگی جیسی سَحَر کی جمع اَسْحَار آتی ہے۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ اور (وہ وقت قابلِ ذکر ہے) جبکہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریم بلاشک اللہ تعالیٰ نے تمہیں منتخب (یعنی مقبول) فرمایا ہے اور پاک بنایا ہے اور تمام جہان بھر کی بیبیوں کے مقابلے میں منتخب فرمایا ہے۔

اُن (فرشتوں) نے حضرت مریم سے بالمشافہ باتیں کیں اُن کی (بزرگی اور) کرامت کی خاطر۔ اور معتزلہ وغیرہ جنہوں نے سیدہ مریم علیہا السلام کی اس کرامت کا انکار کیا ہے، اُنہوں نے کہا کہ یہ حضرت زکریا علیہ السلام کا معجزہ تھا یا یہ کہ حضرت

عیسٰی علیہ السلام کی نبوت کے ابتدائی نشانات تھے (یعنی اس لیے کہ آپ کی گود میں حضرت عیسٰی علیہ السلام تشریف لا رہے تھے ــــ) کیونکہ امت کا اس بات پر اِجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی عورت کو نبی نہیں بنایا (لہذا یہ حضرت مریم کا معجزہ نہیں ہو سکتا) اور اس اِجماع کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما ارسلنا قبلك الا رجالاً (یعنی ہم نے آپؐ سے پہلے جو رسول بھیجے. وہ مرد ہی تھے)

۲ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فرشتوں نے (آمنے سامنے باتیں نہیں کی تھیں بلکہ) اُن کے دل میں یہ بات ڈال دی۔ اور پہلے جو اصطَفٰك میں اصطفاء فرمایا اس کا معنی ہے کہ حضرت مریم کو اُن کی ماں سے قبول فرمایا حالانکہ اس سے پہلے کسی لڑکی کو (عبادت و خدمتِ مسجد وغیرہ کے لیے خادمہ کے طور پر) قبول نہیں کیا گیا تھا اور یہ کہ اُنہیں عبادت کے لیے فارغ کر دیا اور کمائی وغیرہ کی بجائے جنّت سے رزق پہنچا کر مستغنی و بے نیاز کر دیا اور یہ کہ اُنہیں اُن باتوں سے پاکیزہ بنایا جو عورتوں میں قابلِ نفرت سمجھی جاتی ہیں۔ اور دوسری بار جو اِصْطَفٰك فرمایا اس کا مطلب ہے اُنہیں ہدایت دی اور فرشتوں کو ان کی طرف بھیجا اور بلند و بالا واضح کرامات سے نوازا جیسے بغیر شادی کے بیٹا عطا فرمایا اور بچے کو گویائی دے کر اس بہتان سے آپ کو بری کر دیا جو یہود نے آپ پر لگایا تھا اور اُنہیں اور اُن کے بیٹے کو تمام جہان (والوں) کے لیے نشانی بنا دیا۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ. اے مریم اطاعت کرتی رہو اپنے پروردگار کی اور سجدہ کیا کرو اور رکوع کیا کرو اُن لوگوں کے ساتھ. جو رکوع کرنے والے ہیں۔

آپ کو نماز باجماعت کا حکم دیا گیا اور نماز کی محافظت و پابندی میں تاکید

Marfat.com

کی خاطر اُس کے ارکان کا ذکر بھی کر دیا ـــــ اور سجدے کو رکوع سے پہلے ذکر کیا اس[1] لیے کہ ان کی شریعت میں ایسے ہی ہو یا[2] اس لیے کہ واؤ (حرفِ عطف) سے ترتیب لازم نہیں آتی یعنی ہو سکتا ہے سجدہ رکوع کے بعد ہی ہو مگر یہاں پہلے ذکر کر دیا۔ یا[3] اس لیے کہ اِرْكَعِيْ کو رَاكِعِين کے ساتھ ملا دینا مقصود تھا یہ بتانے کے لیے کہ جن کی نماز میں رکوع نہیں وہ نمازی ہی نہیں ہیں ـــــ اور کہا گیا ہے کہ قُنُوت سے مراد طاعت پر دوام و ہمیشگی ہے جیسے فرمایا اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَائِمًا ـــ{ یعنی وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں (اللہ تعالیٰ کی) فرمانبرداری میں، سجدے اور قیام میں رہتا ہے} ـــ اور یہ کہ سُجُود سے مراد نماز ہے جیسے فرمایا وَ اَدْبَارَ السُّجُود {اور سجدوں یعنی نماز کے بعد} ـــ اور یہ کہ رُکوع سے عاجزی و فروتنی اور تواضع و انکساری مُراد ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ یہ قصے منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں ہم اُن کو وحی بھیجتے ہیں آپ کے پاس

یعنی یہ واقعات اور باتیں جو ہم نے ذکر کی ہیں یہ غیب کی باتیں ہیں جنہیں آپ وحی سے پہلے نہیں جانتے تھے۔

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اور آپ اُن لوگوں کے پاس نہ تو اُس وقت موجود تھے جبکہ وہ (قرعہ کے طور پر) اپنے اپنے قلموں کو (پانی میں) ڈالتے تھے۔

(اقلام سے مراد) اُن کے تیر (ہیں) جو وہ قرعہ اندازی کے لیے ڈال رہے تھے اور یہ بھی کہا گیا کہ اُنہوں نے اپنے قلموں سے ہی قرعہ اندازی کی تھی جن سے وہ توراۃ لکھتے تھے اور برکت کی خاطر ایسا کیا تھا۔ اور اس سے مُراد یہ ثابت کرنا

Marfat.com

ہے کہ یہ اللہ کی وحی ہی ہے اور یہ منکرینِ وحی کا مذاق اُڑانے کی خاطر بطورِ الزام کہا گیا ـــــ کیونکہ واقعات کا جاننا دو طریق سے ہوتا ہے : مشاہدہ سے یا سننے سے۔ تو جہاں تک سننے کا تعلّق ہے سب لوگ جانتے تھے اور اُنہیں کسی قسم کا شک نہ تھا (کیونکہ حضور علیہ السلام نے کتبِ سماویہ وغیرہا کا کوئی علم نہ سیکھا تھا بلکہ آپ اُمّی تھے اور اہلِ مکہ بھی کتبِ سماویہ کا علم نہ رکھتے تھے تو پھر آپ یہ واقعات کہاں سے سُنتے سوائے وحی کے)۔ رہی یہ بات کہ آپ پر یہ الزام لگایا جائے کہ آپ نے بچشمِ خود یہ واقعات دیکھے ـــــ تو کوئی عقلمند اس بات کا تصوّر بھی نہیں کرسکتا (کیونکہ آپ سیدنا عیسٰی علیہ السلام کے صدیوں بعد تشریف لائے تھے دیکھنا کہاں؟)

أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ کہ اُن سب میں کون شخص حضرت مریم (علیہا السلام) کی کفالت کرے۔

یہ اُس محذوف سے متعلّق ہے جس پر يُلْقُونَ أَقْلَامَهُم دلالت کرتا ہے (وہ محذوف یوں تھا لِيَعْلَمُوا[1] يَا[2] لِيَقُولُوا ـــ أَيُّهُم) یعنی وہ قلمیں اس لیے ڈال رہے تھے تاکہ وہ جان لیں کون کفالت کرے گا یا تاکہ وہ کہیں فلاں کفالت کرے گا۔

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ اور نہ آپ اُس وقت موجود تھے جبکہ باہم اختلاف کر رہے تھے۔

حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کو عمدہ اور نفیس جانتے ہوئے وہ جھگڑ رہے تھے (ہر ایک کہتا تھا کہ میں کفالت کروں گا)

إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ (اُس وقت کو یاد کرو) جبکہ فرشتوں نے (یہ بھی) کہا۔

یہ پہلے إِذْ قَالَتْ کا بدل ہے اور درمیان میں تمام جملہ ہائے معترضہ (ضمناً ذکر

کیا گیا) ہیں ـــــ یا یہ اِذ یختصمون سے بدل واقع ہوا ہے اس بناء پر کہ یہ جھگڑا اور یہ (اِذْ قَالَتْ والی) بشارت ایک طویل عرصے میں ہوئے، ایک ہی وقت میں نہیں۔ جیسے آپ کہتے ہیں میں اُسے فلاں سال ملا (تو اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ سارا سال آپ اُس کے پاس رہے جُدا نہ ہوئے۔ اسی طرح جھگڑا اور وقت میں ہوا اور بیٹے کی بشارت اور وقت میں ـــ)

يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ کہ اے مریم بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہوگا اُس کا نام (ولقب) مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا

مسیح آپ کا لقب ہے بزرگی کے القاب میں سے جیسے کہا جاتا ہے صِدّیق۔ اور اس کی اصل عبرانی زبان میں (لفظ) مشیح ہے اور اس کا معنی ہے برکتوں والا اور عیسیٰ، الیشوع (عبری) سے معرّب ہے ـــ اور یہ کہنا کہ ان دونوں لفظوں مسیح اور عیسیٰ کو مَسح اور عیس سے بنایا گیا ہے اس بناء پر کہ آپ کو برکت سے چھُوا گیا تھا یا کہ آپ کو گناہوں سے پاک بنا دیا تھا یا یہ کہ آپ زمین میں چلتے پھرتے (سیاحت کرتے) رہے تھے اور کسی ایک جگہ نہ ٹھہرے تھے یا یہ کہ آپ کو جبریل علیہ السلام نے چھُوا تھا اور عیس اُس سفیدی کو کہتے ہیں جس پر سُرخی غالب ہو یہ سراسر تکلّف ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں۔ اور ابن مریم صفت ہے جس نے تمیز کر دی ہے جیسے اسماء تمیز و فرق یا وضاحت کے لیے آجاتے ہیں (اور اس صفت کو بھی ناموں کے ساتھ پرو دیا گیا) ـــ اور خبروں کا زیادہ ہونا مبتدا کے ایک ہونے کو مانع نہیں اسمہ مبتدا اور المسیح عیسیٰ ابن مریم تین خبریں۔ کیونکہ یہ (ابنُ مریم) اسم جنس مضاف ہے ـــ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مُراد لیا جائے کہ وہ شخص جو

Marfat.com

اس سے پہچانا جاتا ہے اور اپنے سوا دوسروں سے فرق کیا جاتا ہے وہ یہ تین ناموں والا ہے - کیونکہ اسم تو مسمّٰی کی علامت ہوتی ہی ہے اور جو کوئی امتیازی نام ہوگا تو وہ صرف اسی کا ہوگا ـــــ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عیسیٰ مبتدا محذوف کی خبر ہو اور ابن مریم (خبر کی) صفت ہو- (یعنی اِسْمُہ المسیحُ پر جملہ ختم اور آگے نیا جُملہ ھو عیسی ابن مریم) ـــ اور خطاب حضرت مریم سے تھا تو پھر ابن مریم کیوں کہا - یُوں کیوں نہ کہا کہ تیرا بیٹا ہوگا اس لیے کہ یہ بتانا مقصود تھا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوگا کیونکہ اولاد تو باپ کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور ماں کی طرف منسوب نہیں کی جاتی سوائے اس کے کہ باپ کا پتا نہ ہو -

وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ باآبرو ہونگے دنیا میں اور آخرت میں-

یہ حال ہے "کَلِمَةٍ" سے اور (ذوالحال ہمیشہ معرفہ ہوتا ہے یہاں نکرہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ) یہ نکرہ موصوفہ ہے (جو معرفہ کے مُساوی ہوتا ہے یعنی بکلمةٍ منه اسمه المسیح ـــ اسمه المسیح اُس کی صفت ہے) اور (کلمةٍ مؤنث ہے تو اُس کا حال وجیھًا) مذکر اس لیے آیا کہ کلمة کا معنوی اعتبار کیا گیا (کہ اس سے مراد سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ہیں) اور دنیا میں وجیہہ ہونے کا مطلب ہے نبوت ملے گی اور آخرت کی وجاہت سے مراد ہے حقِّ شفاعت -

وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ اور منجملہ مقربین کے ہوں گے -

یعنی[1] اللہ کا قرب پائیں گے ـــ یہ[2] بھی کہا گیا کہ یہ اُن کے جنت میں بلندیٔ مرتبت کی طرف اشارہ ہے ـــ یا[3] یہ کہ اُن کے آسمان کی طرف اُٹھائے جانے اور صحبتِ ملائکہ کی طرف اشارہ ہے -

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا اور آدمیوں سے کلام

کریں گے گہوارہ میں (یعنی بالکل بچپن میں بھی) اور بڑی عمر میں بھی۔
پیغمبروں کی سی باتیں کرنا بغیر کسی فرق کے ــــ "مَہْد" مصدر ہے اور یہ اُس چیز کو نام دیا گیا جو بچے کے لیٹنے کی جگہ پر بچھائی جاتی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ آپ کو جوانی میں (آسمان پر) اُٹھا لیا گیا تھا اور اس طرح "وَکَہْلًا" بڑھاپے میں باتیں کرنے سے مُراد دوبارہ تشریف لانے پر کلام کرنا ہے۔ گویا اشارہ ہے آپ کے دوبارہ تشریف لانے کا۔ اور آپ کے باہم اختلاف ونفی کرنے والے واقعات واحوال کا ذکر فرمایا کہ آپ بچے ہوں گے پھر بوڑھے ہوں گے۔ اس سے یہ راہنمائی کرنا مقصود ہے کہ جس پر مختلف احوال گزریں وہ "اِلٰہ" نہیں ہو سکتا۔
وَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ اور شائستہ لوگوں میں سے ہونگے۔
یہ "کلمۃ" سے تیسرا حال ہے یا چوتھا (پہلا حال وجیہًا تھا اور دوسرا ومن المقربین ویکلم الناس تیسرا) ــــ یا کلمۃٍ کی ضمیر فاعلی جو "یُکَلِّمُ" میں ہے اُس سے حال واقع ہوا ہے۔
قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ
(حضرت مریم علیہا السلام) بولیں اے میرے پروردگار کس طرح ہوگا میرے بچہ حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا۔
تعجب[1] کی خاطر عرض کیا ــــ یا[2] اس لیے کہ یہ معاملہ عام حالات سے بعید تھا ــــ یا[3] یہ کہ آپ نے پوچھا کہ یا اللہ! یہ بیٹا شادی کرنے سے ہوگا یا بغیر اس کے۔
قَالَ کَذٰلِکِ اللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ویسے ہی (بلا مرد کے) ہوگا (کیونکہ) اللہ تعالیٰ جو چاہیں پیدا کر دیتے ہیں۔
کہنے والا جبریل[1] ہے ــــ یا[2] اللہ تعالیٰ ہیں اور جبریل نے اُسے آپ سے بیان کر دیا۔

Marfat.com

اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ جب کسی چیز کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو اُسے کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا، بس وہ ہو جاتی ہے۔

یہ اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ قدرت رکھتا ہے کہ اشیاء کو مادے سے اور اسباب کے ساتھ بالتدریج پیدا کر دے اسی طرح وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اُنہیں بغیر اسباب و علل کے یکبارگی پیدا کر دے۔

وَ نُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ اور ہم تعلیم فرمائیں گے اُنہیں (آسمانی) کتابیں اور سمجھ کی باتیں اور (بالخصوص) توراۃ اور انجیل۔

یہ نئی بات ہے جو اُن کے دل کو تسکین و تسلّی دینے کی خاطر کہی گئی اور اُن کے اس فکر کو مٹانے اور دُور کرنے کی خاطر جو اُنہیں خوفِ ملامت سے لاحق ہو گیا تھا کیونکہ اُنہیں علم ہو گیا تھا کہ وہ شادی کیے بغیر بچہ جنیں گی ـــــ یا (یہ نیا کلام نہیں بلکہ) يُبَشِّرُكِ پر عطف ہے (پھر یہ بھی گویا بشارت کی باتوں میں سے ایک بات ہو گی) ـــــ یا وَجِيْهًا پر عطف ہے۔ (اس صورت میں بھی گویا یہ ایک خوشی کی بات ہے کہ وہ صاحب وجاہت ہونگے اور ہم اُنہیں کتاب و حکمت سکھائیں گے) ـــــ اور الکتاب کا معنی ہے لکھنا یا جنسِ کُتبِ منزّلہ یعنی کتب آسمانی مُراد ہیں اور اس صورت میں پھر توراۃ و انجیل کا خاص طور پر اس لیے ذکر فرمایا کہ اُنہیں (قرآن مجید سے پہلے) تمام کتابوں پر فضیلت حاصل تھی ـــــ اور نافع اور عاصم نے (نُعَلِّمُهٗ کی بجائے) يُعَلِّمُهٗ (واحد مذکر غائب کا صیغہ) پڑھا ہے۔

وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اور اُنہیں (تمام) بنی اسرائیل کی طرف بھیجیں گے (پیغمبر بنا کر) کہ میں تم لوگوں کے پاس (اپنی نبوت پر) کافی دلیل لے کر آیا ہوں۔

یہ منصوب ہے اُس فاعل کی وجہ سے جو چھپا ہوا ہے جس سے مراد قول وغیرہ ہے۔ گویا اصل عبارت یوں تھی: وَيَقُوْلُ اَنِّيْ رَسُوْلٌ (اور آپ کہیں گے کہ میں رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں) یا اس کا عطف ہے اوپر بیان کردہ احوال پر جن میں نطق کا معنی پایا جاتا ہے گویا یوں فرمایا: وَنَاطِقًا بِاَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ (آپ کہیں گے کہ میں تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں) اور بنی اسرائیل کی تخصیص اس لیے کی گئی کہ آپ خاص طور پر اُنہی کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اور اس لیے بھی کہ یہ تردید ہے اُس شخص کی جو گمان کرتا ہو کہ آپ کو بنی اسرائیل کے علاوہ اوروں کی طرف (بھی) بھیجا گیا۔

أَنِّيْ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ وہ یہ ہے کہ میں تم لوگوں کے لیے گارے سے ایسی شکل بناتا ہوں جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے۔

یہ أَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ کا بدل واقع ہو کر منصوب ہے (کیونکہ وہ مفعول بہ ہے) — یا یہ اٰيَةٍ سے بدل ہے اور مجرور ہے — یا اس سے پہلے ھِيَ مبتدا محذوف ہے اور یہ خبر مرفوع — معنی یہ ہوگا کہ میں تمہارے سامنے اندازہ کرتا ہوں اور کسی چیز کی، پرندے کی طرح تصویر بناتا ہوں۔ اور نافع نے اسے (أَنِّيْ کی بجائے) إِنِّيْ (بالکسرۃ) پڑھا ہے۔

فَاَنْفُخُ فِيْهِ پھر اُس کے اندر پھونک مار دیتا ہوں۔

(فیہ کی) ضمیر كَهَيْئَةِ میں "كَ" کے لیے ہے یعنی اُس پرندے کی مماثل چیز میں (پھونک مارتا ہوں)۔

فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ جس سے وہ (جاندار) پرندہ بن جاتا ہے خدا کے حکم سے۔

یعنی وہ اللہ کے حکم سے زندہ اور اُڑنے والا ہو جاتا ہے۔ إِذْن کا ذکر

Marfat.com

کرتے ہوئے بتا دیا کہ اُس پرندے وغیرہ کا زندہ کرنا اصل میں اللہ ہی کی جانب سے ہے نہ کہ خود اُن سے ـــــ اور نافع نے یہاں بھی اور سورۃ مائدہ میں بھی طَیْرًا کی بجائے طَائِرًا پڑھا ہے۔

وَ اُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور برص (جذام) کے بیمار کو۔

أکمہ سے مراد پیدائشی اندھا ہے ـــــ یا جس کی آنکھیں ضائع ہو گئی ہوں ـــــ روایت ہے کہ اُن کے پاس ہزاروں مریض جمع ہو جاتے تھے۔ جو طاقت رکھتا چل کر آپ کے پاس آجاتا اور جو چل کر نہ آسکتا سیدنا عیسٰی علیہ وعلی نبینا السلام چل کر اُس کے پاس آجاتے اور آپ صرف دُعا سے ہی علاج فرماتے تھے۔

وَ اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ اور زندہ کر دیتا ہوں مُردوں کو خُدا کے حکم سے۔

بِاِذْنِ اللّٰهِ کو دوبارہ لائے ہیں تاکہ لاہوتیت کا وہم دُور کر دیا جائے کیونکہ (مُردوں کو) زندہ کرنا افعالِ بشریہ کی قبیل سے نہیں۔ (لاہوت عبرانی لفظ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور انسان کے لیے ناسوت استعمال ہوتا ہے)

وَ اُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ اور میں تم کو بتلا دیتا ہوں جو کچھ اپنے گھروں میں کھا (کر) آتے ہو اور جو رکھ آتے ہو۔

یعنی تمہارے ایسے چھپے ہوئے احوال بتاتا ہوں جن میں تم شک نہیں کر سکتے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ بے شک ان میں (میری نبوت کی) کافی دلیل ہے تم لوگوں کے لیے اگر تم ایمان لانا چاہو۔

مؤمنین کا معنی ہے جسے ایمان کی توفیق دی جائے کیونکہ جسے توفیق نہ دی

Marfat.com

جائے اُسے معجزات بھی فائدہ نہیں دے سکتے ـــــ یا[۲] اس کا معنی ہے حق کی تصدیق کرنے والے، بُغض و عناد نہ رکھنے والے۔

وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ اور میں اس طور پر آیا ہوں کہ تصدیق کرتا ہُوں اُس کتاب کی جو مجھ سے پہلے تھی یعنی توراۃ کی۔

اس کا عطف رسولاً پر ہے اور منصوب ہے انہی دو[۱،۲] وجہوں کی بناء پر جن کا وہاں ذکر ہُوا {یعنی ۱۔ اُرْسِلتُ مصدِّقًا لما بین ـــ پڑھا جائے۔ ۲۔ نَاطِقًا مُصَدِّقًا لما بین یدیَّ سمجھا جائے ـــ پہلی صورت میں مصدقاً حال ہوگا اور دوسری صورت میں مفعول (ناطِقاً کا)} ـــ یا[۳] یہ مفعول ہے فعل مضمر کی وجہ سے جس پر "قَدْ جِئْتُكُم" دلیل ہے، یعنی اس کے شروع میں بھی جِئْتُكُم محذوف مانیں گے۔ (میں تمہارے پاس مصدّق ہو کر آیا ہوں)۔

وَ لِأُحِلَّ لَكُمْ اور اس لیے آیا ہُوں کہ تم لوگوں کے لیے حلال کر دوں۔

کسی[۱] چھپے ہوئے جملے کے ساتھ مقدّر ہے جیسے و جئتکم لِأُحِلَّ لَكُم وغیرہ ـــ یا اس قول قَدْ جِئْتُكُم بآية پر اسے لوٹایا جائے گا (عبارۃ یوں ہوگی جِئْتُكُم بآيةٍ اى لِأُظْهِرَ لكم اٰيةً وَلِأُحِلَّ لكم۔ یہ ہم نے اس لیے کیا کہ مفعول لہٗ کا عطف مفعول بہ پر نہیں ہو سکتا۔ اب دونوں مفعول لہٗ ہو جائیں گے۔ اور اگر مفعول لہٗ کا عطف مفعول بہ پر جائز قرار دیا جائے تو پھر عبارۃ اصل یوں ہوگی جِئْتُكُم بآية و جِئْتُكُم لِأُحِلَّ لكم ـــــ بآية مفعول بہ ـــ لِأُحِلَّ لكم مفعول لہٗ) ـــ یا[۲] اس کا عطف مُصَدِّقًا کے معنی پر ہے (یعنی تصدیق کرنے کے لیے اور حلال کرنے کے لیے) جیسے کہتے ہیں جِئْتُكَ مُعْتَذِرًا وَلِأُطِيبَ قَلْبَكَ ـــ (یہاں معتذرا کے معنی پر لِأُطيبَ کا عطف ہے یعنی لِأَعْتَذِرَ لَكَ وَلِأُطِيبَ ـــ میں تیرے پاس

عذر خواہی اور تیرے دل کو خوش کرنے کے لیے آیا ہوں ـــ معنوی لحاظ سے ہم عطف اس لیے کہتے ہیں کہ اِسم پر فعل کا عطف نہیں ہو سکتا ـــ)

بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ بعض ایسی چیزیں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں۔

یعنی جو شریعتِ موسیٰ علیہ السلام میں حرام کیا گیا تھا جیسے چربی، آنتوں پر لگی ہوئی چربی، مچھلی، اونٹ کا گوشت اور ہفتے کے دن کام کاج کرنا ـــ اور اس میں دلیل ہے کہ آپ کی شریعت شریعتِ موسویہ کی ناسخ تھی اور اس سے توراۃ کے مصدّق ہونے میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا جس طرح قرآن مجید کے بعض حصوں کا دوسرے بعض حصوں کا منسوخ کر دینا تناقص (ضد) اور تکاذب (باہم جھوٹ) وغیرہ کو لازم نہیں کیونکہ حقیقت میں نسخ تو کسی بات کی وضاحت اور زمانوں اور مواقع کی تخصیص کے لیے ہوتا ہے۔

وَ جِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ۔ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ اور میں تمہارے پاس دلیلِ (نبوت) لے کر آیا ہوں حاصل یہ کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ بے شک اللہ تعالیٰ میرے بھی رب ہیں اور تمہارے بھی رب ہیں سو تم لوگ اُس کی عبادت کرو بس یہ ہے راہِ راست۔

یعنی میں تمہارے پاس ایک اور نشانی بھی لے کر آیا ہوں جسے تمہارے پروردگار نے میرے دل میں ڈالا ہے اور وہ یہ ہے جو میں کہتا ہوں کہ اللہ ہی میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی ـــ کیونکہ یہی وہ نشانی ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام میں مُجمع علیہ (متفق علیہ) ہے اور نبی اور جادوگر میں فرق کرنے والی ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا معجزات پرندے وغیرہ بنانا تو جادوگر بھی کرتے رہے ہیں مگر یہ بات صرف انبیاء

Marfat.com

علیہم السلام میں ہی ہوگی) ـــ یا ۲ یہ کہ میں اس بات پر نشانی لایا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی ـــ اور فَاتَّقُوا اللّٰہ واطیعون جملہ معترضہ ہے ـــ اور ظاہراً یہ قَدْ جِئْتُکُم ـــ دوبارہ لایا گیا ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ میں یکے بعد دیگرے کئی نشانیاں تمہارے پاس لایا ہوں جو میں تمہیں بیان کر چکا ہوں۔ (مطلب یہ ہے کہ اس جملے کا عطف ہوگا پہلے قد جئتکم پر اور اس طرح معنوی زیادتی پیدا ہوگی اور وہ ہے ان اللہ ربی و ربکم یا تفصیلاً بتانے کے لیے جیسے فرمایا فارجع البصر کرّتین ـــ اور یکے بعد دیگرے آیات میں گزشتہ نشانیاں بغیر باپ کے پیدا ہونا اور پنگھوڑے میں کلام کرنا وغیرہ بھی مُراد لی جا سکتی ہیں ـــ لیکن یہ صرف لفظی طور پر دوبارہ نہیں لایا گیا بلکہ معنوی طور پر ـــ) اور پہلے جو کہا کہ آیت لے کر آیا ہوں وہ تمہید کے طور پر تھا اور دوسری نشانی سے مقصود تقریب اِلی الحکم ہے (یعنی فاتقوا اللہ کی طرف متوجہ کرنے کے لیے) اور اسی واسطے اس پر "فَاء" داخل کیا ـــ یعنی جب میں تمہارے پاس غالب معجزات اور واضح آیات لے کر آیا ہوں تو تم مخالفت کرنے میں اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اُن اُمور میں جن میں تمہیں اللہ کی طرف بلاؤں ـــ یہ کہنے کے بعد آپ نے دعوت و تبلیغ شروع کی اور ایک اِجمالی قول انّ اللہ ربّی و ربّکم سے اس طرف اشارہ کیا۔ اور یہی حق پر اعتقاد رکھتے ہوئے قوتِ نظریہ کو کمال تک پہنچانا ہے جس کی انتہاء توحیدِ باری تعالیٰ ہے۔ اور فرمایا فَاعْبُدُوْہُ (اسی کی عبادت کرو) اور یہی قوتِ عملیہ کا کمال ہے کیونکہ یہ طاعت پر ہمیشگی کے ساتھ ہوگی جو حکم دی گئی چیزوں کا کرنا اور منع کی گئی چیزوں سے رُکنا ہے۔ پھر اس پر فیصلہ دے دیا کہ یہ دونوں کام أوامر کا کرنا اور مناہی سے رُکنا ہی وہ راہ ہے جسے صِراطِ مستقیم کہا جاتا ہے اور اس کی مثال حضور علیہ السلام کا وہ فرمان ہے کہ فرمایا قُلْ اٰمَنْتُ

Marfat.com

بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔ ("کہہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اُس پر استقامت اختیار کر"
یہاں بھی "اٰمَنْتُ بِاللّٰہ" میں قوۃِ نظریہ اور "استقم" میں قوۃِ عملیہ کا ذکر ہے۔)

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْھُمُ الْکُفْرَ سو جب حضرت عیسٰی (علیہ السلام) نے اُن سے انکار دیکھا۔

یعنی جب اُن کا کفر ثابت ہوگیا جیسے حواسِ خمسہ سے کسی چیز کو معلوم کیا جاتا ہے۔ (یہاں پر احساس استعارہ ہے علم سے کیونکہ کفر محسوس نہیں کیا جاتا معلوم کیا جاتا ہے۔)

قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہ تو آپ نے فرمایا "کوئی ایسے آدمی بھی ہیں؟ جو میرے مددگار ہو جائیں اللہ کے واسطے"؟

اِلَی اللّٰہِ کا معنی ہے [1] اللہ کی جانب پناہ چاہنے والا ــــ [2] یا اللہ کی طرف جانے والا ــــ [3] یا اللہ سے ملنے والا ــــ [4] اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اِلی حرف جار اضافت کے معنیٰ میں انصاری سے متعلق ہو یعنی (الذین یضیفون انفسھم الی اللّٰہ) لوگ جو اپنے آپ کو اللہ کی طرف نسبت دیتے ہیں میری امداد کے سلسلے میں ــــ [5] اور یہ بھی کہا گیا کہ یہاں اِلیٰ بمعنی مَعَ (یعنی مَعَ اللّٰہ : اللہ کے ساتھ ہو کر) آیا ہے ــ یا [6] یہ کہ بمعنی فِیْ (فی اللّٰہ : اللہ کی رضامندی کے لیے) ــ [7] یا بمعنی لام (لِلّٰہ : اللہ کے لیے) آیا ہے۔

قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ حواریّین بولے۔

حواری اُس آدمی کو کہتے ہیں جو مخلص ہو۔ لفظ حوارِیّ ــ حَور سے نکلا ہے (گویا یہ حَور سے اسم نسبت علی غیر القیاس بنا ہے) اور حَور کا معنی ہے وہ سفیدی جو بالکل خالص ہو اور اسی مادے سے "حواریات" بنا ہے جو شہری عورتوں کو کہتے ہیں کیونکہ اُن کے رنگ خالص اور نکھرے ہوئے ہوتے ہیں (اور اُن کے رنگوں

میں دیہاتی عورتوں کی طرح دھوپ وغیرہ سے تغیّر پیدا نہیں ہوتا) ـــــ سیّدنا عیسٰی علیہ السلام کے اصحاب کو یہ نام اس لیے دیا گیا کہ ان[1] کی نیتیں صاف تھیں اور اُن کے دل پاکیزہ تھے (عقیدے پاک تھے) ـــــ اور[2] یہ بھی کہا گیا کہ وہ سب شہزادے (اور اُمراء) تھے جو سفید کپڑے پہنتے تھے اُن سے سیدنا عیسٰی علی نبینا وعلیہ السلام نے یہودیوں کے خلاف مدد مانگی تھی اور[3] یہ بھی کہا گیا کہ وہ لوگ دھوبی تھے جو کپڑے سفید کرتے یعنی دھوتے تھے۔

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ کہ ہم ہیں مددگار اللہ (کے دین) کے۔

اللہ کے مددگار یعنی اُس کے دین کے مددگار ہیں۔

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ اس کے گواہ رہیے کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

اور قیامت کے دن جب تمام رسول اپنی امتوں کے حق میں یا اُن کے خلاف گواہی دیں گے آپ ہمارے حق میں گواہی دے دیجیے۔

رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ اے ہمارے ربّ ہم ایمان لے آئے ان چیزوں (یعنی احکام) پر جو آپ نے نازل فرمائیں اور پیروی کی ہم نے (ان) رسول کی سو ہم کو ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجیے جو تصدیق کرتے ہیں۔

وہ[1] جو تیری توحید کی گواہی دیتے ہیں اُن کے ساتھ ہمیں درج فرما لیجیے ـــــ یا[2] یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جو اپنے پیروکاروں کی گواہی دیں گے ـــــ یا[3] شاہدین سے مُراد امتِ محمد صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے کیونکہ یہ امّت تمام گزشتہ امّتوں پر گواہ ہوگی ـــ تو ہمیں اُن کے ساتھ لکھ دے۔

وَمَكَرُوْا اور اُن لوگوں نے خفیہ تدبیر کی۔

Marfat.com

(یعنی خُفیہ تجویز سوچی) جن سے سیدنا عیسٰی علیہ السلام نے کفر محسوس کیا تھا اور وہ یہود میں سے تھے اُنہوں نے تجویزیوں کی کہ ایک آدمی کو مقرر کر دیا کہ وہ گھات میں رہے اور (جب بھی) حضرت عیسٰی کو (اکیلا پائے تو) فوراً قتل کر دے۔

وَمَكَرَ اللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی۔

اللہ کی خُفیہ تجویز یہ تھی کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اُٹھا لیا اور جو شخص آپ کو دھوکے سے قتل کرنا چاہتا تھا اُس پر آپ کی شکل ڈال دی یہاں تک کہ اُسے قتل کر دیا گیا۔ اور "مَکْر" اصل میں حیلے کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسرے کو نقصان کی طرف کھینچ لایا جاتا ہے۔ اور اس کو اللہ سے نسبت نہیں کیا جا سکتا سوائے مقابلہ اور ازدواج کی صورت کے ـــــ (یعنی یہاں دشمنانِ نبی کے مکر کے مقابلے پر یہ لفظ ایسا لایا گیا۔)

وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ اور اللہ تعالیٰ سب تدبیریں کرنے والوں سے اچھے ہیں۔

اللہ خفیہ تدبیر میں اُن سے قوی تر ہے اور اُن کو نقصان پہنچانے پر زیادہ قادر ہے اور ایسی صورتیں پیدا کر سکتا ہے جن کا اُنہیں گمان بھی نہیں ہو سکتا۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِذْ ظرف ہے مَکَرَ اللّٰہُ کا (یعنی اللہ نے خفیہ تدبیر کی تھی جب یہ کہا تھا) ـــ یا خَیْرُ الماکرین کا ظرف ہے (یعنی اللہ تعالیٰ تمام خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بڑھ کر ہیں اُس وقت جب اللہ نے یوں فرمایا تھا) ـــ یا یہ ظرف ہے کسی چھپے ہوئے فعل کا جیسے ہم کہیں وَقَعَ ذَالِكَ اِذْ قَالَ اللّٰه (کہ یہ اُس وقت وقوع پذیر ہوا جب اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ـــ)

يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ اے عیسٰی (کچھ غم نہ کرو) بے شک میں تمہیں

Marfat.com

(وقتِ موعود پر بہ قربِ قیامت) وفات دینے والا ہوں۔
یعنی[1] تیری عُمر پوری کروں گا اور تجھے تیری مقررہ مدّتِ (عمر) تک ڈھیل دوں گا جبکہ تجھے ان دشمنوں کے قتل سے بچا لوں گا ـــــ یا[2] یہ کہ تجھے زمین سے اپنے قبضے میں کرلوں گا جیسے آپ کہتے ہیں تَوَفَّیْتُ مَالِی ـ (میں نے اپنا مال قبضے میں لے لیا) ـــــ یا[3] یہ کہ آپ کو بحالتِ نیند اُٹھا لینے والا ہوں جیسا کہ روایت کیا گیا کہ آپ کو سوتے میں اُٹھا لیا گیا ـــــ یا[4] یہ کہ آپ سے بشری خواہشات ختم کر دوں گا جن سے پرواز میں کوتاہی یعنی عالمِ مَلکوت کی طرف پہنچنے میں رکاوٹ ہوتی ہو ـــــ اور[5] یہ بھی کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے سات گھنٹے تک آپ کو موت دے دی پھر (زندہ کیا اور) آسمان کی طرف اُٹھا لیا اور نصاریٰ کا عقیدہ اسی روایت پر ہے۔
وَرَافِعُكَ إِلَيَّ اور (فی الحال) میں اپنی طرف تمہیں اُٹھائے لیتا ہوں۔
إِلَيَّ (اپنی طرف) مطلب یہ ہے کہ آپ کو اپنی بزرگی والی جگہ پر بُلا لوں گا (جہاں میں بندوں کو عزت بخشتا ہوں) اور جو فرشتوں کے ٹھہرنے کی جگہ ہے۔
وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا اور تمہیں اُن لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جو منکر ہیں (یعنی رسولِ عربی کی زبانی یہود کے الزامات دُور کرا دوں گا۔)
یعنی آپ کو اُن کے بُرے پڑوس سے یا اُن کے بُرے ارادے سے پاکیزہ کرلوں گا اور بچا لوں گا۔
وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اور جو لوگ تمہارا کہنا ماننے والے ہیں اُنہیں غالب رکھنے والا ہوں اُن لوگوں پر جو کہ (تمہارے) منکر ہیں روزِ قیامت تک۔
آپ کے پیروکار اُن مخالفین (کفار وغیرھم) پر دلائل[1] کے ساتھ غالب ہوں گے

Marfat.com

یا تلوار[۲] کے ساتھ غالب رہیں گے اکثر امور میں ـــــ اور آپ کے پیروکاروں سے مسلمان اور نصاریٰ دونوں مُراد ہیں جو آپ کی نبوت پر ایمان لائے اور اب تک یہود کا غلبہ سیّدنا عیسیٰ کی نبوت کا اعتقاد رکھنے والوں پر نہیں سُنا گیا اور اُن کا کوئی مستقل ملک یا سلطنت نہیں ہوئی۔

ثُمَّ اِلَیَّ مَرۡجِعُکُمۡ پھر میری طرف ہوگی سب کی واپسی۔

اور 'کُمۡ' کی ضمیر سے سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام، آپ کے پیروکار اور آپ کے نہ ماننے والے سبھی کو خطاب کیا ہے اور مخاطبین کو غائبین پر غالب رکھا (نہیں تو ضمیر 'ھُمۡ' بھی آسکتی تھی)

فَاَحۡکُمُ بَیۡنَکُمۡ فِیۡمَا کُنۡتُمۡ فِیۡہِ تَخۡتَلِفُوۡنَ سو میں تمہارے درمیان (عملی) فیصلہ کردوں گا اُن اُمور میں جن میں تم باہم اختلاف کرتے تھے۔

اس اختلاف سے دین کے بارے میں اختلاف مُراد ہے۔

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَاُعَذِّبُہُمۡ عَذَابًا شَدِیۡدًا فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ مَا لَہُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیۡہِمۡ اُجُوۡرَہُمۡ

تفصیل (فیصلہ کی) یہ ہے کہ جو لوگ (ان اختلاف کرنے والوں میں) کافر تھے سو اُن کو سخت سزا دوں گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اُن لوگوں کا کوئی حامی (طرفدار) نہ ہوگا اور جو لوگ مومن تھے اور اُنہوں نے نیک کام کیے تھے سو اُن کو آپ (اُن کے ایمان اور نیک کام کا) ثواب دیں گے۔

(پچھلی آیت میں گزرا "فَاَحۡکُمُ" میں فیصلہ کردوں گا) یہ اُسی فیصلے کی تفسیر اور تفصیل ہے (کہ کافروں کے بارے میں یہ فیصلہ ہوگا اور اہل ایمان کے بارے میں یہ فیصلہ ہوگا)۔ قاری حفص نے یہاں (فنوفیھم کی بجائے) فَیُوَفِّیۡھِمۡ (بصیغۂ

Marfat.com

واحد غائب) پڑھا ہے۔
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ محبت نہیں رکھتے ظلم کرنے والوں سے۔
گزشتہ بات کو ثابت کرنے کے لیے یہ کہا گیا۔
ذٰلِكَ یہ (واقعات وغیرہ)
اشارہ ہے اس کی جانب جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کا واقعہ گزرا اور دیگر واقعات کی طرف بھی ـــ ذٰلِكَ[1] مبتدا ہے اس کی خبر آگے ہے یعنی
نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ ہم تمہیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں۔
اور مِنَ الْاٰيٰتِ جو کہ (آپ کے) منجملہ دلائل (نبوت) کے ہے۔
نَتْلُوْهُ کی ضمیر غائب سے حال واقع ہوا ہے[2] ـــ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مِنَ الْاٰيٰتِ خبر ہو اور نَتْلُوْهُ علیك حال ہو اور اس میں معنیٰ اشارہ عامل ہو (یعنی ذالك کے اشارے سے جو مفہوم پیدا ہوتا ہے اور ذہن میں تصوّر آتا ہے وہ عامل ہے)[3] ـــ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں ـــ نتلوہ علیك اور من الآیات ـــ دو خبریں ہوں ـــ اور[4] ذالك کو (مبتدا کی بجائے) منصوب بھی کہا گیا کہ اس کے شروع میں کوئی فعل محذوف ہے اور یہ اُس کا مفعول ہے اور "نتلوہ علیك" کو اُس کا بیان اور وضاحت مانا گیا ہے۔
وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ اور منجملہ حکمت آمیز مضامین کے ہے۔
یعنی وہ حکمت و دانائی کی باتوں پر مشتمل ہے۔ اور (حکیم بمعنیٰ مُحکَم لایا گیا) مُحکَم اُس روکی گئی چیز کو کہتے ہیں جس میں کوئی خلل راہ نہ پا سکتا ہو ـــ اس سے مُراد[1] قرآن مجید ہے[2] ـــ اور یہ بھی کہا گیا کہ اس سے مراد لوح (محفوظ) ہے۔

Marfat.com

اِنَّ مَثَلَ عِیسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ بے شک حالتِ عجیبہ (حضرت) عیسٰی کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشابہ حالتِ عجیبہ (حضرت) آدم کے ہے۔
خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ کہ اُن (کے قالب) کو مٹی سے بنایا۔

یہ جملہ مثال کی تفسیر کرتا ہے اور وجہ شبہ بتاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسٰی بغیر باپ کے پیدا کیے گئے جس طرح آدم علیہ السلام مٹی سے بغیر باپ اور ماں کے پیدا کیے گئے۔ جو زیادہ عجیب و غریب ہے اُس کے ساتھ تشبیہ دی تاکہ مخالف کو لاجواب کیا جائے اور اس لیے کہ شُبہ کے جتنے عنوان ہو سکتے ہیں اُن کو ختم کر دیا جائے۔ اور معنٰی یہ ہے کہ اُن (آدم علیہ السلام) کا قالب (ڈھانچہ) مٹی سے پیدا کیا۔

ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ پھر اُنہیں حکم دیا کہ (جاندار) ہو جا۔

یعنی آپ کو بشر بنایا جیسے کہ ایک اور جگہ پر فرمایا ثُمَّ اَنْشَاْنَاہُ خَلْقًا اٰخَرَ — {پھر ہم نے اُسے ایک دوسری تخلیقِ (وجود) بخشی} — یا یہ کہ مٹی سے آدم کی تکوین کا اندازہ کیا پھر اُسے بنا دیا — اور یہ بھی جائز ہے کہ ثُمَّ تراخی خبر کے لیے ہو نہ کہ مخبر کے لیے۔ یعنی اُسے مٹی سے بنا کر تکوین دے دی ہو مگر اس کی اطلاع اور اِخبار بعد میں دی گئی۔

فَیَکُوْنُ بس وہ (جاندار) ہو گئے۔

صیغۂ مضارع استعمال ہوا حالانکہ یہ بات تو پہلے ہو چکی ہے تو یہ اس لیے کہ اس سے گزشتہ بات کی منظر کشی کی گئی ہے۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ یہ امر واقعی آپ کے پروردگار کی طرف سے (بتلایا گیا) ہے۔

خبر ہے مبتدا محذوف کی یعنی اصل میں یہاں تھا ھُوَ الْحَقُّ — اور یہ بھی کہا گیا کہ الحقُّ مبتدا ہے اور اُس کی خبر ہے مِنْ رَّبِّکَ — معنٰی یہ ہوگا کہ حق

Marfat.com

بات جس کا ذکر ہوا وہ اللہ ہی کے پاس ہے۔

فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہوجیے۔

یہ[1] نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب ہے آپ کو زیادہ ثابت قدمی پر اُبھارنے کے طور پر کہا گیا — یا[2] ہر سننے والے سے خطاب ہے۔

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيْهِ پس جو شخص آپ سے عیسٰی علیہ السلام کے باب میں (اب بھی) حُجّت کرے۔

یعنی اہل کتاب اگر آپ سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں جھگڑا کریں۔

مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ آپ کے پاس قطعی علم آنے کے بعد۔

آپ کے پاس علم آگیا یعنی ایسے دلائل اور کھلی باتیں جو علم کا موجب ہیں۔

فَقُلْ تَعَالَوْا تو آپ فرما دیجیے کہ آجاؤ۔

یعنی اپنی دلیل اور عزم کے ساتھ سامنے آؤ۔ مطلق آنا مُراد نہیں کیونکہ وہ تو پہلے ہی موجود تھے۔

نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ہم (اور تم) بُلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور خود اپنے تنوں کو اور تمہارے تنوں کو۔

یعنی ہم میں سے اور تم میں سے ہر ایک اپنی جان کو، اپنے قریبی رشتے داروں اور اپنے دل کے چہیتوں کو مباہلہ پر لے آئے اور اُنہیں مباہلہ پر اکسائے — اور اپنی جانوں پر اُن کو مقدم رکھا (یعنی ابناء اور نِسَاء کا ذکر أنفس سے پہلے کیا) کیونکہ انسان اُن کی خاطر جان کی بازی لگا دیتا ہے اور اُن کی جانب سے ہر طرح کا مقابلہ کرتا ہے۔

Marfat.com

ثُمَّ نَبْتَهِلْ پھر ہم (سب مل کر) خوب دل سے دُعا کریں۔
یعنی پھر ہم مباہلہ کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہے اُس پر لعنت بھیجیں۔ اور "بُھلَہ" باء کے فتح اور ضمّہ دونوں سے ہے اِس کا معنیٰ ہے لعنت کرنا اور اس کا اصل معنیٰ ہوتا ہے چھوڑ دینا۔ جیسے کہتے ہیں بَھَلْتُ النَّاقَۃَ (میں نے اونٹنی کو چھوڑ دیا) جب آپ اُسے بغیر رسّی وغیرہ باندھے چھوڑ دیں۔
فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ اس طور سے کہ اللہ کی لعنت بھیجیں اُن پر جو (اس بحث میں) ناحق پر ہوں۔
(آیت میں اپنے تن سے مُراد تو خود اہلِ مباحثہ ہیں اور نساء سے خود زوجہ مراد نہیں، بلکہ اپنے گھر کی جو عورتیں ہوں جس میں دُختر بھی شامل ہے۔ چنانچہ آپ بوجہ اس کے کہ حضرت فاطمہؓ سب اولاد میں زیادہ عزیز تھیں اُن کو لائے۔ اسی طرح ابناء سے خاص صُلبی اولاد مُراد نہیں بلکہ عام ہے، اولاد کی اولاد کو بھی۔ اور جو مجازاً اولاد کہلاتے ہوں یعنی عُرفاً مثل اولاد کے سمجھے جاتے ہیں، اس مفہوم میں نواسے اور داماد بھی داخل ہیں چنانچہ آپ حضرات حسنین اور علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو لائے۔ ۱۲۔ حاشیہ از بیان القرآن تھانویؒ)۔
یہ عطف ہے جس میں اور زیادہ وضاحت کر دی گئی ہے۔ روایت ہے کہ جب اُنہیں مباہلہ کی دعوت دی گئی اُنہوں نے کہا ہم سوچ لیں۔ پھر جب وہ تنہائی میں بیٹھے تو اُنہوں نے عاقب (سردار) سے جو اُن کا بڑا اور صائب الرائے تھا پوچھا کہ "اب آپ کا کیا مشورہ ہے؟" تو اُس نے کہا: "بخدا تم نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کو پہچان تو لیا ہے اور وہ تمہارے نبی کے بارے میں ایک (صحیح) فیصلہ کُن بات لے کر آیا ہے۔ اللہ کی قسم جس قوم نے بھی کسی نبی سے مباہلہ کیا وہ ہلاک ہو کر رہی۔ سو اگر تم اپنے ہی دین پر قائم رہنا چاہتے ہو تو اس

Marfat.com

شخص سے الگ ہو جاؤ اور واپس چلے جاؤ" ــــ چنانچہ وہ صبح کے وقت رسولِ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے جبکہ اُس صبح آپ حضرت حسین کو گود میں لیے ہوئے تھے، حضرت حسن کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا، حضرت فاطمہ آپ کے پیچھے آ رہی تھیں اور حضرت علی اُن کے پیچھے آ رہے تھے ــــ اور آپ فرما رہے تھے "جب میں دُعا کروں تو تم "امین" کہنا" ــــ یہ دیکھ کر اُن کے اُسقف نے کہا "اے گروہِ نصاریٰ! بلاشبہ میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں جو اگر اللہ سے سوال کریں کہ وہ پہاڑ کو اُس کی جگہ سے ہٹا دے تو اللہ تعالیٰ ایسا ہی کر دے گا لہٰذا تم اُن سے مباہلہ نہ کرو ایسا نہ ہو کہ تم ہلاک ہو جاؤ" ــــ اس پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جُھک گئے یعنی آپ کی بات مان لی اور ہر سال دو ہزار حُلّے اور لوہے کی تیس زرہیں بطور جزیہ دینا قبول کیا ــــ تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ــــ "اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر یہ مباہلہ کر لیتے تو ان کی شکلیں بندروں اور خنزیروں میں مسخ کر دی جاتیں اور وادیٔ نجران اِن پر آگ برساتی اور اللہ تعالیٰ نجران کا نام و نشان مٹا دیتا یہانتک کہ درختوں پر پرندے بھی ختم ہو جاتے" ــــ اور اس واقعہ میں آپ کی نبوت کی دلیل ملتی ہے اور جو اہلِ خاندان آپ کے ساتھ تھے اُن کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

اِنَّ هٰذَا بیشک یہ (جو کچھ) مذکور ہوا۔

یعنی یہ جو حضرت عیسٰی اور (اُن کی ماں) مریم کا قصّہ ذکر ہوا۔

لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وہی ہے سچّی بات۔

یہ سب حق ہے۔ اِنَّ کی خبر ہے یا "هُوَ" فصل ہے جو اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ جو کچھ حضرت عیسٰی اور حضرت مریم کے بارے میں ذکر ہوا وُہی حق

Marfat.com

ہے بخلاف اُس کے جس کا یہ لوگ ذکر کرتے ہیں اور (اُس کا مابعد یعنی "القَصَصُ الحق" اُس کی خبر ہے ـــــ اور 'لامِ' تاکید اُس پر داخل کیا گیا کیونکہ وہ مبتدا "ھٰذا" کے زیادہ قریب ہے اور اصل میں تو اسے مبتدا پر داخل کیا جانا تھا { مگر وہاں اِنَّ حرفِ تاکید آگیا اور دو حرف تاکید (اِنَّ اور لام) جمع نہیں ہو سکتے لہٰذا اُسے کلمہ فاصل ھُوَ پر داخل کیا گیا جو مبتدا کے قریب ہے }

وَمَا مِنْ اِلٰـهٍ اِلَّا اللّٰه اور کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے۔

"مِنْ" مزیدہ برائے استغراق لاکر وضاحت کر دی (کہ کوئی بھی اُلوہیت کے لائق نہیں سوا اللہ کے) اور نصاریٰ جو تثلیث کے قائل ہیں اُن کی تردید میں تاکید اور زور پیدا کر دیا۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور بلا شک اللہ تعالیٰ ہی غلبہ والے حکمت والے ہیں۔

یعنی اُس کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں جو قدرتِ تامّہ اور حکمتِ بالغہ میں اُس کی برابری کرے تاکہ اِلٰہ ہونے میں اُس کی شریک ہو سکے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِالْمُفْسِدِيْنَ پھر (بھی) اگر سرتابی کریں تو بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں فساد والوں کو۔

یہ اُن (اہل کتاب) کے لیے وعید ہے ـــــ اور اسم ضمیر کی بجائے اسمِ ظاہر (المفسدین) کہا تاکہ دلیل دی جائے کہ دلائل سے پیٹھ پھیرنا اور توحید سے اعراض کرنا دین اور اعتقاد کے لیے بڑا فساد پیدا کرنا ہے اور یہ فسادِ نفس بلکہ فسادِ عالم کی طرف پہنچا دیتا ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ آپ فرما دیجیے کہ اے اہلِ کتاب۔

اس سے دونوں اہلِ کتاب مذاہب یعنی یہود و نصاریٰ مُراد ہیں ـــــ یا ۲

Marfat.com

وفد نجران مُراد ہے — یا یہودِ مدینہ[۳] -

تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان (مُسَلَّم ہوتے ہیں) برابر ہے -

(یعنی اُس بات پر عمل کرو) جس میں نہ انبیاء کا اختلاف ہے نہ کتبِ سماویہ کا — اور اس کلمۃ کی تفسیر اس کا مابعد کرتا ہے یعنی

اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ یہ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں۔

یہ کہ ہم اُسے عبادۃ میں ایک مانیں اور خالص اُسی کی عبادت کریں -

وَ لَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں -

یعنی عبادت کے مستحق ہونے میں ہم اُس کے سوا کسی کو اُس کا شریک نہ بنائیں اور نہ کسی کو اس بات کا اہل سمجھیں کہ اُس کی عبادت کی جائے۔

وَ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب قرار نہ دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر -

یعنی ہم یہ بھی نہ کہیں کہ عُزَیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور یہ بھی نہ کہیں کہ مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور علماء کی پیروی نہ کریں اُن باتوں میں جو اُنہوں نے حلال و حرام کے سلسلے میں گھڑ لی ہیں کیونکہ اُن میں سے ہر ایک ہم میں سے ایک ہے ہماری مانند بشر ہے — روایت ہے کہ جب آیۃ اتخذوا اَحبارھم وَ رُھبانھم اربابا من دون اللہ — (انہوں نے اپنے علماء اور راھبوں کو ربّ بنا لیا ہے اللہ کو چھوڑ کر) نازل ہوئی تو حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: "اے خدا کے رسول! ہم اُن کی عبادت تو نہیں کرتے تھے (وہ ربّ کیسے ہوئے)؟" آپ نے فرمایا: "کیا وہ تمہارے لیے حلال اور حرام نہیں بتلاتے تھے

Marfat.com

پھر تم اُن کا کہا مان لیتے تھے۔" عرض کیا: "ہاں! (ایسا تو تھا)" فرمایا: "یہی بات ہے (جسے اربابا من دون اللہ سے تعبیر کیا گیا۔)"

فَإِنْ تَوَلَّوْا پھر اگر وہ لوگ (حق سے) اعراض کریں۔

یعنی اگر وہ توحید سے منہ پھیر جائیں۔

فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ تو تم لوگ کہہ دو کہ تم (ہمارے اس (اقرار) کے گواہ رہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں۔

یعنی حُجّت تم پر پوری ہوگئی لہذا اب[1] تم ہماری نسبت اعتراف کرو کہ ہم اسلام لانے والے ہیں تمہیں چھوڑ کر (یعنی صرف ہم ہی مسلمان ہیں) — یا[2] یہ کہ تم اعتراف کرو کہ "تم کافر ہو" اُن مسائل سے (انکار کرتے ہو) جن پر کتابیں گویا ہیں اور انبیاء علیہم السلام اُن (مسائل) کو برابر طور پر مانتے ہیں — (جیسے دو میں سے ایک جیتنے والا ہارنے والے کو کہتا ہے کہ تو کہہ دے کہ تم جیت گئے گویا اُس سے اُس کی اپنی ہار تسلیم کراتا ہے۔ اسی طرح یہاں اُن سے اُن کے کفر کا اقرار کرانا مقصود ہے ۱۲)۔

تنبیہ: دیکھیے اس قصّے میں کتنی رعایتیں رکھی ہیں نیکی کی راہ دکھانے میں مبالغہ اور زور دینے میں اور یکے بعد دیگرے دلائل لانے میں۔ پہلے تو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے احوال اور اُن مختلف اطوار کا ذکر کیا جو خُدا ہونے کے مُنافی ہیں (جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہونا، پنگھوڑے میں بولنا، وجیہہ ہونا اور رسول ہونا اور اس قسم کی دیگر باتیں) — پھر ایسی باتوں کا ذکر فرمایا جس سے اُن کی مشکل حل ہو جائے اور اُن کا شبہ دُور ہو جائے (جیسے فرمایا اِنَّ مَثَلَ عیسٰی عند اللہ کمثلِ آدم) پھر جب اُن کے ضد و عناد کو دیکھا تو اُنہیں مباہلہ کی دعوت دی گویا اُنہیں (ہر طرح سے) عاجز کر دیا۔ پھر جب اُنہوں نے اس سے اعراض کیا اور تھوڑا سا مان

گئے (کہ جزیہ دینا قبول کیا) اس پر آپ نے پھر تیسری راہ کی طرف بلایا اور ایسا طریقہ کلام اختیار کیا جو نسبتہً آسان مگر بات حوالہ کے لیے لازم ہے یہ کہ آپ اپنی بات کی بنا وحی پر رکھتے ہیں اور ان کی کتابیں اور ان کے تمام انبیاء اور آپ کی کتابیں متفق ہیں (یعنی فرمایا تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم) پھر جب اس سے بھی انہیں فائدہ نہ ہوا اور یقین ہو گیا کہ معجزات بھی اور دھمکیاں بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں دیتیں تو آپ سے منہ موڑ لیا اور فرمایا تم گواہی دے دو ہم مسلمان ہیں۔

یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ اے اہل کتاب لیوں حجت کرتے ہو (حضرت) ابراہیم کے بارے میں حالانکہ نہیں نازل کی گئی توراۃ اور انجیل مگر اُن کے (زمانہ کے) بہت بعد۔

یہود اور نصاریٰ میں حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ السلام کے بارے میں جھگڑا ہو گیا اور ہر ایک فریق نے دعویٰ کیا کہ وہ (یعنی ابراہیم علیہ السلام) اُن میں سے تھے۔ چنانچہ وہ جھگڑا آنحضور علیہ السلام کے پاس لے گئے اس پر یہ آیۃ نازل ہوئی۔۔۔ اور معنیٰ یہ ہے کہ یہودیت اور نصرانیت تو توراۃ و انجیل کے جناب موسیٰ اور جناب عیسیٰ پر نازل ہونے کے بعد وجود میں آئیں اور ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ سے ایک ہزار سال اور حضرت عیسیٰ سے دو ہزار سال پہلے تھے تو پھر وہ ان مذاہب پر کیونکر ہو سکتے تھے (جبکہ ان کا ابھی وجود ہی نہ تھا) {یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے حضرت موسیٰ اور ان سے ایک ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم تھے۔ گویا حضرت عیسیٰ سے حضرت ابراہیم تین ہزار سال پہلے تھے۔ حاشیہ ۱۲}

Marfat.com

أَفَلَا تَعْقِلُونَ کیا پھر سمجھتے نہیں ہو۔

(اگر تمہیں عقل ہو) تو ایسی محال بات کو چھوڑ دو۔

هَا أَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ہاں تم ایسے ہو کہ ایسی بات میں تو حجت کر ہی چکے جس سے کسی قدر تو واقفیت تھی سو ایسی بات میں کیوں حجت کرتے ہو جس سے تمہیں اصلاً واقفیت نہیں۔

هَا حرفِ تنبیہ ہے جس سے اُنہیں اس بات پر خبردار کرنا مقصود ہے جس سے وہ غافل ہو چکے ہیں — أَنْتُمْ مبتدا اور هٰؤُلَاءِ اُس کی خبر ہے۔ حَاجَجْتُمْ دوسرا جملہ ہے جو پہلے کی وضاحت کرتا ہے یعنی تم ہی وہ بیوقوف ہو اور تمہاری حماقت کا بیان یہ ہے کہ تم نے جھگڑا کیا ہے ایسی باتوں میں جن کا تمہیں علم ہے تم نے اُنہیں توراۃ و انجیل میں لکھا پایا ہے مگر عناد (کی وجہ سے تم نے جھگڑا کیا) ہے یا یہ کہ تم توراۃ و انجیل میں اُس کے وارد ہونے کا دعویٰ کرتے ہو (حالانکہ ایسا نہیں ہے) پھر تم اُن باتوں میں کیوں جھگڑتے ہو جن کا تمہیں علم ہی نہیں اور نہ اُس کا کوئی ذکر ہے تمہاری کتابوں میں یعنی دین ابراہیم کا — اور[2] یہ بھی کہا گیا ہے کہ هٰؤُلَاءِ بمعنی الَّذِينَ ہے (گویا یہ اسم موصول ہے) اور حاجتم اُس کا صلہ ہے۔ اور — بعض[3] نے کہا کہ هٰ أنتم اصل میں أَأَنْتُمْ ہے یعنی ہمزہ استفہام کا ہے جو اُن کی حماقت سے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا پھر اس ہمزۂ (استفہام) کو هَا سے بدل دیا۔

اختلافِ قراءت: اور نافع اور ابوعمرو نے هَاأَنْتُم بغیر ہمزہ کے مدّ سے پڑھا ہے جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے اور — ورش (لقب عثمان ابن سعید) نے مدّ کو چھوٹا کیا ہے اور (قاری محمد بن عبدالرحمٰن الملقّب بہ) قنبل نے ہمزہ تو پڑھا ہے

Marfat.com

مگر "الف" جو ھا کے بعد ہے اُسے چھوڑ دیا ہے اور باقی قُرّا نے مدّ اور ہمزہ دونوں کے ساتھ پڑھا ہے ـــ اور بزمی نے کہا کہ اسے مدّ کو چھوٹا کر پڑھا جائے اُس نے کہا اصل یہی ہے۔

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔

یعنی جو کچھ تم حضرت ابراہیم کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو۔

وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور تم نہیں جانتے۔

یعنی اس حال میں تم حقیقت سے بے خبر ہو۔

مَا کَانَ اِبْرَاھِیْمُ یَھُوْدِیًّا وَّ لَا نَصْرَانِیًّا ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے۔

دلائل سے جو بات پہلے ثابت کی اب اُسی مقصود کو واضح کر دیا ہے۔

وَ لٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا لیکن (البتہ) طریقِ مستقیم والے۔

یعنی وہ غلط اور باطل عقائد سے دُور تھے۔

مُّسْلِمًا (یعنی) صاحبِ اسلام تھے۔

یعنی اللہ کا فرمانبردار اور اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ ملّتِ اسلام پر تھے (یعنی شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا السلام جو بعد میں نازل ہوئی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اِسی کے پابند تھے) یُوں تو پھر وُہی الزام (ہم پر) عائد ہوگا۔

وَ مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اور مشرکین میں سے (بھی) نہ تھے۔

اس میں اُن (یہود و نصاریٰ) پر تعریض (چوٹ) ہے کہ وہ مشرک ہیں بوجہ اس کے کہ اُنہوں نے عُزیر علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا رکھا ہے ـــ اور اس میں مشرکین کے اس دعوے کا ردّ ہے جو وہ کہتے تھے کہ ہم ملّتِ ابراہیم پر ہیں۔

Marfat.com

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرَاهِيْمَ بلاشبہ سب آدمیوں میں زیادہ خصوصیت رکھنے والے (حضرت) ابراہیم کے ساتھ۔

یعنی اُن میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ خاص (تعلق) رکھنے والے اور زیادہ قرب رکھنے والے ـــــ اَوْلٰی "ولی" سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے قرب۔

لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ البتہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اُن کا اتباع کیا تھا اُن کی امّت میں سے۔

وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور یہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور یہ ایمان والے۔

کیونکہ اصولی اعتبار سے ان کی شریعت اکثر امور میں اُن کی شریعت کے موافق ہے ـــــ اور النبیّ کو منصوب بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں اس کا عطف اتَّبَعُوْهُ کی ضمیر منصوب "ہ" پر ہوگا (اور معنیٰ یہ ہوگا کہ جنہوں نے پیروی کی حضرت ابراہیم کی اور اس نبی کی ـــــ اور اسے جرّ کے ساتھ النَّبِيِّ بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں اس کا عطف بِاِبْرَاهِيْمَ پر ہوگا (اور معنیٰ یہ ہوگا ـــ کہ زیادہ قریب رکھنے والے لوگوں میں سے حضرت ابراہیم کے ساتھ اور آنحضور علیہ السلام کے ساتھ)۔

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ اور اللہ تعالیٰ حامی ہیں ایمان والوں کے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اُن کی مدد کرے گا اور اُن کے ایمان کی بدولت اُن کے اچھے اعمال کی (بھلی) جزاء دے گا (کہ اُنہوں نے بہترین طور پر سیدنا ابراہیم کی پیروی کی) ـــــ

وَدَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ دل سے چاہتے ہیں بعض لوگ، اہلِ کتاب میں سے اس امر کو کہ تمہیں (دینِ حق سے) گمراہ کر دیں۔

یہ اُن یہود کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے حضرت حذیفہ، حضرت عمار اور حضرت معاذ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کو یہودیت کی دعوۃ دی تھی ـــــ یہاں "لَوْ" (شرطیہ) "أَنْ" مصدریہ کے معنیٰ میں ہے۔

وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ اور وہ کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے مگر خود اپنے آپ کو۔

اور اُن کا گمراہ کرنا اُن (مسلمانوں) کو کوئی نقصان نہ دے گا اور اُس کا وبال اِن (یہود) پر ہی پڑے گا کیونکہ اس گمراہ کرنے کی کوشش کی سزا میں اُن کا عذاب دوگنا کر دیا جائے گا ـــ یا یہ معنیٰ ہے کہ وہ اپنے جیسوں کو ہی گمراہ کر پاتے ہیں۔

{انفسہم : امثالہم}

وَمَا يَشْعُرُونَ اور اس کی اطلاع نہیں رکھتے۔

یعنی اِس کا بوجھ (اور گناہ) نہیں سمجھتے کتنا ہوگا اور اُس کے نقصان کو جو اُنہی سے مخصوص ہے نہیں سمجھتے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ اے اہلِ کتاب کیوں کفر کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ۔

یعنی اُن آیات کو کیوں نہیں مانتے جو توراۃ و انجیل میں رسول اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت پر شاہد (عدل) ہیں اور دلالت کرتی ہیں۔

وَأَنتُمْ تَشْهَدُونَ حالانکہ تم اقرار کرتے ہو۔

یعنی تم اِن توراۃ و انجیل کی آیات کے منزّل من اللہ ہونے کو مانتے ہو ـــ یا یہ کہ تم قرآن مجید کا اقرار کرتے ہو اور تم اپنی دونوں کتابوں میں حضور علیہ السلام کی تعریف موجود پاتے ہو ـــ یا یہ کہ تم معجزات کے ذریعے جانتے ہو کہ یہ (قرآن کریم یا رسول کریم) حق ہے۔

Marfat.com

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ اے اہلِ کتاب کیوں مخلوط کرتے ہو واقعی (مضمون یعنی نبوتِ محمدیہ) کو غیر واقعی سے۔

یعنی[۱] حق کی تحریف کرکے باطل کے ساتھ ملاتے ہو ـــــ اور باطل کو حق کی صورت دے کر ظاہر کرتے ہو ـــــ یا[۲] یہ کہ حق و باطل میں جو تمیز کرنے والی آیات تھیں اُن کو ملا جُلا دیتے ہو کہ پھر انسان فرق کرنے سے قاصر رہتا ہے۔

اختلاف قراءت : اور یہاں تلبّسون باء کی تشدید کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے تاکہ اس میں زور پیدا کیا جائے ـــــ اور تَلْبَسُوْن باء کی فتح سے (بغیر تشدید) بھی پڑھا گیا ہے یعنی تم حق کو باطل کا لباس پہنا دیتے ہو جیسے آنحضور علیہ السلام نے فرمایا (المتشبع بمالم یعطہ) كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ

وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ اور چھپاتے ہو واقعی بات کو۔

(الحق سے مُراد) آپ کی نبوت اور آپ کی صفات ہیں جن کا ذکر توراۃ و انجیل میں آیا ہے۔

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ حالانکہ تم جانتے ہو (کفر قبیح ذاتی ہے جو کسی حال میں جائز ہو ہی نہیں سکتا مگر اقرار اور علم کے وقت کفر اور زیادہ قابلِ ملامت ہے)

یعنی تم جو کچھ چھپاتے ہو خود اسے جانتے بھی ہو۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ اور بعض لوگوں نے اہلِ کتاب میں سے کہا کہ ایمان لے آؤ اس پر جو نازل کیا گیا ہے مسلمانوں پر (یعنی قرآن پر) شروع دن میں۔

یعنی دن کے پہلے حصے میں قرآن پر ایمان لانے کا اظہار کرو ـــــ (دن کے

پہلے حصے کو وجہَ النہار (دن کا چہرہ) اِس لیے کہا کہ یہ (اُس کا) حسین ترین اور خوب ترین حصہ ہوتا ہے اور اس لیے کہ رات کے بعد یہ پہلے ظاہر ہوتا ہے۔ حاشیہ ۱۲}
وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ اور (پھر) انکار کر بیٹھو آخر دن میں یعنی شام کو کیا عجب وہ پھر جائیں۔

اور دن کے آخر حصے میں قرآن مجید کا انکار کرو تاکہ وہ بھی اپنے دین میں شک کرنے لگیں یہ دیکھ کر کہ تم کسی ایسے نقص کی وجہ سے پھر گئے ہو جو تمہیں ظاہر ہوا ہے ـــــ اور طَآئِفَةٌ (گروہ) سے مُراد کعب بن الاشرف اور مالک بن الضیف ہیں جنہوں نے تحویلِ قبلہ کے موقع پر اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ اُس بات پر جو اُن پر قبلہ رُخ ہو کر نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ایمان لے آؤ اور دن کے پہلے حصے میں اُدھر منہ کر کے نماز بھی پڑھو پھر آخر دن میں (اُسی) چٹان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو (جو بیت المقدس میں مخصوص تھی) شاید یہ (مسلمان) کہنے لگیں کہ "یہ (یہود) تو ہم سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں اور وہ لوٹ گئے ہیں" ہو سکتا ہے نتیجۃً وہ بھی پھر جائیں ـــــ [۲] اور یہ بھی کہا گیا کہ خیبر کے بارہ علمائے یہود نے آپس میں مشورہ کیا کہ وہ دن کے ابتدائی حصے میں اسلام میں داخل ہو جائیں اور آخر حصہ میں کہیں کہ "ہم نے اپنی کتاب (توراۃ) میں غور کیا ہے اور اپنے علماء سے مشورہ کیا ہے تو ہم نے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو اُس صفت سے متصف نہیں پایا جس کا ذکر توراۃ میں ہوا ـــــ" ہو سکتا ہے اس طرح آپ کے اصحاب شک میں پڑ جائیں (اور دین سے پھر جائیں)۔

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ اور صدقِ دل سے کسی کے روبرو اقرار مت کرنا مگر ایسے شخص کے روبرو جو تمہارے دین کا پیرو ہو۔
یعنی دلی تصدیق کے بارے میں اقرار نہ کرو سوائے اپنے ہم مذہب بھائیوں

Marfat.com

کے ـــــ یا یہ کہ دن کے پہلے حصے میں اپنا (جھوٹ موٹ) ایمان لانا ظاہر نہ کرو سوائے اُن کے جو تمہارے ہی دین پر ہوں کیونکہ (جنہیں تم ظاہر کروگے) اُن کا ٹوٹنا تو زیادہ متوقع اور زیادہ غور طلب ہے۔

قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجیے کہ یقیناً ہدایت ہدایت اللہ کی ہے۔

جسے چاہتا ہے ایمان کی طرف ہدایت کرتا ہے اور ایمان پر ثابت قدمی کی توفیق دیتا ہے۔

أَنْ يُّؤْتٰى اَحَدٌ مِّثْلَ مَا اُوْتِيْتُمْ ایسی باتیں اس لیے کرتے ہو کہ کسی اَور کو بھی ایسی چیز مل رہی ہے جیسی تم کو ملی تھی۔

یہ محذوف سے متعلق ہے جیسے دَبَّرْتُمْ ذَالِكَ وَ قُلْتُمْ ـــــ أن یؤتی (تم نے غور و خوض کیا اور پھر تدبیر کے بعد کہا ـــــ أن یوتی الخ) {اس بنا پر یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہوگا اور دوسری صورت جو آگے آرہی ہے اُس سے یہ طائفۃ (گروہ) کے قول میں شامل ہوگا۔ حاشیہ ۱۲} اَور معنی یہ ہوگا کہ حسد نے تمہیں اس بات پر اُبھارا ہے ـــــ یا یہ لَا تُؤْمِنُوْا سے متعلق ہے یعنی تم اپنا ایمان اس بات پر کہ تمہاری مانند کسی اَور کو بھی (کتاب سے) نوازا جا سکتا ہے ظاہر نہ کرو سوا اپنے ہم مشرب لوگوں کے اور یہ بات مسلمانوں کو ظاہر نہ کرو کہ یہ اُن کی ثابت قدمی اور پختگی کو بڑھاوا نہ دے اور نہ یہ بات مشرکین کو ظاہر کرو کہ اس سے وہ اسلام کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں ـــــ اور اللہ کا یہ قول قُلْ اِنَّ الْهُدٰى الخ جملہ معترضہ ہے جو اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اُن کا مکر و فریب کوئی فائدہ نہیں دے سکتا ـــــ یا اِنَّ کی خبر ہے أن یُؤتی الخ اور اس صورت میں هُدَى اللّٰهِ بدل ہوگا الهدی سے ـــــ گویا عبارت یوں ہوگی: قُل ان الهدی ان یُؤتی

Marfat.com

اھدیٰ الخ} کہہ دو کہ اصل ہدایت جو اللہ کی ہدایت ہے وہ یہ ہے کہ (مان لیا جائے کہ) تمہاری مانند کسی اَور کو بھی دیا جا سکتا ہے۔ حاشیہ ۱۲} ـــــ اور ابن کثیر کی قراءت میں أَنْ یُؤْتٰی استفہام کے لیے ہے کہ اس سے اُنہیں جھنجھوڑنا مقصود ہے ـــ اَور یہ پہلی توجیہہ کی تائید کرتا ہے۔ یعنی کیا کوئی دیا جا سکتا ہے؟ تم نے یہی تدبیر کی ـــ اور یہاں (أَنْ مصدریہ کی بجائے) إِن نافیہ بھی پڑھا گیا ہے ـــ اس صورت میں یہ اُس طائفہ ہی کا کلام ہوگا یعنی اپنے ایمان کی حقیقت صرف اپنے متبعین پر ہی ظاہر کرو اور اُن سے یہ کہو کہ تمہاری مانند کسی اور کو نہیں دیا جا سکتا۔

أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِندَ رَبِّكُمْ یا اَور لوگ تم پر غالب آجائیں تمہارے رب کے نزدیک۔

پہلی دو توجیہات (متعلق بمحذوف، متعلق بلا تؤمنوا) کی بناء پر یہ أَن يُؤْتٰی پر عطف ہے ـــ اور تیسری توجیہہ (جبکہ أَنْ يُؤْتٰی کو إِن کی خبر قرار دیا تھا) کی بناء پر اس کا معنی یہ ہوگا (کہہ دیجیے کہ ہدایت یہ ہے کہ کسی اَور کو بھی تمہاری طرح دیا جا سکتا ہے) یہانتک کہ وہ تمہارے ساتھ (اے یہود) تمہارے پروردگار کے پاس جھگڑا کریں گے اور تمہاری حجّت کو باطل کر دیں گے ـــ (اس صورت میں أَوْ بمعنی إِلٰی ہوگا) اور "يُحَاجُّوكُمْ" میں جمع غائب کی ضمیر أَحَدٌ کے لیے آئی ہے کیونکہ یہاں أَحَدٌ جمع کے معنیٰ میں ہے کیونکہ اس سے مُراد اُن کے شیر متبعین (یعنی مسلمان) مُراد ہیں۔

قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجیے

Marfat.com

کہ بے شک فضل تو خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے وہ اُس کو جسے چاہیں عطا فرمائیں اور اللہ بڑی وسعت والے خوب جاننے والے ہیں، خاص کر دیتے ہیں اپنی رحمت (و فضل) کے ساتھ جس کو چاہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں۔

اس آیت میں ایک واضح دلیل دے دی (کہ فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے) اور اس حجت اور دلیل سے اُن کے زعمِ باطل کا ردّ اور ابطال ہو گیا (کہ صرف تم ہی فضلِ الٰہی کے حقدار نہیں ہو)۔

وَ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مَنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِقِنۡطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَ اور اہلِ کتاب میں سے بعض شخص ایسا ہے کہ (اے مخاطب) اگر تم اُس کے پاس انبار کا انبار مال بھی امانت رکھ دو وہ (مانگنے کے ساتھ ہی) اُسے تمہارے پاس لا رکھے۔

جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اُن کے پاس ایک قرشی نے ایک ہزار دو سو اوقیہ سونا امانت رکھا تو اُنہوں نے (ٹھیک ٹھیک) لوٹا دیا۔ (اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا۔ آجکل اُس کی مقدار ۱۰ ۵/۷ درہم ہے)۔

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِدِيۡنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَ اور اُنہی میں سے بعض وہ شخص ہے کہ اگر تم اُس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھ دو تو وہ بھی تمہیں ادا نہ کرے۔

جیسے فنحاص بن عازورا ــــ کہ اُس کے پاس ایک اور قرشی نے ایک دینار امانت رکھا مگر اُس نے اُس کی ادائیگی سے انکار کر دیا ــــ اور یہ بھی کہا گیا کہ زیادہ چیزیں بھی امانت اور دیانت والے نصاریٰ ہیں جبکہ اُن میں امانت داری غالب ہے اور تھوڑے میں بھی خیانت کرنے والے یہود ہیں کیونکہ ان کی فطرت میں خیانت زیادہ ہے ــــ اور حمزہ، ابوبکر اور ابوعمرو نے ضمیر مذکر غائب

"ہٗ" کے سکون سے یُؤَدِّہْ الیک اور لَا یُؤَدِّہْ اِلیک پڑھا ہے اور قالون نے "ہ" کے کسرہ کو اختلاس (بچھٹے) سے پڑھا۔ (جیسے یُؤَدِّہِ اور لَا یُؤَدِّہِ) اور ہشام سے بھی اِسی (قالون والی) روایت میں پڑھنا آیا ہے۔ اور باقی قُراء اِشباع کسرہ (یعنی کھڑی زیر) سے پڑھتے ہیں۔

اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْہِ قَائِمًا مگر جب تک کہ تم اُس کے سر پر کھڑے رہو۔ (یعنی یہ لوگ امانت صرف اس حالت میں واپس کرتے ہیں) جبکہ آپ اُن کے سر پر کھڑے رہیں اور مطالبہ میں سختی کریں تقاضا کرکے اور مقدمہ دائر کرکے اور دلائل قائم کرکے۔ اس میں صاحبِ حق کو خطاب ہے۔

ذَالِکَ یہ (امانت کا ادا نہ کرنا)

بِاَنَّھُمْ قَالُوْا اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں۔

لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ کہ ہم پر غیر اہلِ کتاب کے (مال کے بارے میں کسی طرح کا الزام نہیں۔

یعنی[1] ہم پر کوئی الزام اور گناہ نہیں اُن لوگوں کے مال وغیرہ کھانے کے بارے میں جو ہمارے دین پر نہیں۔

وَیَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں۔

یعنی اُن کا یہ دعویٰ کرنا (کہ ہم پر کوئی گناہ نہیں ہے) اللہ پر صریح جھوٹ ہے۔

وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ اور (دل میں) وہ بھی جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔

اور یہ اس لیے کہ اُنہوں نے اپنے مخالفین پر ظلم کو جائز رکھا اور یہ کہا کہ توراۃ میں اس بارے میں کوئی حُرمت وارد نہیں ہوئی[2] ——— اور یہ بھی کہا گیا کہ قریش میں سے کچھ لوگوں سے یہود نے سودا وغیرہ کیا پھر وہ (قریش)

Marfat.com

ایمان لے آئے اور یہود سے اپنا حق مانگا تو یہ کہنے لگے کہ تمہارا حق تو ساقط ہو گیا کیونکہ تم نے اپنا دین چھوڑ دیا اور یہود کا گمان تھا کہ اُن کی کتاب میں بھی ایسے ہی لکھا ہے ـــــ اور آنحضور علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا: كَذَبَ اَعْدَاءُ اللّٰهِ ، مَا مِنْ شَیْءٍ فِی الْجَاهِلِیَّةِ اِلَّا وَهُوَ تَحْتَ قَدَمَیَّ اِلَّا الْاَمَانَةَ فَاِنَّهَا مُؤَدَّاةٌ اِلَی الْبَرِّ وَالْفَاجِرِ (اللہ کے دشمنوں نے جھوٹ کہا ہے، جاہلیت کی تمام رسوم و قیود میرے قدموں تلے ختم کر دی گئیں مگر امانت تو نیک و بد ہر ایک کو لوٹانا واجب ہے ـــ الحدیث)

بَلٰی (خائن پر) الزام کیوں نہ ہوگا۔

یہ اُس بات کا اِثبات ہے جس کا اُنہوں نے انکار کیا تھا یعنی ہاں ہاں اِن (یہود) پر اُن (غیر اہل کتاب) کے متعلق بھی جُرم عائد ہوتا ہے۔

مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ

جو شخص اپنے عہد کو پُورا کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو بیشک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں ایسے متّقیوں کو۔

یہ نیا جُملہ ہے جو ثابت کرتا ہے اُس جملے کو جس کا قائم مقام "بَلٰی" آیا ہے اور ضمیر مجرور (بعهد"ه") "مَنْ" کے لیے ہے (یعنی جو شخص اپنا وعدہ پورا کرے) یا[1] اللہ کے لیے ہے (یعنی جو شخص اللہ کا وعدہ پورا کرے) ـــ یہاں متقین کا عموم قائم مقام ہے اُس راجع ضمیر کا جو ("مَنْ اَوْفٰی" میں مَنْ شرطیہ کی) جزاء مَنْ کی طرف راجع ہو سکتی ہے۔ {مَنْ اَوْفٰی میں مَنْ موصولہ ہے یا شرطیہ۔

المتقین ضمیر[1] کے قائم مقام ہے اگر المتّقین مَنْ اَوْفٰی کی جگہ پُر کر سکے ـــ یا[2] یہ کہ جواب شرط محذوف ہے اور یہ فان اللہ الخ اُس پر دالّ ہے، اصل

Marfat.com

عبارت یوں تھی : بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰی یُحِبُّهُ اللّٰهُ فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۔ حاشیہ ۱۲ کے ـــــ اور اس طرح اسم ظاہر المتّقین کو ھُمْ کی بجائے لاکر یہ بتایا گیا کہ تقویٰ پر ہی اعمال کا مدار ہے ۔ اور تقویٰ میں ہی وَفَاء اور دیگر واجبات کی ادائیگی اور روکی گئی چیزوں سے رُکنا بھی آجاتا ہے ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ یقیناً جو لوگ لے لیتے ہیں بمقابلہ اُس عہد کے جو اللہ سے (اُنہوں نے) کیا ہے ۔

یعنی لیتے ہیں اُس عہد کے بدلے میں جو اُنہوں نے رسول پر ایمان لانے اور امانتوں کے پُورا کرنے کا کیا تھا ۔

وَاَیْمَانِهِمْ اور (بمقابلہ) اپنی قسموں کے ۔

جو اُنہوں نے قسمیں اُٹھائی تھیں یہ کہہ کر وَاللّٰهِ لَنُؤْمِنَنَّ بِهٖ وَلَنَنْصُرَنَّهٗ ـــ خدا کی قسم ہم ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے اور ضرور آپ کی مدد کریں گے ۔

ثَمَنًا قَلِیْلًا معاوضۂ حقیر ۔

مطلب یہ ہے کہ متاعِ دُنیا حاصل کرتے ہیں اور وہ خواہ پوری دنیا مل جائے تو بھی تھوڑا ہی ہے ۔

اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ اُن لوگوں کو کچھ حصہ آخرت میں (وہاں کی نعمت کا) نہ ملے گا اور نہ خدا تعالیٰ اُن سے (لطف کا) کلام فرمادیں گے ۔

یعنی اُن سے ایسا کلام نہ کریں گے جس سے وہ خوشی محسوس کریں ـــ یا یہ کہ بالکل کلام کریں گے ہی نہیں اور قیامت کے دن فرشتے ہی اُن سے سوال و جواب کریں گے ـــ یا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرامین اور نشانیوں سے فائدہ

نہیں اُٹھا سکیں گے ـــــ اور ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ (کلام نہ کرنا وغیرہ) اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے بارے میں کنایہ ہیں کیونکہ فرمایا :

وَ لَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اور نہ اُن کی طرف (نظرِ محبت سے) دیکھیں گے قیامت کے روز۔

اِس لیے کہ جو شخص کسی پر ناراض ہوتا ہے اور اُسے ذلیل کرنا چاہتا ہے تو اُس سے منہ پھیر لیتا ہے اور اُس سے بات نہیں کرتا اور اُس کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا جیسا کہ جو شخص کسی کو کوئی اہمیت دیتا ہے تو اُس سے باتیں کرتا ہے اور اُس کی طرف بار بار نظر ڈالتا ہے۔

وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ اور نہ اُن کو پاک کریں گے۔

یعنی اُن کی (کسی بات میں) تعریف نہیں کی جائے گی۔

وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

اور یہ عذابِ الیم اُن کے اپنے کیے کی بناء پر ہے ـــــ کہا گیا ہے کہ یہ آیت اُن[1] یہود علماء کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے توراۃ میں تحریف کر دی، آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات کے ذکر اور امانتوں کے احکام وغیرہا کو بدل ڈالا اور اس پر رشوت لی تھی ـــــ اور[2] یہ بھی کہا گیا کہ جس نے بازار میں کچھ بیچنے کا سامان رکھا پھر اُس نے قسم کھائی کہ اِتنے میں خریدا ہے حالانکہ اُتنے میں اُس نے نہیں خریدا تھا اُن کے بارے میں ہے ـــــ[3] یہ بھی کہا گیا کہ اُس مقدمے کے بارے میں نازل ہوئی جو اشعث بن قیس اور ایک یہودی کے مابین کسی کنوئیں یا قطعۂ زمین کے بارے میں تھا اور یہودی نے قسم کھائی تھی۔

وَ اِنَّ مِنْهُمْ اور بے شک اُن میں سے۔

یعنی تحریف کرنے والوں میں سے کعب (بن الاشرف)، مالک (بن الضیف)

Marfat.com

اور حُیَیّ (بن اخطب) جیسے بھی ہیں۔
لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ بعض ایسے ہیں کہ کج کرتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب (پڑھنے) میں۔

یعنی اپنی زبانوں کو بٹ دیتے ہیں اور اُنہیں نازل شدہ کتاب کی بجائے تحریف شدہ کلام کی طرف موڑ دیتے ہیں پھر اُن (اپنی زبانوں) کو شبہ کتاب کی طرف مائل کر دیتے ہیں، —— اِسے یَلْوُوْن بھی پڑھا گیا اس بنا پر کہ واؤ مضمومہ (وُ "وْ) کو ہمزہ سے بدل دیا یَلْئُوْن پھر تخفیف کی خاطر ہمزہ کی حرکت ساکن ماقبل (لام) کو دے دی اور اُسے حذف کر دیا —— { یَلْوُوْن : یَلْوُوْنَ یَلْئُوْنَ : یَلْوُوْن }

لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ تاکہ تم لوگ اس (ملائی ہوئی چیز) کو (بھی) کتاب کا جُزء سمجھو حالانکہ وہ کتاب کا جُزء نہیں۔

ضمیر (منصوب) اُس تحریف شدہ کی طرف ہے جس پر پہلے دلیل دی گئی اللہ کے اس فرمان سے یَلْوٗنَ —— الخ (کہ وہ زبانیں موڑتے ہیں۔) —— اور اسے لِیَحْسَبُوْهُ (جمع مذکر غائب کا صیغہ) بھی پڑھا گیا ہے ضمیر فاعل پھر بھی مسلمانوں کے لیے ہو گی۔

وَیَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور کہتے ہیں کہ (یہ لفظ یا مطلب) خدا کے پاس سے ہے حالانکہ وہ (کسی طرح) خدا تعالیٰ کے پاس سے نہیں۔

یہ اللہ کے اس قول وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ کی تاکید ہے اور یہود کو برا بھلا کہنا مقصود ہے اور اُس بات کا صراحت سے بیان ہے جو وہ گمان کرتے تھے، اشارۃً نہیں —— مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کریم کی طرف سے نازل نہیں ہوا۔

Marfat.com

(معتزلہ نے کہا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے افعال اللہ کے افعال یعنی تخلیق کردہ نہیں ورنہ جھوٹ اللہ پر لازم آتا ہے ـــــ اس کا جواب یہ ہے کہ) اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بندہ کا فعل اللہ کا فعل (مخلوق) نہیں ہوتا ـــ (نازل من عنداللہ نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اللہ کا فعل ہی نہیں کیونکہ کسی خاص بات کا نہ ہونا عموم کو مانع نہیں) ـــــ

وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں اور وہ جانتے ہیں۔

اس میں تاکید اور زور پیدا کیا ہے اور اُن کے خلاف ایک فیصلے کا اندراج دکھایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ایسا جان بوجھ کر کرتے ہیں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کسی بشر سے یہ بات نہیں ہوسکتی کہ اللہ تعالیٰ اُسے کتاب اور فہم اور نبوت عطا فرمائیں پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرنے والوں کا ردّ اور اُن کا جھوٹا کرنا مقصود ہے ـــ (کہ ایک عام آدمی کو بھی یہ بات زیب نہیں دیتی کہ اللہ کے سوا کسی اَور کی عبادت کا حکم دے، پھر ایک نبی جسے اللہ کتاب وحکم ونبوت عطا کرے وہ ایسا کام کیسے کرسکتا ہے ـــ لہٰذا یہ سب کچھ جو تم کرتے ہو تمہاری اپنی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔ حاشیہ ۱۲) ـــ یہ بھی کہا گیا کہ ابو رافع قُرَظی اور سیّد نجرانی (انصاری نجران کا سردار) آنحضور علیہ السلام سے کہنے لگے ـــ "اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم (حضرت عیسیٰ کی بجائے) آپ کی عبادت

Marfat.com

کیا کریں اور آپ کو ربّ مانیں "—— آنحضور علیہ السلام نے فرمایا : " اللہ کی پناہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کریں یا ایسا حکم دیں —— مجھے نہ تو اللہ تعالیٰ نے ایسی بات کے لیے بھیجا ہے اور نہ مجھے ایسی بات کا حکم دیا ہے "—— اس پر یہ آیت نازل ہوئی —— یہ بھی روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا : " اے اللہ کے رسول ! ہم آپ کو بھی اسی طرح سے سلام کہتے ہیں جس طرح ہم آپس میں کہتے ہیں تو کیا (امتیاز کی خاطر یہ مناسب نہ ہوگا کہ) ہم آپ کو سجدہ کیا کریں ؟ " آپ نے فرمایا : " اللہ کے سوا کسی کو سجدہ جائز نہیں لہذا تم ایسا نہ کرو —— البتہ اپنے نبی کی عزت کیا کرو اور حق اُس کے اہل یعنی حقدار کے لیے پہچانو "—— (سجدہ اللہ ہی کے لیے ہے)

وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ ولیکن کہے گا کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ۔

یعنی وہ نبی تو یہی کہتا ہے کہ تم ربّانی بن جاؤ۔ ربّانی ربّ سے اسم نسبت ہے الف ونون کی زیادتی کے ساتھ، جیسے لحیانی اور رقبانی (آتا ہے) اور رَبّانی ایسے شخص کو کہتے ہیں جو علم وعمل میں کامل ہو۔

بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ

بوجہ اس کے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور بوجہ اس کے کہ پڑھتے ہو۔

یعنی بسبب اس کے کہ تم کتابِ الٰہی کے معلّم رہے ہو اور اسے خود بھی پڑھتے رہے ہو کیونکہ پڑھنے پڑھانے کا مقصود ہو تو معرفتِ حق اور عقیدے اور عمل کی بہتری ہی ہوتا ہے —— ابن کثیر، نافع، ابوعمرو اور یعقوب نے تَعْلَمُوْنَ (ثلاثی مجرد سے) پڑھا ہے یعنی تم جانتے ہو —— (اور تَدْرُسُوْن کی بجائے) تُدَرِّسُوْن (باب تفعیل سے) اور تُدْرِسُوْن (باب افعال سے) بھی پڑھا گیا ہے معنیٰ (ایک ہی) ہوگا (یعنی) پڑھنا —— جیسے اَکْرَمَ (باب افعال سے) اور کَرُمَ (ثلاثی مجرد

Marfat.com

ایک ہی معنی میں آجاتے ہیں ـــــ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قراءتِ مشہورہ بھی اِسی معنیٰ میں ہو، تب عبارت یُوں ہوگی: تَدْرُسُوْنَهٗ عَلَى النَّاسِ (بسبب اس کے کہ تم اسے لوگوں پر پڑھ کر سناتے تھے)۔

وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيِّيْنَ أَرْبَابًا اور نہ یہ بات بتلاوے گا کہ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب قرار دے لو۔

ابن عامر، حمزہ، عاصم اور یعقوب نے اسے ثُمَّ يَقُوْلَ پر عطف قرار دے کر منصوب (یعنی وَلَا يَأْمُرَكُمْ) پڑھا ہے ـــ اور (مَا كَانَ ـــ میں پہلے ہی نفی موجود ہے اب "لَا يَأْمُرُ" میں دوبارہ نفی کا 'لَا' ہوگا یہ اس لیے کہ) یہ لَا زائدہ ہے جو نفی کی تاکید کے لیے آیا ہے۔ معنیٰ یہ ہوگا کہ کسی بشر کو یہ مناسب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُسے نبی بنائے پھر وہ لوگوں کو اپنی عبادت کا حکم دے اور فرشتوں اور انبیاء کو ربّ بنا لینے کا حکم دے ـــ یا[2] یہ ہوسکتا ہے لَا زائدہ نہ ہو اور معنیٰ یہ ہو کہ کسی بشر کو مناسب نہیں (خواہ نبی ہی بنا دیا جائے) کہ وہ اپنی عبادت کا حکم دے اور نہ یہ کہ وہ اپنے جیسوں کو ربّ سمجھ لینے کا حکم دے۔ بلکہ وہ تو ان باتوں سے منع کرتا ہے اور یہ اپنے جیسوں کو ربّ بنانا تو عبادت سے کمتر درجہ ہے (وہ تو اس کا حکم بھی نہیں دیتا پھر وہ بلند تر درجہ یعنی اپنی عبادت کا حکم کیسے دے سکتا ہے) ـــ باقی قرّاء نے اسے جملہ مستأنفہ قرار دے کر مرفوع (وَلَا يَأْمُرُكُمُ) پڑھا ہے ـــ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ جملہ حال واقع ہوا ہو (اور ذوالحال بشر ہی ہو) ـــ ابوعمرو نے دَوری کی روایت میں اسے اختلاسِ ضمّ اور سکون سے (وَلَا يَأْمُرْكُمْ) پڑھا ہے۔

أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ کیا وہ تمہیں کفر کی بات بتلاوے گا۔

استفہام انکاری ہے ـــ اور اس میں ضمیرِ (فاعل) بشر کے لیے ہے ـــ یا

اللہ کے لیے ہے۔
بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ) بعد اِس کے کہ تم مسلمان ہو۔
یہ اس بات پر دلیل ہے کہ خطاب مسلمانوں سے ہے اور وُہی پوچھ رہے تھے کہ آپ کو سجدہ کیا کریں ـــ {گویا اللہ تعالیٰ نے سجدہ کو جو اللہ کے سوا کسی کو کیا جائے کُفر قرار دیا اور اس سے مسلمانوں کو (ناپسند کرتے ہوئے) روک دیا۔
۱۲۔ حاشیہ}۔
وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ اور جبکہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا انبیاء سے کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب اور علم دُوں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو مصدّق ہو اُس کا جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اُس رسول پر اعتقاد بھی لانا اور اُس کی طرفداری بھی کرنا۔
کہا گیا کہ[1] یہ اپنے ظاہری معنیٰ میں ہے۔ یعنی انبیاء سے عہد لیا گیا تھا اور جب انبیاء کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا تو اُن کی اُمتیں بطریق اَولیٰ اس میں آگئیں ـــ یہ بھی کہا گیا کہ[2] اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے اور اُن کی اُمتوں سے عہد لیا تھا مگر یہاں صرف انبیاء کے عہد کے ذکر پر ہی اکتفاء کیا ہے ـــ اور[3] یہ بھی کہا گیا کہ انبیاء کی طرف جو میثاق کی اضافت ہے، یہ اضافت فاعلی ہے یعنی وہ اللہ کا عہد جو انبیاء نے اپنی اُمتوں سے لیا تھا ـــ[4] یہ بھی کہا گیا کہ انبیاء سے مراد اولادِ انبیاء ہے یہاں لفظِ اولاد محذوف قرار دیں گے اور اولادِ انبیاء بنی اسرائیل ہیں۔ اُنہیں انبیاء کہا اُن کا مضحکہ اُڑانے کے لیے، کیونکہ وہ کہتے تھے کہ "ہم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے نبوت کے زیادہ حقدار ہیں کہ

Marfat.com

کہ ہم اہل کتاب ہیں اور انبیاء ہمیں میں سے ہوتے رہے ـــــ اور (لَمَآ اٰتَیْتُکُم میں) لام قسم کی تاکید کے لیے آیا ہے کیونکہ اخذِ میثاق قسم ہی کے معنیٰ میں ہے ـــ اور (لَمَا میں) مَا شرطیہ ہو سکتا ہے اور لَتُؤْمِنُنَّ جوابِ قسم اور جواب شرط دونوں کے قائم مقام آیا ہے ـــــ اور ہو سکتا ہے مَا شرطیہ نہ ہو خبریہ ہی ہو۔ (اس صورت میں اس کی جزا، وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۱۱) ـــــ حمزہ نے لِمَا (لام کی) زیر سے پڑھا ہے اس بنا، پر کہ مَا مصدریہ ہے معنیٰ یہ ہوگا کہ بسبب میرے تم کو کتاب کا کچھ حصہ دینے کے پھر تمہارے پاس رسول کے آنے کے اللہ نے وعدہ لیا کہ تم اُس پر ایمان لاؤ گے اور اُس کی امداد کرو گے۔ مَا موصولہ بھی ہو سکتا ہے، معنیٰ یہ ہوگا کہ واسطے اُس چیز کے جو میں نے تمہیں دی اور تمہارے پاس آیا رسول اُس کی تصدیق کرنے والا۔ (اللہ نے عہد لیا کہ تم اُس پر ایمان لاؤ گے اور اُس کی امداد کرو گے) ـــــ اور اسے لَمَّا بمعنی حِیْنَ (جب) بھی پڑھا گیا ہے یعنی جب میں تمہیں دُوں گا ـــــ یا اُس چیز کی وجہ سے جو میں تمہیں دوں گا اس بناء پر کہ یہ اصل میں "لِمَنْ مَّا" تھا پھر اِدغام کیا تو لِمَمَّا ہوا پھر بوجہ ثقل ایک میم کو حذف کر دیا اور لَمَّا بن گیا (اس صورت میں بھی لام موطّئہ للقسم (تاکیدِ قسم) اور مِنْ سببیہ یا زائدہ ہوگا۔۱۲ حاشیہ) ـــــ اور نافع نے ہر جگہ اٰتَیْنَاکُمْ (یعنی جمع متکلم کے صیغہ سے) پڑھا ہے۔

قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ

فرمایا کہ ایا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد قبول کیا۔

'اِصْر' کا معنیٰ ہے عہد۔ اسے اِصْر اس لیے کہا گیا لِاَنَّہٗ یُوْصَرُ کہ وہ باندھا اور پختہ کیا جاتا ہے اور اسے ضمہ سے (اُصْرِی) بھی پڑھا گیا ہے اور یہ ایک بولی ہے جیسے عُبُرْ عین کے ضمہ و کسرہ سے پڑھا جاتا ہے (بہت

سفر طے کرنے والی اونٹنی) ـــــ یا پھر وہ اِصَار (جسے کہ ستون سے باندھی جانے والی چھوٹی رسی) کی جمع ہے جس سے باندھا جاتا ہے۔ (اِسم آلہ کا وزن فِعال بھی ہے ۱۲)

قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وہ بولے ہم نے اقرار کیا۔ ارشاد فرمایا۔ تو گواہ رہنا۔

یعنی ایک دوسرے کے اقرار کی شہادت دو (قال کا فاعل اللہ ہے ۱۲) اور یہ بھی کہا گیا کہ اس میں خطاب ملٰئکۃ کو ہے (کہ تم گواہی دے دو)۔

وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ اور میں اُس پر تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

یعنی میں بھی تمہارے اقرار اور ایک دوسرے پر گواہی دینے پر شاہد ہوں اور یہ مشہود علیہ بات میں زور پیدا کرنے کی خاطر فرمایا اور اس سے نافرمانی سے بچنے کے لیے سختی سے ڈرایا گیا ہے۔

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ سو جو شخص روگردانی کرے گا بعد اس کے۔

(بَعْدَ ذٰلِكَ کا) معنی یہ ہے کہ اِس عہد اور اقرار کی پختگی اور گواہی دے دینے کے بعد۔

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ تو ایسے ہی لوگ بے حکمی کرنے والے ہیں۔

اور دھتکارے ہوئے یعنی کافر۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ کیا پھر دینِ خداوندی کے سوا اور کسی طریقہ کو چاہتے ہیں۔

پچھلے جملہ (اولئك هم الفاسقون) پر عطف ہے اور ہمزہ استفہام انکاری کے لیے ہے یا محذوف کا استفہام ہے جیسے أَيَتَوَلَّوْنَ فَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يبغون (کیا وہ پلیٹ پھیر جاتے ہیں اور اللہ کے دین کے سوا کوئی اور

Marfat.com

دین تلاش کرتے ہیں) اور مفعول (غَیْرَ دِینِ اللّٰہِ) کو مقدم کر دیا کہ اِسی سے انکار مقصود ہے اِس میں زور پیدا کیا گیا ہے ـــــ ابی عمرو اور عاصم نے بروایتِ حَفص اور یعقوب نے فعل یَبْغُون (بصیغۂ غائب) پڑھا ہے۔ اور باقی قُرّاء نے تبغُون (بصیغہ مخاطب) پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس کے شروع میں قُل لَّھم (اُن سے کہہ دے) مقدّر ماننا پڑے گا۔

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا

حالانکہ حق تعالیٰ کے سامنے سب سر افگندہ ہیں جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی سے اور بے اختیاری سے۔

یعنی مان گئے ہیں دلائل میں نظر رکھنے اور حجّت کی پیروی کرنے کے ساتھ ـــــ اور تلوار کے ساتھ مجبور کیے جانے اور اُس چیز کے آنکھوں دیکھ لینے کے ساتھ جو اسلام کی طرف مجبور کرتی ہے جیسے (بنی اسرائیل پر) پہاڑ کا اُٹھایا جانا اور (فرعون وغیرہ کو دریا میں) غرق کر دینا اور موت کو (اُن کا) آنکھوں کے سامنے دیکھنا ـــــ یا فرشتوں اور اہلِ ایمان لوگوں کی طرح اپنی خوشی سے کرنے والے ہیں اور کافروں کی طرح مجبور و مسخّر کیونکہ وہ اُس بات سے بچنے کی (توفیق و) قدرت ہی نہیں پاتے جو اُن کے لیے فیصلہ کر دی گئی۔

وَاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (کفار) اور سب خُدا ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

قاری حفص نے اسے یاء سے (یُرْجَعُون) پڑھا ہے بنا بر اِس کہ ضمیر غائب "مَنْ" (موصولہ) کی طرف راجع ہے۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ

آپ فرما دیجیے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اُس پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اُس پر جو ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق و یعقوب اور اولادِ یعقوب کی طرف بھیجا گیا اور اس پر بھی جو موسیٰ و عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو دیا گیا اُن کے پروردگار کی طرف سے۔

آنحضور علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ آپ[1] اپنی طرف سے اور اپنے پیروکاروں کی طرف سے ایمان کا اعلان کر دیں اور قرآن مجید جیسے آپ پر نازل شدہ ہے اسی طرح آپ کی تبلیغ کی وساطت سے اُن پر بھی نازل شدہ ہے اور اسی طرح یوں بھی ہوتا ہے کہ تمام میں سے ایک کی طرف منسوب کر دیا جائے تو وہ تمام کی طرف منسوب سمجھا جاتا ہے ـــــ یا[2] یہ کہ آپ بادشاہوں کے سے طریقے پر جلالت شان سے فرما رہے ہیں (کہ ہم پر نازل ہوا ہے) اور نزول "اِلیٰ" سے بھی متعدی کیا جاتا ہے کیونکہ اُس کا منتہا رسول ہوتا ہے اور "عَلیٰ" کے ساتھ بھی متعدی ہوتا ہے کیونکہ وہ اُوپر سے نازل ہوتا ہے ـــ اور اپنے پر نازل شدہ (یعنی قرآن کریم) کو تمام انبیاء پر نازل شدہ (کتب و صحائف) پر مقدم رکھا کیونکہ وہ آپ کے لیے زیادہ جانا پہچانا ہے اور یہی باقی کتب آسمانی کا معیار ہے۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اس کیفیت سے کہ ہم اُن میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے۔

یعنی یہ کہ کسی کی تصدیق کریں اور کسی کو جھٹلائیں ـــ (ہم ایسا نہیں کرتے)

وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ اور ہم تو اللہ ہی کے مطیع ہیں۔

یعنی ہم فرمانبردار ہیں اور اُسی کی عبادت میں صرف اُسی کو مانتے ہیں۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا۔

Marfat.com

'غیر الاسلام' کا معنی ہے توحید اور اُس کی فرمانبرداری چھوڑ کر کوئی اور بات۔

فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ

تو وہ اُس سے مقبول نہ ہوگا اور آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ اسلام سے منہ پھیرنے والا اور اُسے چھوڑ کر کسی اور (دین) کا چاہنے والا نفع کھونے والا ہے اور گھاٹے میں پڑنے والا ہے اس لیے کہ اس طرح وہ اُس فطرتِ سلیمہ کو ضائع کر دیتا ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے ـــــ اور اس آیت سے دلیل دی گئی کہ اسلام ہی ایمان ہے کہ اگر ایمان اس کے علاوہ کچھ اور ہوگا تو قبول نہیں ـــــ جواب یہ ہے کہ یہاں ہر غیریت رکھنے والے دین کے قبول کی نفی ہے نہ کہ ہر اُس چیز کی بھی جو اُس کے مغایر ہو ـــــ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ 'دین' کا لفظ اعمال کے لیے استعمال ہوا ہے (یہ دوسرا جواب ہے) یعنی جو شخص اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور 'عمل' چاہے وہ ہرگز قبول نہ ہوگا اور ایمان عمل کو نہیں کہتے (جبکہ اسلام عمل کا نام ہے)۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت کریں گے جو کافر ہو گئے بعد اپنے ایمان لانے کے اور بعد اپنے اس اقرار کے کہ رسول سچے ہیں اور بعد اس کے کہ انھیں واضح دلائل پہنچ چکے تھے۔

بعید بتانے کے لیے ('كَيْفَ' استعمال ہوا) ہے (کہ یہ تو بہت بعید ہے) کہ اللہ تعالیٰ اُسے ہدایت دے کیونکہ حق سے دُوری اختیار کرنے والا بعد اس کے کہ حق اُس پر واضح ہو گیا گمراہی میں گھُسا چلا جاتا ہے اور ہدایت سے دُور ہو جاتا

Marfat.com

ہے ـــــ یہ بھی کہا گیا کہ استفہام (کَیْفَ) سے نفی کرنا اور ناپسند کرنا مقصود ہے اور یہ بات اس کی مقتضی ہے کہ مرتدّ کی توبہ قبول نہیں ہوگی ـــــ اور شَهِدُوْا کا عطف ایمانہم میں پائے جانے والے معنیٰ فعل پر ہے (کفروا پر نہیں) {گویا تقدیر عبارت یوں تھی: بَعْدَ اَنْ اٰمَنُوْا وَ شَهِدُوْا (کہ بعد اس کے ایمان لائے تھے اور گواہی بھی دی تھی)} اور اس کی نظیر اللہ کا یہ قول ہے: فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ ـــــ یعنی اکنْ کا عطف فاصّدّقَ پر ہے (حالانکہ یہ مجزوم ہے اور وہ منصوب تو وجہ یہ ہے کہ یہاں فَاء داخل ہوئی ہے اگر وہ نہ ہوتی تو وہ بھی مجزوم ہی تھا عبارت یوں ہوتی: لَوْلَا اَخَّرْتَنِیْ اِلٰی اَجَلٍ قَرِیْبٍ اَصَّدَّقْ وَ اَكُنْ ـ ۱۲ حاشیہ) ـــــ یا یہ کفر وا سے حال واقع ہوا ہے جبکہ اس سے پہلے قَدْ، مقدّر مانا جائے ـــــ اور دونوں طور پر جو دو توجیہیں ذکر ہوئیں (یعنی ایمانہم کے معنی فعل پر عطف اور کفروا کا حال قد کے مضمر ہونے سے) یہ آیت دلیل ہے کہ زبان سے اقرار کرنا (عمل یا اسلام) حقیقت ایمان کے سوا کوئی اور چیز ہے (کیونکہ اگر اقرار یعنی شہادت داخلِ ایمان ہوتی تو ایمان کے بعد اُس کا ذکر کرنا بے مقصد تھا) (تو مطلب یہ ہوا کہ اقرار باللسان اور ظاہری اعمال جسے اسلام کہا جا سکتا ہے کے ساتھ ساتھ تصدیق قلبی یعنی ایمان بھی لازم ہے)۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ ایسے بے ڈھنگے لوگوں کو ہدایت نہیں کرتے۔

یعنی اُن لوگوں نے نظریاتی اعتبار سے بھی کوتاہی کی اور کفر کو ایمان کی جگہ اپنایا تو پھر جس کے پاس حق آجائے اور وہ اسے پہچان بھی لے پھر اُس سے منہ پھیر لے (یہی لوگ تو ظالم و نا انصاف ہیں)۔

Marfat.com

أُولٰئِكَ جَزَاءُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ اُن پر اللہ تعالیٰ کی بھی لعنت ہوتی ہے اور فرشتوں کی بھی اور آدمیوں کی بھی سب کی۔

الفاظ سے دلیل ملتی ہے کہ اِن لوگوں پر لعنت جائز ہے۔ اور مفہوم سے یہ پتا بھی چلتا ہے کہ اِن کے سوا اَوروں پر لعنت درست نہیں اور ممکن ہے فرق یہ ہو کہ اُن (مُرتدین) کی طبائع بھی کفر پر ہی بنی ہیں {(یہ مفسّر کا مبالغہ ہے کیونکہ ہر طبع فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوئی ہے) (اُن کے دلوں پر کُفر کی مُہر لگ چکی ہے)} وہ ہدایت سے روک دیے گئے ہیں اور رحمت سے سراسر ناامید ہیں بخلاف اور لوگوں کے کہ وہ ابھی تک اس درجہ تک نہیں پہنچے۔) اور یہاں "وَالنَّاسِ" سے مراد مؤمنین ہیں ـــ یا عامۃ الناس مُراد ہیں کیونکہ کافر بھی تو حق کے انکار کرنے والے اور اُس سے پھر جانے والے پر لعنت کرتا ہے لیکن بذاتِ خود حق کو نہیں پہچان پاتا۔

خَالِدِينَ فِيهَا وہ ہمیشہ ہمیشہ اُس میں رہیں گے۔

("فیھا" کا معنیٰ ہے) ۱ اِسی لعنت میں ـــ یا ۲ سزا میں ـــ یا ۳ دوزخ میں ـــ اگرچہ موخّر الذکر دو چیزوں کا ذکر (الفاظ میں) نہیں آیا مگر (طرزِ) کلام سے یہ بات مل جاتی ہے۔

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ اُن پر سے عذاب ہلکا بھی نہ ہونے پائے گا اور نہ ہی اُن کو مُہلت دی جائے گی ہاں مگر جو لوگ توبہ کرلیں اس کے بعد۔

یعنی مرتد ہونے کے بعد توبہ کرلیں۔

وَأَصْلَحُوا اور اپنے کو سنوار لیں۔

جو کچھ اُنہوں نے کوتاہی و نقصان کیا تھا اُس کی تلافی کرلیں (کیونکہ صرف ندامت

Marfat.com

اور آئندہ نہ کرنے کا عزم ہی کافی نہیں اس کے ساتھ جو حقوق وہ ادا نہ کر سکے تھے بسبب ارتداد کے اب اُسے بھی پورا کرنے کی کوشش کریں) ـــــ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا مفعول نہ مانیں بلکہ اصلحوا کا معنی دَخلوا فِی الصلاح (وہ بھلائی میں داخل ہو گئے) کر لیں۔

فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ سو بے شک خدا تعالیٰ بخش دینے والے ہیں۔

وہ اُن کی توبہ قبول کرتے ہیں۔

رَّحِیْمٌ رحمت کرنے والے ہیں۔

اُن پر مہربانیاں کرتے ہیں ـــ کہا گیا ہے کہ یہ آیت حارث بن سُوَید کے بارے میں نازل ہوئی جب وہ اپنے مرتد ہو جانے پر پشیمان ہوا اُس نے اپنی قوم کی طرف پیغام بھیجا کہ (آنحضور علیہ السلام سے) پوچھیں کہ کیا میری توبہ منظور ہو سکتی ہے تو آنحضور علیہ السلام نے اُس کے بھائی جلاس کو یہ آیت دے کر بھیجا، چنانچہ وہ مدینہ لوٹ آیا اور تائب ہو گیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِھِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا بے شک جو لوگ کافر ہوئے اپنے ایمان کے بعد پھر بڑھتے رہے کفر میں۔

جیسے یہود کہ اُنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ پر ایمان لانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کو نہیں مانا تھا۔ پھر آنحضور علیہ السلام اور قرآن پاک کو نہ ماننے پر اُن کے کفر میں اضافہ ہو گیا ـــ یا[۲] یہ کہ آپ پر بعثت سے پہلے ایمان لا چکے تھے مگر آپ کے تشریف لانے پر انکار کر دیا پھر اصرار اور دشمنی اور طعن و تشنیع کر کے اور ایمان سے لوگوں کو روک کر اور نقضِ میثاق کر کے اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے ـــ یا[۱] اُن لوگوں کی طرح جو مرتد ہو گئے تھے اور اہلِ مکہ کے ساتھ مل گئے تھے پھر یہ کہنے سے اپنے کفر میں بڑھ گئے تھے کہ ہم تو محمد (صلی اللہ

Marfat.com

تعالیٰ علیہ وسلم ؐ کے ساتھ حوادثِ روزگار اور انقلاباتِ زمانہ کے واقع ہونے کا انتظار کر رہے ہیں ـــــ یا[۲] یہ کہا تھا کہ ہم آنحضور علیہ السلام کی طرف لوٹ جائیں گے اور ایمان کا اظہار کر کے اُس سے منافقت کریں گے۔

لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ اُن کی توبہ ہرگز مقبول نہ ہوگی۔

توبہ کے قبول نہ ہونے کا مطلب ہے کہ[۱] وہ توبہ ہی نہ کریں گے ـــــ یا[۲] یہ کہ توبہ ایسی گھڑی میں کریں گے جو قبولیت کا وقت نہ ہوگا یعنی اُس وقت توبہ کریں گے جب وہ موت کے قریب ہوں گے تو یہاں عدمِ توبہ سے عدمِ قبولِ توبہ کا کنایہ کیا گیا اُن کی حالت کو سخت بتلاتے ہوئے اور اُن کے حال کو واضح کرتے ہوئے کہ وہ رحمتِ الٰہی سے مایوس ہیں ـــــ یا[۳] اس لیے کہ اُن کی توبہ منافقت پر ہی مبنی ہوگی (لہٰذا قبولیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) اور اس صورت میں ارتداد اور زیادۃِ کفر کا بیان بھی (عدمِ قبول کے لیے) ضروری نہ رہا اور یہی وجہ ہے کہ اس پر 'فاء' سببیّہ داخل نہیں ہوئی۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ اور ایسے لوگ پکے گمراہ ہیں۔

وہ گمراہی پر پختہ ہو چکے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور وہ مر بھی گئے حالتِ کفر ہی میں سو اُن میں سے کسی کا زمین بھر سونا بھی نہ لیا جاوے گا۔

اُن کا کفر پر مرنا فدیہ قبول نہ کیے جانے کا سبب ہے لہٰذا یہاں اس طرف اشارہ کرنے کے لیے "فاء (سببیّہ)" داخل کر دی گئی۔ اور مِلْءُ الشيءِ کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کو (پورا پورا) بھر دینا اور ـــــ ذَهَبًا تمیز ہو کر منصوب

Marfat.com

ہے ـــ [۲] اور اسے مِلْأُ سے بدل قرار دے کر مرفوع (ذَهَبٌ) بھی پڑھا گیا ہے
ـــ [۳] یا اس بنا پر کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔
وَلَوِ افْتَدٰى بِهٖ اگرچہ وہ معاوضہ میں اُس کو دینا بھی چاہے۔
[۱] معنی پر محمول ہے گویا یوں کہا گیا کہ اُن میں سے کسی سے فدیہ قبول نہ کیا جائے گا اگرچہ وہ زمین بھر سونا ہی دے (مطلب یہ ہے کہ فدیہ قطعاً قبول ہی نہ کیا جائے گا۔۱۲) [۲] یا یہ معطوف ہے محذوف پر کہ لَوْ تَقَرَّبَ بِهٖ فِی الدُّنْیَا وَافْتَدٰی بِهٖ فِی الْاٰخِرَةِ {(اگرچہ وہ دنیا میں اتنا سارا سونا اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالے اور آخرۃ میں اس کے ثواب و جزاء کو بطور فدیہ پیش کرے) یعنی یہاں فدیہ کا معنی ہے صدقہ دنیوی)} ـــ [۳] یا مراد یہ ہے کہ اُس کی مثل فدیہ دے گویا یہاں "بِهٖ" میں مثل کا لفظ محذوف ہے اور باء مَعَ کے معنی میں ہے معنی یوں ہوگا کہ اگر وہ زمین بھر سونا دے ساتھ ہی اُس کی مانند اور دے تو بھی قبول نہ ہوگا جیسے فرمایا: وَلَوْ اَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ ـــ (یہاں مِثْلَهٗ مَعَهٗ سے استشہاد کرنا مقصود ہے) اور مثل حذف کیا جاتا ہے اور کثیراً بڑھا دیا جاتا ہے کیونکہ دو ایک طرح کی اشیاء ایک ہی چیز کے حکم میں ہوتی ہیں۔
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اُن لوگوں کو سزائے دردناک ہوگی۔
اُنہیں ڈرانے اور احتیاط اختیار کرنے میں زور دیا گیا ہے اور مایوس کر دینا مقصود ہے کیونکہ ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ جو فدیہ قبول نہ کرے وہ احسان کرتے ہوئے بخش دے (تو بتا دیا کہ نہیں اُن کو سزا ہی ملے گی)۔
وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ اور اُن کے کوئی حامی بھی نہ ہوں گے۔
یعنی (اُن سے) عذاب دُور کرنے میں (کوئی مددگار نہ ہوگا) اور یہاں مِنْ،

Marfat.com

مزیدہ برائے استغراق ہے (یعنی کوئی بھی ناصر نہ ہوگا)۔ ع ۹ ۱۱ ۱۷
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ تم خیرِ کامل کو کبھی نہ حاصل کر سکو گے۔
یعنی[۱] تم نیکی کی حقیقت کو نہیں پا سکتے جو کمالِ خیر ہے ــــ یا[۲] یہ کہ تم اللہ سے نیکی نہیں پا سکتے جو کہ اُس کی رحمت، اُس کی رضا و خوشنودی اور جنّت ہے۔
حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ یہانتک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے۔
خواہ وہ مال ہو یا وہ جس کی زیادہ پَروا کی جاتی ہے جیسے لوگوں کی امداد میں اپنے وقار اور جاہ کا خرچ کرنا اور بدن کا اللہ کی فرمانبرداری میں خرچ کرنا اور جان کو اُس کی راہ میں خرچ کرنا ــــ روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے مالوں میں مجھے بَیْرَحا کی جاگیر (باغ) سب سے زیادہ پسند ہے، آپ اسے اللہ کی مرضی کے مطابق خرچ کر دیجیے۔ آپ نے فرمایا: خُوب خُوب! یہ مال بڑا عمدہ ہے۔ (یا یہ کہ بڑا نفع بخش ہے) اور مَیں یہ چاہتا ہوں کہ تو اسے اپنے رشتہ داروں میں خرچ کر دے ــــ اور زید بن حارثہ ایک گھوڑا لے آئے جو اُنہیں محبوب تھا عرض کیا یہ اللہ کی راہ میں حاضر ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُس پر اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سوار کر دیا۔ اس پر زید نے عرض کیا: حضور! میں نے تو اسے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ نے اسے تجھ سے قبول کر لیا ــــ اور اس سے یہ دلیل ملتی ہے کہ پسندیدہ ترین اَموال اپنے قریبی رشتہ داروں پر خرچ کرنا زیادہ درجہ رکھتے ہیں ــــ اور آیت عام ہے صدقاتِ واجبہ کو بھی اور صدقاتِ نافلہ کو بھی ــــ اور اسے بَعْضَ مَا تُحِبُّوْنَ بھی پڑھا گیا ہے اور اس سے یہ دلیل ملتی ہے کہ مِنْ تبعیض کا ہے (یعنی پسندیدہ ترین مال میں سے کچھ خرچ کر دینا کافی ہے ضروری نہیں کہ سارا

Marfat.com

ہی خرچ کیا جائے) اور ہو سکتا ہے مِنْ (تبعیض کا نہ ہو بلکہ) بیانیہ ہو۔ (یعنی خرچ کرو اپنی پسندیدہ چیزیں ــــ)

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ اور جو کچھ بھی خرچ کرو گے۔

یعنی پسندیدہ چیزوں میں سے کوئی سی یا اُس کے علاوہ اشیاء میں سے۔ یہاں 'مِنْ' 'مَا' (موصولہ) کا بیان ہے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ اللہ تعالیٰ اُس کو بھی خوب جانتے ہیں۔

لہٰذا اُس کے مطابق تمہیں جزاء دے گا۔

كُلُّ الطَّعَامِ سب کھانے کی چیزیں۔

اور اس سے مُراد اُن کا کھانا ہے۔

كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ بنی اسرائیل پر حلال تھیں۔

یعنی اُن کے لیے اُن کا کھانا حلال تھا اور حِلًّا مصدر ہے جو بطور نعت (کلمۂ صفت) آئی ہے یہی وجہ ہے کہ واحد، جمع اور مذکّر و مؤنث سب اس میں برابر ہیں جیسے فرمایا: لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ (یعنی جمع مؤنث کے لیے بھی حِلٌّ کا لفظ ہی آیا۔)

اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ باستثناء اُس کے جس کو یعقوب نے حرام کر لیا تھا۔

عَلٰی نَفْسِهٖ اپنے نفس پر۔

حرام کردہ چیزیں جیسے اونٹ کا گوشت اور اُس کا دودھ ــــ یہ بھی کہا گیا کہ آپ کو 'عرق النساء' کا مرض تھا اور آپ نے نذر مانی کہ اگر آپ شفایاب ہو جائیں تو اپنا پسندیدہ کھانا چھوڑ دیں گے اور یہی (اونٹ کا گوشت وغیرہ) آپ کا پسندیدہ کھانا تھا ــــ اور یہ بھی کہا گیا کہ آپ نے اطباء کے کہنے پر

Marfat.com

بطور دواء (یعنی پرہیز کی خاطر) ایسا کیا تھا ـــــ اور اُس شخص نے جو کہتا ہے کہ نبی اجتہاد کر سکتا ہے یہاں سے دلیل پکڑی ہے اور جو شخص اجتہادِ نبی کا قائل نہیں وہ کہتا ہے کہ یہ تو اللہ کے حکم سے تھا گویا وہ پہلے ہی حرام تھا (لہٰذا اجتہاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)۔

مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ نزولِ توراۃ سے قبل۔

اُن کے ظلم اور سرکشی کی وجہ سے اُن کی سزا اور اُن پر سختی کی خاطر کچھ چیزوں کے حرام ہونے کے احکام تھے ـــــ اور یہ تردید ہے یہود کے اس دعوی کی کہ وہ بَری ہیں اُس الزام سے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے یُوں دی ہے: وَبِظُلْمٍ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ (یہودی لوگوں کے ظلم و زیادتی کی وجہ سے ہم نے اُن پر پاکیزہ چیزیں بھی حرام کر دیں) اور دوسری جگہ فرمایا: وعلى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ (ہم نے یہودیوں پر ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا) ـــــ یہودی کہتے تھے کہ یہ ہم پر ہی حرام نہیں کی گئیں بلکہ (ہم سے) پہلے حضرت نوح، حضرت ابراہیم علیہما السلام اور اُن کے بعد بھی حرام ہی تھیں حتیٰ کہ معاملہ ہم تک پہنچا ـــ لہٰذا پہلوں کی طرح ہم پر بھی حرام ہی رہیں ـــــ اور اس میں جواب ہے کہ نسخ منع نہیں ہوئی (یعنی قرآن توراۃ و انجیل کا ناسخ ہے۔) اور آنحضور علیہ السلام پر طعن کا جواب ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ ہم بھی ابراہیم علیہ السلام کی طرح اونٹوں کا گوشت اور دودھ حلال قرار دیتے ہیں۔

قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ

فرما دیجیے کہ پھر توراۃ لاؤ پھر اُسے پڑھو اگر تم سچے ہو۔

اُن کے ساتھ دلائل بازی کرنے میں اُنہی کی کتاب لانے کا حکم فرمایا اور توراۃ میں موجودہ احکام سے ہی اُنہیں لاجواب کرنا مقصود ہے کیونکہ اُن پر اُن کے ظلم و تعدی

کی وجہ سے وہ چیزیں حرام کر دی گئیں جو پہلے حرام نہ تھیں ـــــ روایت ہے کہ آنحضور علیہ السلام نے جب اُن سے یہ فرمایا تو وہ بہوت و ششدر رہ گئے اور توراۃ لانے کی جسارت نہ کر سکے۔ اور اس میں آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔

فَمَنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ سو جو شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کی تہمت لگائے۔

یعنی اپنے زعم میں اللہ تعالیٰ پر بات بنائے کہ یہ (حرام شدہ چیزیں) تو توراۃ کے نازل ہونے سے پہلے بھی بنی اسرائیل پر حرام تھیں بلکہ اس سے بھی پہلے کے لوگوں پر حرام کی گئی تھیں۔

مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ اُس کے بعد۔

یعنی بعد اس کے کہ اُن پر حجت و دلیل قائم کر دی گئی۔

فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ تو ایسے لوگ بڑے بے انصاف ہیں۔

(ایسے ظالم) جو اپنی جانوں کے ساتھ انصاف نہیں کرتے اور حق کا مقابلہ کرتے ہیں حالانکہ وہ اُن پر واضح ہو چکا ہے۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰہُ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ کہہ دیا۔

یہ اُن کے جھوٹ پر تعریض کرنا مقصود ہے۔ یعنی ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ تو سچا ہے اُس بات میں جو اُس نے نازل کی جھوٹے تم ہی ہو۔

فَاتَّبِعُوْا مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا سو تم ملتِ ابراہیم کا اتباع کرو جس میں ذرا کجی نہیں۔

یعنی ملتِ اسلام جو اصل میں ملتِ ابراہیمی ہے ـــــ یا یہ مُراد ہے کہ تم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے مشابہ ملت کی پیروی کرو تاکہ تم یہودیت سے چھٹکارا

Marfat.com

پاسکو جس نے تمہیں دُنیوی اغراض کے پورا کرنے کی خاطر تحریف اور غرور (و مقابلہ) پر مجبور کیا ہے اور جو تم پر پاکیزہ چیزوں کے حرام ہونے کا باعث ہوئی (وہ پاکیزہ چیزیں) جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے تابعین کے لیے حلال رکھا۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اور وہ مُشرک نہ تھے۔

اس میں اشارہ ہے کہ اُن کا اتباع ضروری ہے توحیدِ خالص میں (جو شرک سے پاک ہو) اور استقامت فی الدّین میں اور اِفراط اور تفریط سے بچ جانے میں ـــــ اور اس میں یہود کے شرک کے بارے میں تعریض ہے (یعنی یہ کہ حضرت ابراہیم تو مشرک نہیں تھے تم مشرک ہو)

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ یقیناً وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا۔

یعنی عبادت کی خاطر بنایا گیا اور لوگوں کے لیے عبادت گاہ بنایا گیا ـــــ بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اِس پر اس سے دلیل ملتی ہے کہ (اسے فاعل کے وزن پر یعنی) فعلِ معروف وَضَعَ بھی پڑھا گیا ہے۔

لَلَّذِي بِبَكَّةَ وہ مکان ہے جو کہ مکّہ میں ہے۔

بَکّہ مکہ کی دوسری بولی ہے جیسے نبیط اور نہیط (ایک پست درجہ کی قوم) دونوں لفظ ایک ہی معنیٰ کے لیے بولے جاتے ہیں۔ اور اسی طرح أمرٌ راتبٌ کی بجائے امرٌ رَاتمٌ (طے شدہ یا مقرر کردہ معاملہ) اور لازب اور لازم وغیرہ ـــــ اور یہ بھی کہا گیا کہ بکّۃ مسجد کی جگہ کو کہتے ہیں اور مکّہ شہر کا نام ہے ـــــ بکّۃ بَکٌّ سے لیا گیا جس کا معنیٰ ہے رکاوٹ پیدا کرنا یا کوٹ دینا (اور تباہ کر دینا) کیونکہ یہ (مقامِ عالیشان) بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں توڑ

Marfat.com

دیتا ہے ـــــ روایت ہے کہ حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بطور عبادت گاہ بنایا گیا کون سا ہے ؟ آپ نے فرمایا "مسجدِ حرام" پوچھا گیا : "اس کے بعد" فرمایا : "بیت المقدس (تعمیر کیا گیا)" پوچھا گیا: "ان دونوں کے درمیان کتنی مدّت کا فرق ہے" فرمایا : "چالیس سال" ـــــ اور یہ بھی کہا گیا کہ جس نے اِسے پہلے بنایا وہ حضرت ابراہیم تھے پھر یہ گھر گر گیا تو اسے بنی جُرہُم میں سے کچھ لوگوں نے بنایا پھر عمالقہ (عملیق : قدآور لوگ) نے پھر قریش نے تعمیر کیا ـــــ اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ پہلا گھر ہے جسے سیّدنا آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا پھر یہ طوفانِ نوح میں مٹ گیا اور بعد میں ابراہیم علیہ السلام نے اسے نئے سرے سے بنایا ـــــ یہ بھی کہا گیا کہ آدم علیہ السلام سے پہلے یہاں ایک گھر تھا جس کا نام 'الضراح' (بیت المعمور) تھا اور فرشتے اُس کا طواف کیا کرتے تھے۔ پھر جب آدم علیہ السلام جنّت سے دُنیا میں ڈالے گئے آپ کو حکم دیا گیا کہ اُس کی زیارت کیا کریں اور اس کے گرد طواف کیا کریں اور طوفانِ نوح کے موقع پر اُسے چوتھے آسمان پر اُٹھا لیا گیا جس کا طواف ملائکہ آسمانی کیا کرتے تھے ـــــ تاہم یہ روایت ظاہری الفاظ سے ثابت نہیں ہوتی ـــــ یہ بھی کہا گیا کہ اس سے مُراد یہ ہے کہ یہ بلحاظِ شرف و بزرگی پہلا گھر ہے، نہ بلحاظِ زمان و وقت۔

مُبَارَکًا جس کی حالت یہ ہے کہ وہ برکت والا ہے۔

یعنی اس میں بہت بھلائی ہے اور بہت مَنَافِع ہیں اُس شخص کے لیے جو اس کا حج کرے اور عمرہ کرے اور اس میں اعتکاف کرے اور اس کے گرد طواف کرے ـــــ یہ حال ہے اُس ضمیر سے جو ظرف (ببکّۃ) میں چھپی ہوئی ہے یعنی رہی (بکہ والے گھر کا حال یہ ہے کہ وہ بابرکت ہے۔ ۲۔۱)

Marfat.com

وَهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ اور جہان بھر کے لوگوں کا رہنما ہے۔
اس لیے کہ وہ اُن کا قبلہ ہے اور اُن کی جائے عبادت ہے اور اس لیے بھی کہ اس میں عجیب اور انوکھی نشانیاں ہیں، جیسے فرمایا :
فِيْهِ اٰيَاتٌۢ بَيِّنٰتٌ اس میں کُھلی نشانیاں ہیں۔
پرندے بیت اللہ کے سامنے سے آکر مُڑ جاتے ہیں اور مدّتوں سے ایسا ہو رہا ہے (مگر معلوم ہوا ہے کہ یہاں یا تو مفسّر کو غلطی لگی ہے یا اس نے غلو سے کام لیا ہے کیونکہ یہ بات مشاہدہ کے خلاف ہے ۱۲ نعیم) —— اور یہ کہ پھاڑ کھانے والے درندے حرم میں شکار کیے جانے والے جانوروں کے ساتھ مل کر پھرتے ہیں اور اُنہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتے اور یہ کہ جس سرکش نے بھی اس گھر کی طرف بُرائی کا قصد کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اُسے تباہ و برباد کر دیا جیسے اصحابِ فیل وغیرھم —— اور یہ جملہ تفسیر کرنے والا ہے هُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ کی —— (یعنی یہ نشانیاں وغیرہ رہنمائی کرتی ہیں) یا یہ دوسرا حال ہے۔
مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ منجملہ اُن کے ایک مقامِ ابراہیم ہے۔
یہ مبتدا ہے جس کی خبر محذوف ہے گویا اصل عبارت یوں تھی : 'مِنْهَا مَقَامُ اِبْرَاهِيْمَ'۔ یا یہ فِيْهِ اٰيَاتٌ سے بدل بعض من الکل ہے —— (کہ ایک نشانی یہ ہے) —— اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ عطفِ بیان ہے (واؤ عاطفہ کے بغیر عطف کو عطفِ بیان کہا جاتا ہے، واؤ عاطفہ موجود ہو تو عطفِ نسق ۱۲) اس بنا پر کہ آیات سے مُراد ٹھوس چٹان پر قدم مبارک کا نشان رہ جانا اور ٹخنوں تک اُس میں دھنس جانا، اور باقی چٹانوں میں سے اس ایک چٹان کا نرمی کے لیے مخصوص کرنا اور تمام انبیاء کے باقی نشانات کو چھوڑ کر آپ ہی کے نشان کو باقی رکھنا اور کثرتِ اعداء کے باوجود ہزاروں سال تک اُس کا محفوظ رکھنا وغیرہا ——

اس کی تائید اُس قراءت سے ہوتی ہے جس میں اٰیَۃٌ بَیِّنَۃٌ واحد پڑھا گیا ہے ـــــ اور اس نشان کا سبب یہ ہوا کہ جب کعبہ کی عمارت بلند ہو گئی تو آپ اس پتھر پہ کھڑے ہو گئے تاکہ آپ پتھروں کے اُٹھانے (اور بیت اللہ کی تعمیر مکمل کرنے) پر قدرت پا سکیں۔ اس پر آپ کے قدم مبارک اُس چٹان میں دھنس گئے۔

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا اور جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے۔

یہ جملہ ابتدائیہ ہے {یعنی اس میں خبر یہ (از مبتدا و خبر) (اس صورت میں مَنْ اسم موصول ہوگا)}۔ یا شرطیہ ہے (اس صورت میں مَنْ کلمہ شرط اور كَانَ اُس کی جزا ہے) اور (دونوں صورتوں میں) مَقَامُ اِبْرَاهِيْمَ پر معنوی طور پر معطوف ہے کیونکہ یہ اس معنی میں ہے کہ اٰمَنَ مَنْ دَخَلَهٗ یعنی مِنْهَا اٰمَنُ مَنْ دَخَلَهٗ (اُن نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو اس گھر میں داخل ہوا امن پا گیا ۱۲) ـــــ یا یہاں مِنْهَا مقدر نہ کریں بلکہ اصل عبارت یوں سمجھیں فِيْهِ اٰيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ اِبْرَاهِيْمَ وَاَمْنُ مَنْ دَخَلَهٗ ـــ (اس میں نشانیاں ہیں واضح مقامِ ابراہیم اور اُس شخص کا امن پانا جو اس میں داخل ہو)۔ اور اٰیات جمع کا لفظ لا کر بہت سی نشانیاں بتانے کی بجائے صرف دو پر ہی اکتفا کیا اور باقیوں کا ذکر نہیں کیا جیسے حضور علیہ السلام نے فرمایا: حُبِّبَ اِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلَاثٌ الطِّيْبُ وَالنِّسَاءُ وَقُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ ـــ {تمہاری دنیا میں سے مجھے تین چیزیں پسند ہیں خوشبو اور (نیک) عورتیں ـــــ اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک تو نماز میں ہے (یہاں مقامِ استشہاد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے تین چیزوں کی بجائے (دنیا کی) دو ہی

Marfat.com

چیزوں کا ذکر فرمایا اور تیسری کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ ایک مستغنی کر دینے والا جملہ فرمادیا کہ یہ سب چیزیں (دنیا کی) تو عارضی ہیں اصل تو یادِ محبوب ہے، لہذا میری آنکھیں وہیں ٹھنڈی ہوتی ہیں میرا دل وہیں تسکین پاتا ہے جب میں یادِ محبوبِ حقیقی میں مستغرق ہو جاتا ہوں ——

؎ نہ دنیا میں، نہ دولت میں، نہ گھر آباد کرنے میں
میرا دل چین پاتا ہے خُدا کو یاد کرنے میں

یہاں ایک اشتباہ یہ ہو سکتا ہے کہ تیسری محبوب چیز یہی نماز ہے جسے حضور بیان فرمانا چاہتے تھے مگر جواب یہ ہے کہ نماز تو دنیا کی چیز نہیں، آخرت کی چیز ہے اور حضور نے فرمایا: مِنْ دُنْیَاکُمْ تمہاری دُنیا میں سے محبوب تین چیزیں ۱۲}

(اللہ تعالیٰ نے دو ہی نشانیوں 'مقامِ ابراہیم" اور "اَمْنُ مَنْ دَخَل" کے ذکر پر اکتفا کیا) کیونکہ یہ دونوں دونوں جہانوں میں رہتی دنیا تک اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے سوا دوسری چیزوں سے مستغنی کر دیتی ہیں اور قیامت کے دن عذاب سے اَمن حاصل ہوگا۔ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مَنْ مَاتَ فِی اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بُعِثَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اٰمِنًا۔ (جو شخص حرمین شریفین میں سے کسی ایک میں فوت ہو جائے قیامت میں امن و سلامتی سے اُٹھے گا یعنی عذاب سے محفوظ رہے گا) —— اور امام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جس شخص کا قتل کرنا بوجہ مرتد ہو جانے کے یا قصاص وغیرہ میں ضروری ہو جائے اور وہ حرم میں پناہ پکڑے اُس سے تعرّض نہ کیا جائے البتہ اُسے وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا جائے۔ (پھر حدِ شرعی جاری کی جائے ۱۲)۔

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ اور اللہ کے واسطے لوگوں کے

Marfat.com

ذمہ اُس مکان کا حج کرنا ہے۔

(حج کا مطلب ہے) مخصوص طریقے پر اُس کی زیارت کا قصد کرنا۔

اختلافِ قرأت : حمزہ، کسائی اور عاصم نے بروایت حَفص اسے کسرہ سے (حِجّ) پڑھا ہے جو اہلِ نجد کی بولی ہے۔

مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا یعنی اُس شخص کے ذمّہ جو طاقت رکھے وہاں تک کی سبیل کی۔

'الناس' سے بدل بعض من الکل ہے اور 'الناس' میں تخصیص پیدا کرنے کی خاطر آیا ہے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے 'استطاعة' کا مفہوم 'زاد و راحلہ' بیان فرمایا ہے اور اس سے امام شافعی علیہ الرحمۃ کے معنیٰ کی تائید ہوتی ہے کہ استطاعت کا مطلب ہے (وہاں تک جانے آنے کے لیے) مالی طاقت (رکھتا ہو) اور اسی لیے اُنھوں نے فرمایا کہ اگر خود نہ کر سکے تو اُسے ضروری ہے کہ اپنی طرف سے کسی کو نائب بنا کر بھیج دے جب اُس کے پاس نائب بنانے کے لیے مالی طاقت ہو ـــــ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ استطاعت کا معنی ہے بدن کی طاقت، لہٰذا جو شخص چلنے اور راستے میں کما کھانے پر قدرت رکھتا ہو اُس پر حج کرنا واجب ہے ـــــ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں (استطاعت بالمال اور بالبدن) دونوں آجاتی ہیں۔ لہٰذا جب دونوں پائی جائیں استطاعتِ مالی بھی اور استطاعتِ بدنی بھی تب جا کر حج واجب ہوتا ہے ـــــ اور 'اِلَيْهِ' میں ضمیر 'البیتِ' کی طرف راجع ہے ـــــ یا حِجّ کی طرف ـــــ اور وہ تمام اسباب جو کسی چیز تک پہنچنے کا ذریعہ ہوں اُس کی 'سبیل' (ذریعہ) کہلاتے ہیں۔

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ اور جو شخص منکر ہو

تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے غنی ہیں۔

جو شخص حج نہ کرے اُس کے لیے کفر کا لفظ استعمال کیا گیا تاکہ بتایا جائے کہ یہ امر کتنا زیادہ ضروری (اور واجبِ تاکیدی) ہے اور اس لیے کہ حج کے ترک کرنے والے پر سختی دکھائی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا {جو شخص حج کیے بغیر مرگیا (حالانکہ استطاعت رکھتا تھا) تو وہ (کفر کی موت) مرا خواہ یہودی ہو کر یا نصرانی ہو کر}۔

اس آیت میں کئی دلائل سے حج کا واجب ہونا ثابت کیا ـــــ پہلے تو جملہ اسمیہ لائے اور خبر 'لِلّٰهِ' کو مقدم رکھا (جملہ اسمیہ میں جملہ فعلیہ کی نسبت زیادہ زور اور تاکید ہوتی ہے)۔ پھر اُسے اس طرح رکھا جس سے ظاہر ہوا کہ یہ لوگوں کی گردنوں میں اللہ تعالیٰ کا حقِ واجب ہے ـــــ پھر پہلے حکم کو عام رکھا اس کے بعد اسے خاص کر دیا، گویا مُبہَم (غیر واضح) بیان کر دینے کے بعد اُسے واضح (اور صاف) کر دیا۔ اور مقصود میں تاکید کی خاطر اُسے دوبارہ ذکر کیا اور دُہرایا ہے ـــــ اور حج نہ کرنے کو کفر کا نام دیا کیونکہ یہ کافرانہ کام ہے ـــــ اور یہاں استغناء (کہ اللہ بے پرواہ ہے) کا ذکر کیا کیونکہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے کافروں سے ناراض ہونے پر اور اُنہیں ذلیل و رسوا کرنے پر دلیل دینا مقصود ہے ـــــ اور یہ جو فرمایا 'عن العالمین'، تو اس سے حکم کے عام کرنے میں مبالغہ کی طرف اشارہ ہے (کہ اللہ کو کسی عالَم میں کسی کی پروا نہیں ـــــ اور اس میں اس کے تمام عالمین کی طرف اشارہ ہے (کہ اللہ کو کسی عالم میں کسی کی پروا نہیں) ـــــ اور اس میں اس کے تمام عالمین سے مستغنی ہونے پر دلائل کے ساتھ رہنمائی کی گئی ہے۔ اور (حج نہ کرنے والے پر) اللہ کی سخت ناراضی بتائی گئی کیونکہ

حج کرنا ایک ایسا فریضہ ہے جو بہت ناگوار گزر سکتا ہے — اس میں کسرِ نفس، بدن کو تھکانا، مال کا خرچ کرنا، خواہشاتِ (نفسانی) سے الگ ہونا اور اللہ تعالیٰ کی طرف قدم بڑھانا (بیک وقت) سب موجود ہیں۔

شانِ نزول: روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام اہلِ مذاہب کو بلایا اور اُن سے خطاب کیا اور فرمایا کہ "اِنَّ اللّٰہَ تعالیٰ کَتَبَ علیکم الحَجَّ فَحُجُّوْا۔ (اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے لہذا تم لوگ حج کیا کرو)" اس پر ایک ملّت ایمان لائی اور پانچ ملّتیں نہ مانیں — اس موقع پر یہ آیت وَمَنْ کَفَرَ الخ نازل ہوئی۔

قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ آپ فرما دیجیے کہ اے اہلِ کتاب تم کیوں انکار کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے احکام کا۔

یعنی اُس کی آیاتِ سمعیّہ اور عقلیّہ کا جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صداقت پر دالّ ہیں اُس امر میں جس کی طرف وہ دعوت دیتے ہیں حج اور دیگر واجباتِ شرعیہ کے معاملہ میں (حج کا فرض ہونا آیاتِ ماسبق میں ذکر ہو چکا) یہاں اہلِ کتاب کو خاص طور پر خطاب فرمایا یہ دلیل ہے اس بات پر کہ اُن کا کفر قبیح تر ہے بحالانکہ وہ آیاتِ الٰہیہ کو اچھی طرح سے پہچانتے ہیں — اور یہ آیت اس بات پر بھی دلیل ہے کہ اگرچہ وہ توراۃ و انجیل پر ایمان رکھنے کے مدعی ہیں مگر حقیقتِ حال اس کے خلاف ہے، وہ نہ توراۃ کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں نہ انجیل کے فرامین پر۔

وَاللّٰہُ شَھِیْدٌ عَلٰی مَا تَعْمَلُوْنَ حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کی اطلاع رکھتے ہیں۔

تم اپنے آپ کو مومن گردانتے ہو اور حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام

Marfat.com

اعمال کو دیکھتے اور اطلاع رکھتے ہیں پھر وہ تمہیں اُن کے عوض جزاء و سزا دیں گے اور اُس وقت یہ تحریف اور کتمانِ حق کام نہ آئے گا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ آپ فرما دیجیے اے اہلِ کتاب کیوں ہٹاتے ہو اللہ کی راہ سے ایسے شخص کو جو ایمان لا چکا۔

خطاب اور استفہام کو مکرّر لاکر اس سے اُن کی سرزنش میں مبالغہ مقصود ہے (کہ اے اہلِ کتاب تم عالم ہونے کے باوجود ایسا کیوں کرتے ہو) اور تکرار سے یہ بھی مقصود تھا کہ خُدا کی راہ سے روکنے میں اُن کے پاس کوئی عُذر نہ رہے اور یہ بھی کہ یہ دونوں کام (کفر بایاتِ اللہ اور صد عن سبیل اللہ جو تم کرتے ہو) اپنی اپنی جگہ پر قبیح ہیں (دونوں مل گئے تو بڑی قباحت ہوگی) ان دونوں میں سے ہر ایک تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کا عذاب کھینچ لانے میں کافی تھا (مگر تم ہو کہ بیک وقت دونوں کے مرتکب ہو رہے ہو) — اور سبیل اللہ سے مُراد اللہ تعالیٰ کا دینِ حق ہے جس پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ اسلام ہے۔

کہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں میں فتنہ انگیزی کرتے تھے اور اُنہیں ایک دُوسرے کے خلاف اُکساتے تھے یہاں تک کہ وہ اوس و خزرج قبیلوں کے پاس آئے (جو صدیوں کی خانہ جنگی کے بعد اسلام لاکر بھائی بھائی بن چکے تھے) اِن لوگوں نے اُنہیں وہ لڑائیاں اور دشمنی یاد دلائی جو زمانہ جاہلیت میں اُن میں رہی تھی اور اُن کا مقصد اِس سے یہ تھا کہ وہ پھر ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں اور وہ اُن کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کی حیلہ بازیاں کرتے تھے۔

تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا اس طور پر کہ کجی ڈھونڈتے ہو اس راہ کے لیے۔

یہ حال ہے ضمیر خطاب تصدُّون سے یعنی تم اِس دین میں کجی کی تلاش

Marfat.com

اور کوشش کرتے رہتے ہو۔ تم ملمّع کاری کرتے رہتے ہو کہ لوگوں کو شبہ اور وہم میں ڈال دو کہ یہ دین تو حق سے دُور ہے ـــــ (اس شریعت نے جو شریعتِ موسویہ میں) نسخ (کیا اُس) کو تم تسلیم نہیں کرتے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر مبارک اور صفاتِ جلیلہ بدل دیتے ہو اور اسی طرح سے تم دینِ حق میں کجی چاہتے ہو ـــ یا اس سے یہ مُراد ہے کہ تم مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خلاف اُکساتے ہو تاکہ اُن کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے اور اُن کے دینی معاملات میں خلل واقع ہو جائے۔

وَ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ حالانکہ تم خود بھی اطلاع رکھتے ہو۔

یعنی یہ کہ تم جانتے ہو کہ یہ خدا کی راہ ہے اور اس سے روکنا بذاتِ خود گمراہی اور دوسرے کو گمراہ کرنا ہے اور تم تو اپنے اہلِ مذہب میں عادل سمجھے جاتے ہو، لوگ تمہاری باتوں پر اعتماد کرتے ہیں اور اپنے جھگڑوں میں تمہیں گواہ قرار دیتے ہیں۔

وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔

یہ اُن کے واسطے وعید ہے ـــــ اور جبکہ سابقہ آیت میں ناپسندیدہ امر اُن کا کفر تھا اور وہ اُسے ظاہر و باہر کرتے تھے لہٰذا وہاں فرمایا: واللہ شہید علی ما تعملون۔ اور جب کہ اس آیۃ میں اُن کا مومنین کو اسلام سے روکنے کا ذکر تھا اور اسے وہ چھپاتے تھے اور اس میں وہ حیلہ بازیاں کرتے تھے لہٰذا فرمایا کہ (یہ دقیق و مخفی تدبیر انسانوں سے تو چھپی رہ سکتی ہے مگر) واللہ بغافل عمّا تعملون۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ

Marfat.com

اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ اے ایمان والو! اگر تم کہنا مانو گے کسی فرقہ کا ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی ہے تو وہ لوگ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں گے۔

یہ آیت اوس اور خزرج کے چند آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اُن کے پاس سے شاس بن قیس یہودی گزرا تو اُسے اُن کی آپس کی اُلفت اور مل بیٹھنے نے غصے میں ڈال دیا۔ لہذا اُس نے ایک یہودی نوجوان کو حکم دیا کہ اُن کے پاس جا بیٹھے اور اُنہیں یومِ بُعاث یاد دلائے اور اُنھیں اُن اشعار میں سے کچھ شعر سنائے جو اُس جنگ کے بارے میں کہے گئے تھے۔ اور اس جنگ میں قبیلہ اوس کو فتح ہوئی تھی۔ چنانچہ اُس یہودی نے ایسا ہی کیا اور وہ لوگ آپس میں جھگڑنے لگے، باہمد گر فخر کرنے لگے اور ایک دوسرے کے خلاف غصے میں آگئے اور پکار اُٹھے: "ہتھیار لاؤ، ہتھیار لاؤ" اور دونوں قبیلوں میں سے بہت لوگ جمع ہو گئے۔ (یہ شور سُن کر) رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: "میرے ہوتے ہوئے تم زمانہ جاہلیّت کو واپس لانا چاہتے ہو بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں نعمتِ اسلام سے مشرف کیا ہے، اُس کے ذریعہ جاہلیت کے تمام امور کو ختم کر دیا ہے اور تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی ہے۔" اس پر وہ سب سمجھ گئے کہ یہ شیطان کا وسوسہ تھا اور اُن کے دشمن کی ایک چال تھی۔ پھر اُنہوں نے ہتھیار پھینک دیے، اللہ تعالیٰ سے معافی کے خواستگار ہوئے اور ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ واپس ہو گئے۔ اور یہ جو اللہ تعالیٰ نے مومنین کو بلا واسطہ خطاب فرمایا حالانکہ پہلے آنحضورؐ

Marfat.com

کو حکم فرمایا تھا کہ وہ اہلِ کتاب کو خطاب کریں (یعنی صیغۂ امر قُلْ، فرمایا تھا) تو یہ مؤمنین سے بلا واسطہ گفتگو اُن کی بزرگیٔ مرتبت کو ظاہر کرتی ہے اور یہ کہ اصل حقدار یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں خطاب کرے اور اُن سے گفتگو کرے۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ اور تم کفر کیسے کر سکتے ہو؟ حالانکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے احکام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اور تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں

استفہام انکاری ہے اور تعجب ظاہر کرنا مقصود ہے کہ تمہارے اندر اسباب و دواعی تو ایمان کے ہیں جو کفر سے دُور ہٹانے والے ہیں پھر تمہارا کفر کیسے تصوّر میں آسکتا ہے۔

وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑتا ہے۔

یعنی اُس کے دین پر استقامت سے عمل پیرا رہتا ہے یا جو تمام اُمور میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ تو ضرور راہِ راست کی طرف ہدایت کیا جاتا ہے۔

یعنی وہ لامحالہ ہدایت پا جاتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو (جیسا) ڈرنے کا حق ہے۔

یعنی حقِ تقویٰ ادا کرو اور جو چیزیں اس تقویٰ کی وجہ سے ضروری ہیں اُن پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اور وہ واجب اُمور کا حتی الوسع بجا لانا اور منع کردہ اُمور سے حتی المقدور بچ جانا یعنی شرعی احتیاط کی زندگی اختیار کرنا ہے جیسے

Marfat.com

فرمایا: "فاتقوا اللہ ما استطعتم" اور سیدنا ابن مسعود نے تقویٰ کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا دم بھر لیا جائے تو پھر اُس کی نافرمانی کبھی نہ کی جائے اور اُس کا شکر ادا کیا جائے تو پھر کبھی کفرانِ نعمت نہ کیا جائے اور اسے یاد کیا جائے تو پھر اُسے بھلا نہ دیا جائے ـــــ تقویٰ کی تیسری تعریف یوں کی گئی ہے کہ اطاعت کو التفات سے پاک کر لیا جائے (یعنی اُسے فرضِ منصبی سمجھے نہ کہ جائے کبر و غرور) اور اُسے اجر و ثواب کی توقع سے بھی پاک کر لے (اُس آقائے حقیقی نے اجر کا وعدہ تو فرمایا ہے مگر طاعت کا اجر اُس پر واجب نہ سمجھے، اللہ پر کچھ واجب نہیں، ہم پر سب کچھ واجب ہے) اور اس میں اہلِ کتاب کی طاعت سے بچنے کی تاکید ہے اور ـــــ تقاۃ کا اصل وُقَیَۃ ہے۔ واؤ مضمومہ کو تاء سے بدل دیا گیا جیسے تُؤَدۃ تُخَمہ اصل میں وُؤَدۃ وُخَمَۃ تھا ـــــ پھر تُقْیَۃ (اصل وُقْیَہ) کی یاء مفتوح کو الف سے بدل دیا۔ اس طرح تُقَاۃٌ بن گیا۔

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ اور بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا۔

یعنی جب تمہیں موت آئے تو تم نہ ہونا کسی حال پر سوائے حال اسلام کے (یعنی موت کا کوئی وقت معلوم نہیں زندگی مختلف احوال سے عبارت ہے لہٰذا ہر حال میں مسلمان رہنا چاہیے اور ہر وقت تیار رہنا چاہیے کہ جب بھی موت آئے تم مسلمان ہو۔) (حال اور صفت کو نحو میں قید کہتے ہیں مثلاً جاءنی رجلٌ عالمٌ میں عالمٌ قید ہے اور رجلٌ مقید ہے۔) اور نہی عن المقید حال وغیرہ کی صورت میں کبھی کبھی نفسِ فعل سے ہوتی ہے (اور قید پر نہیں ہوتی) اور کبھی صرف (امر زائد یعنی) قید پر ہوتی ہے (فعل کا اعتبار نہیں ہوتا) اور

Marfat.com

کبھی دونوں سے نہی ہوتی ہے۔ اور اسی طرح نفی کا حال ہے (لا تموتن إلّا الخ میں نہی اُس قید سے ہے جو بعد میں مذکور ہوئی یعنی..... مُسْلِمُونَ)۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلے کو۔

یعنی دینِ اسلام یا اللہ تعالیٰ کی کتاب۔ کیونکہ آنحضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسّی ہے۔ یہاں دینِ اسلام یا کتاب اللہ کو اللہ کی رسّی سے تشبیہ دی گئی۔ اس لیے کہ اُسے مضبوطی سے تھام لینا اُس کی تعلیمات پر عمل کرنا اسی طرح سلامتی کا سبب ہے جس طرح رسّی کو مضبوطی سے پکڑنے سے انسان گرنے سے بچ جاتا ہے (کیونکہ نجات دلانے میں دونوں فعل مشترک تھے لہٰذا رسّی سے تشبیہ دے دی۔) اور پھر مضبوطی سے پکڑنے اور اُس پر انحصار کرنے کے لیے اعتصام کا لفظ استعمال فرمایا (جو مناسب تھا حبل کے جو مشبہ بہ ہے) یہ استعارہ ترشیحیہ للمجاز ہے (ترشیح: تزئین۔ ایک چیز کو دوسری سے تشبیہ دینا اور پھر اُس کی مناسبات بیان کرنا استعارہ ترشیحیہ کہلاتا ہے)۔

جَمِيْعًا اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو۔

سب کے سب اکٹھے ہو کر حق کی تعلیمات پر عمل کرو۔

وَلَا تَفَرَّقُوْا اور باہم نا اتفاقی مت کرو۔

ایک تاء برائے تخفیف حذف کر دی ـــــ آپس میں اختلاف کر کے اہلِ کتاب کی طرح حق سے جُدا نہ ہو جاؤ۔ یا یہ کہ آپس میں نہ بٹ جاؤ جس طرح تم عہد جاہلیۃ میں بٹ گئے تھے ایک دوسرے سے جنگ کرنے لگے تھے۔ یا یہ کہ ایسی باتوں کا ذکر بھی نہ کرو جو موجبِ تفرق یا الفت زائل کرنے کا سبب بنیں۔

Marfat.com

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اُسے یاد کرو۔

منجملہ اُس کے ہدایت اور توفیقِ اسلام ہے جو باہمی اُلفت پیدا کرتی اور کینہ زائل کرتی ہے۔

اِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً جب کہ تم دشمن تھے۔

جاہلیت میں تم ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھے۔

فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں اُلفت ڈال دی۔

بسبب اسلام کے۔

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا سو تم اللہ تعالیٰ کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔

ایک دوسرے سے محبت اور اللہ کے لیے آپس میں بھائی چارہ رکھنے والے بن گئے۔ اور کہا گیا ہے کہ اوس اور خزرج باپ کی طرف سے آپس میں سوتیلے بھائی تھے۔ پھر اُن میں عداوت پیدا ہو گئی اور تقریباً ایک سو بیس (۱۲۰) سال تک اُن کی آپس میں جنگ رہی یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ کی آگ کو اسلام کی بدولت بجھا دیا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے اُن میں اُلفت پیدا فرما دی۔

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے۔

یعنی اپنے کفر کی وجہ سے تم جہنم کی آگ میں گرنے کے قریب تھے اگر تمہیں اس حالت میں موت آجاتی تو تم جہنم میں چلے جاتے۔

فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا سو اُس سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی۔

Marfat.com

بسبب اسلام کے آور 'مِنْهَا' میں ضمیر حُفْرَة[1] کے لیے ہے یا النَّارِ[2] کے لیے ہے یا شَفَا[3] (کنارے) کے لیے ہے مگر (شَفَا مذکر ہے اور یہ مؤنث ہے۔ تو ہو سکتا ہے شَفَا حفرۃٍ میں) مضاف الیہ کا اعتبار کر کے ضمیر مؤنث لائے یا اس لیے کہ شَفَا بمعنی شَفَةٌ ہو کیونکہ شفا اور شفة دونوں کنوئیں کے کنارے کے لیے استعمال ہوتے ہیں جیسے لفظ جانب اور جانبة ہے۔ اور اس کا اصل "شَفْوٌ" ہے پھر واؤ کو بصورت مذکر الف سے بدل دیا اور مؤنث میں (تائے تانیث کا اضافہ تو کیا مگر) 'الف' کو حذف کر دیا گیا۔

كَذٰلِكَ اسی طرح

جیسے بیان کر دیا گیا۔

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے احکام بیان کر کے بتلاتے رہتے ہیں۔

یعنی اپنے دلائل۔

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ تاکہ تم لوگ راہ پر رہو۔

(اللہ تعالیٰ کا) ارادہ یہ ہے کہ تم ہدایت پر ثابت قدم رہو اور اس میں پختگی حاصل کر سکو۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضرور ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام کرنے کو کہا کریں اور بُرے کاموں سے روکا کریں۔

یہاں 'مِّنْكُمْ' میں مِنْ تبعیض کے لیے ہے کیونکہ تبلیغ (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) فرض کفایہ ہے۔ اور اس لیے بھی کہ ہر شخص اس کام کی

Marfat.com

صلاحیت نہیں رکھتا اس لیے کہ جو آدمی اپنے آپ کو اس فرض کے لیے تیار کرتا ہے اُس کے لیے کچھ شرائط ہیں جس میں تمام افرادِ اُمّت مشترک نہیں (کسی کو مکلّف اُس وقت قرار دیا جاتا ہے جب اُس میں اہلیّت ہو) اور وہ شرائطیہ ہیں کہ احکام کا علم رکھتا ہو اور جانتا ہو کہ کسی کو کس وقت ٹوکا جائے اور یہ کہ اِقامتِ حُدود کیسے ہوگی پھر اُن کے قائم کرنے کی قُدرت بھی رکھتا ہو۔ خطاب سب کو ہے مگر اُن میں سے بعض کا فعل مطلوب ہے اس لیے کہ بتا دیا جائے کہ یہ فعل واجب تو سب پر ہے اگر سب ترک کر دیں گے تو سب گنہگار ہوں گے مگر اُن میں سے بعض کے کرنے سے باقی سب سے ساقط ہو جائے گا اور یہی حال ہے سب فُروض کفایہ کا۔ یا مِن بیانیہ ہے کہ تم ایک دعوت دینے والی اُمت بن جاؤ جیسا کہ فرمایا: کنتم خیر امة اخرجت الناس تامرون بالمعروف اور دُعا الی الخیر عام ہے دعوۃ کو اُن امور کی جانب جن میں دینی بھلائی ہو یا دنیوی فائدہ ہو اور اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو دعوۃ الی الخیر پر معطوف کیا گیا یہ عطف ہے خاص کا عام پر کہ بتا دیا جائے کہ (دعوۃ الی الخیر کا رکن ہوتے ہوئے بھی) باقی امور پر اُن کو فضیلت ہے۔

وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور ایسے لوگ پُورے کامیاب ہونگے۔

یہی لوگ کمالِ فلاح سے مخصوص ہیں (اُولٰٓئِكَ اشارہ اور مشارٌ الیہ۔ المفلحون کے درمیان ضمیر هُمْ لائی گئی تاکہ حصر پیدا کر کے تخصیص کی جائے)۔

منقول ہے کہ حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ "لوگوں میں سے سب سے اچھا کون ہے؟" فرمایا: وہ جو اُن میں سب سے زیادہ امر بالمعروف کرنے والا، سب سے زیادہ نہی عن المنکر کرنے والا، سب سے زیادہ شرعی احتیاط (تقویٰ) کی زندگی بسر کرنے والا اور سب سے زیادہ رشتے کو جوڑنے والا ہے" اور اُمورِ

واجبہ میں امر بالمعروف واجب ہوتا ہے اَور اُمورِ مستحبہ میں مُستحب — (یعنی فرض کا امر کرنا فرض اور مستحب کا امر کرنا مستحب ہے) جبکہ نہی عن المنکر ہر طور پہ واجب ہے۔ کیونکہ تمام امور جن سے شرع پاک نے روکا ہے وہ حرام ہیں (یعنی حرام میں مُباح و مکروہ نہیں جیسے کنوئیں میں گرنے والے کو بچانا ہر حال میں واجب ہے۔) اور زیادہ صاف اور واضح بات یہ ہے کہ گناہ کرنے والے کو بھی چاہیے کہ دوسروں کو اُس گناہ سے بھی روکے جس کا وہ خود ارتکاب کرتا ہے کیونکہ اُس پر دو کام واجب ہیں: ایک اُس گناہ کا چھوڑنا اور دوسرے اُس سے روکنا۔ تو ایک کے ترک سے دوسرے کا وجوب ساقط نہیں ہوتا۔ (لم تقولون مالا تفعلون میں بھی عمل بالقول کی ترغیب و تشویق ہے نہ کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی نہی)۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا اَور تُم اُن لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے باہم تفریق کر لی اور باہم اختلاف کر لیا۔

جیسے یہود و نصاریٰ نے توحیدِ باری تعالیٰ میں اختلاف کیا اور اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ (اُس کے صفات کو شرک وغیرہ سے پاک جاننا) اور احوالِ آخرۃ کے بارے میں باوجود جاننے کے اختلاف کیا۔

مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ اُن کے پاس احکامِ واضحہ پہنچنے کے بعد۔

یعنی آیات اور دلائل جو حق کو واضح کرنے والے ہیں اور ضروری طور پر اُن پہ (سب میں) اتفاق ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں (تفریق و اختلاف سے) نہی فروع کو چھوڑ کر اصول کے لیے خاص ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: "میری امّت کا اختلاف رحمت ہے"۔ اور یہ بھی فرمایا کہ "جس شخص نے اجتہاد کیا

Marfat.com

اور اُس کا اجتہاد صحیح ہوا تو اُس کے لیے دو اجر ہیں اور جس کا اجتہاد (نیک نیتی کے باوجود) غلطی پر منتج ہوا اُس کے لیے ایک اجر ہے۔"

وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ اور اُن لوگوں کے لیے سزائے عظیم ہوگی۔

یہ عذاب کا وعدہ ہے اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے تفریق پیدا کی۔ اور دھمکی اور ڈر دلانا مقصود ہے اُن کو جنہوں نے اُن کی مُشابہت اختیار کی۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ اُس روز کہ بعض چہرے سفید ہو جائیں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے۔

یہ منصوب ہے اُس معنیٰ فعل پر جو لَهُمْ میں ہے یا يَوْمَ سے پہلے أذکر مقدر محذوف ہے اور چہروں کا سفید ہونا یا سیاہ ہونا کنایے ہیں خوشی اور مسرّت کے اظہار سے اور خوف و دل گرفتگی کے آثار سے۔ اور کہا گیا کہ اہلِ حق چہرے اور ماتھے کی چمک اور طبیعت کی شگفتگی اور سامنے اور سیدھے ہاتھ روشنی ہونے سے پہچانے جائیں گے اور اہلِ باطل اس کے برعکس۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ سو جن کے چہرے سیاہ ہو گئے ہوں گے اُن سے کہا جائے گا کیا تم لوگ کافر ہوئے تھے اپنے ایمان لانے کے بعد۔

یہاں قول مراد ہے یعنی اُن سے کہا جائے گا کیا تم نے کفر کیا تھا۔ اور أَكَفَرْتُمْ میں ہمزہ جھڑکنے اور تعجب ظاہر کرنے کے لیے ہے اُن کے حال پر۔ اور وہ جماعت[1] مرتدّین ہے یا[2] اہلِ کتاب جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو نہ مانا بعد اس کے کہ وہ آپ کی بعثت سے قبل آپ پر ایمان لا چکے تھے یا[3] اس سے مطلقاً تمام کفّار مراد ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے روزِ

میثاق اقرار کیا تھا اور اب وہ ایمان نہ لائے تھے۔ یا تمام کافر مُراد ہیں جنہوں نے دلائلِ نبوّیہ اور آیاتِ الٰہیّہ کی جانچ پرکھ کرکے یقین کر لیا تھا مگر داخلِ اسلام نہ ہوئے۔

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ سو سزا چکھو۔

یہ اُن کو ذلیل و رُسوا کرنے کی خاطر حکم دیا۔

بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ بسبب اپنے کفر کے۔

یا اپنے کفر کے بدلے میں۔

وَأَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ اور جن کے چہرے سفید ہو گئے ہونگے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے۔

یعنی جنّت اور ہمیشہ کے فائدے اور بھلائی میں ہونگے۔ اِسے رحمت سے تعبیر کیا تنبیہ کرنے کی خاطر کہ مؤمن بھی اگرچہ اُس نے ساری عمر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں گزار دی ہو جنّت میں نہیں داخل ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل نہ ہو۔ اور ترتیب کا حق تو یہ تھا کہ پہلے مسلمانوں کا ذکر لایا جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آغازِ کلام اور انتہائے کلام ہر دو مقام پہ اہلِ ایمان لوگوں کی حسنِ جزاء اور ثواب کا ذکر ہو۔

هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ وہ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اسے نئے جملے کے طور پر لایا گیا تاکہ اس سے تاکید ظاہر کی جائے گویا کہا گیا "وہ وہاں کیسے رہیں گے" تو جواب میں فرمایا "وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے"۔

تِلْكَ اٰيَاتُ اللّٰهِ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں۔

جو نیکی کے لیے اجر و ثواب کے وعدے اور گناہ و برائی کے لیے عذاب کی دھمکی بتا رہی ہیں۔

Marfat.com

نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ جو صحیح صحیح طور پر ہم تمہیں پڑھ کر سناتے ہیں۔
یہ خالص حق ہی کا لباس اختیار کیے ہیں کسی اور بات کا ان میں اشتباہ بھی نہیں۔

وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ مخلوقات پر ظلم کرنا نہیں چاہتے۔
کیونکہ ظُلم اُس سے محال ہے وجہ یہ ہے کہ اُس پر کچھ واجب نہیں جس میں کمی سے اُس پر ظلم کا اطلاق ہو سکے اور نہ اُسے کوئی کسی کام سے روک سکتا ہے کہ اُس کے کرنے میں وہ ظلم کرے کیونکہ وہ تو مطلقاً (بلا کسی قید و شرط کے) مالک ہے جیسے کہ اُس نے فرمایا

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف سب مقدمات رُجوع کیے جاویں گے۔

لہٰذا وہ ہر شخص کو جو اُس نے وعدہ کیا ہے دے سکتا ہے اور جس عذاب کی دھمکی دی ہے وہ کر سکتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ تم لوگ اچھی جماعت ہو۔
یہ آیت اُن کے ماضی میں بہتر ہونے پر دلیل ہے اور اُن کے اس بہتر ہونے کے عہد کو ختم ہونے پر دلالت نہیں کرتی جیسے کہ فرمایا: وکان اللہ غفورًا رحیما (اور اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور مہربانی کرنے والا تھا) اور کہا گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے علم میں بہتر تھے یا لوح محفوظ میں ایسا درج تھے یا امم سابقہ میں ایسے تھے۔

أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ وہ جماعت لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے۔

Marfat.com

یعنی تم ایسی عمدہ جماعت ہو کہ تمہیں لوگوں کے لیے ظاہر کیا گیا ہے۔
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بُری باتوں سے روکتے ہو۔
جملہ مستانفہ ہے جس سے اُن کے خیرِ اُمت ہونے کی توضیح کی ہے یا
كُنْتُمْ کی خبر ثانی ہے۔
وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔
ایمان میں وہ تمام اُمور شامل ہیں جن پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ اُن پر ایمان لانا ضروری ہے اور جب تمام امور پر جن پر ایمان لانا ضروری ہے ایمان حاصل ہو جائے تو اُسے ایمان کہتے ہیں اور ایمان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے مؤخر کر دیا ہے حالانکہ حق یہ تھا کہ اس کا ذکر پہلے کیا جائے۔ یہ اس لیے کیا گیا کہ اس سے دلالت کی جائے کہ اُن کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اُس کی تصدیق کرنے ہی کے سبب سے ہے اور اپنے دین کے ظاہر کرنے کی غرض سے ہے۔ اور اس آیت سے دلیل ملتی ہے کہ اجماع حجت ہے کیونکہ یہ اُن کے ہر نیکی کے حکم کرنے پر اور ہر بُرائی سے روکنے پر مقتضی ہے کیونکہ اس میں لام استغراق کے لیے ہے۔ تو اگر وہ باطل پر جمع ہو جائیں تو یہ بات اس آیۃ کے خلاف ہو گی۔
وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اور اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے۔
ایسا ایمان جس کا تقاضا کیا جا رہا ہے۔
لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ تو اُن کے لیے زیادہ اچھا ہوتا۔
یہ ایمان اُن کے لیے اُس چیز سے بہتر ہوتا جس پر یہ ہیں۔
مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ اُن میں سے بعض تو مسلمان ہیں۔

Marfat.com

جیسے کہ عبداللہ بن اسلام اور اُن کے ساتھی۔
وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ اور زیادہ اُن میں سے کافر ہیں۔
جو اپنے کفر میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اور یہ جملہ اور آئندہ جملہ ضمنی طور پر وارد ہوئے ہیں۔
لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى وہ تمہیں ہرگز کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے مگر ذرا خفیف سی اذیت۔
جیسے طعن و تشنیع اور دین میں دھمکی دینا وغیرہ (تنوین اذًی برائے تحقیر ہے)
وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ اور اگر وہ تم سے مقابلہ کریں تو تم کو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں۔
یعنی شکست کھا جائیں گے اور تمہیں قتل اور اسیری وغیرہ کا کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔
ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ پھر کسی طرف سے اُن کی حمایت بھی نہ کی جاوے گی۔
یعنی پھر وہاں کوئی ایسا نہ ہوگا جو تمہارے خلاف اُن کی مدد کرے اور تمہارے خوف کو اُن سے دُور کر سکے۔ یہاں ضرر کی نفی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ تمہیں صرف باتوں سے دُکھ پہنچائیں گے (عملی اقدام نہ کر سکیں گے) اور مزید اس کے ثابت کرنے کے لیے فرمایا کہ اگر وہ لڑائی کے لیے آمادہ ہوئے تو شکست اُنہی کے حصے میں ہوگی۔ پھر یہ بتا دیا کہ انجام کار وہ عاجز و ناکام ہونگے اور اسے ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْا بھی پڑھا گیا بصورت اس کے کہ یہ
پر عطف ہے اور یہاں (تراخی فی الزمان نہیں بلکہ) تراخی فی الرتبہ کے لیے ہے کہ یوں تو لوگ اُن کی مدد کرتے رہیں گے مگر جب آپ سے قتال کریں گے اُس وقت اُن کی مدد کو کوئی نہ پہنچ سکے گا۔ اور یہ آیت اُن غیب کی باتوں میں سے

Marfat.com

ہے کہ آگے چل کر ایسا ہی ہوا۔ بنی قریظہ کو قتل کر دیا گیا، بنی نضیر اور بنی قینقاع کو جلا وطن کر دیا گیا اور یہودِ خیبر پر جزیہ لگا دیا گیا۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ جما دی گئی اُن پر بے قدری (یعنی بے امنی جان کی)۔

اور ذلت کو اُن پر مسلط کر دیا گیا کہ اُن کے جان و مال اور اہل و عیال غیر محفوظ کر دیے گئے یا ذلت یہ کہ ہمیشہ کے لیے باطل کی علمبرداری اُنہی کے حصّہ میں آئی یا اُن پر (ہمیشہ کے لیے) جزیہ (اَور ٹیکس) لگا دیا گیا (جو اُن کے لیے باعثِ ذلت تھا۔)

اَيْنَمَا ثُقِفُوْا جہاں کہیں پائے جائیں گے۔

(وہیں اُن پر ذلت کو تسلّط ہو گا)۔

اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ مگر ہاں ایک تو ایسے ذریعہ کے سبب جو اللہ کی طرف سے ہے اور ایک ایسے ذریعہ سے جو آدمیوں کی طرف سے ہے۔

(اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ کا معنی صرف عبادت میں شغف ہونا ہے کہ مسلمانوں سے لڑنے وغیرہ کا قصد نہ کرے) یہ استثناء تمام حالتوں میں سے ایک خاص حالت کا ہے کہ وہ ہر حالت میں ذلیل و رسوا رہیں گے اِلّا یہ کہ وہ اللہ کے عہد کو مضبوطی سے پکڑ لیں یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُنہیں کوئی ضمانت حاصل ہو جائے یا اُس کتاب توراۃ وغیرہ پر عامل ہو جائیں جو اللہ تعالیٰ نے اُن کو دی ہے (اور وہ عمل بالقرآن کو مستلزم ہے) یا اُنہیں مسلمانوں کی طرف سے ذمہ داریٔ حفاظت وغیرہ کا معاہدہ حاصل ہو جائے یا وہ دینِ اسلام میں داخل ہو جائیں اور مسلمانوں کی راہ کی پیروی کریں (یعنی مسلمان ہو جائیں تو

Marfat.com

اُن کے حقوق بھی بعینہٖ مسلمانوں کے سے ہو جائیں گے)۔

وَ بَاءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ اور مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے۔

اور وہ اللہ کے غضب کا شکار ہو کر واپس لوٹے کیونکہ اُس کے مستحق ہو گئے تھے۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ اور جما دی گئی اُن پر پستی۔

مسکینی اُن پر اس طرح محیط ہے جس طرح خیمہ محیط ہوتا ہے اُن لوگوں پر جو اُس کے اندر بیٹھے ہوتے ہیں (تنگدستی اُن پر اپنے خیمے تانے ہے) اور (مفسرین کا بیان ہے کہ) یہود اکثر و بیشتر غربا و مساکین ہیں۔

ذٰلِكَ یہ (ذلّت و پستی وغیرہ)

یعنی ضرب ذِلّہ اور مَسکنہ اور غضب کا استحقاق۔

بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ اس وجہ سے ہوا کہ وہ لوگ منکر ہو جاتے تھے احکامِ الٰہیہ کے اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو ناحق۔

یعنی سبب یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات (کا کفر کرتے اور اُس کے احکام) نہ مانتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کرتے تھے اور بغیر حق کی قید اس لیے لگائی کہ ہو سکتا ہے وہ تو ایسا کوئی معاملہ نہ کریں جس سے وہ مستحقِ قتل ہوں کیونکہ ایسی حرکت انبیاء سے نہیں ہو سکتی مگر اُن کا قتل اُن کے دین میں بھی جائز نہ تھا۔

ذٰلِكَ (اور) یہ

(جذبۂ) کفر و قتل (کیونکر اُن میں پیدا ہوا؟)

بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ اس وجہ سے ہوا کہ ان لوگوں

Marfat.com

نے اطاعت نہ کی اور دائرہ سے نکل نکل جاتے تھے۔

وہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان تھے اور حُدودِ خداوندی سے تجاوز کرنے کے عادی ہو چکے تھے کیونکہ صغیرہ گناہوں پر اِصرار کبیرہ گناہوں تک لے جاتا ہے اور کبیرہ گناہوں کا بار بار کرنا کفر تک پہنچاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ذلّت و رسوائی اس دُنیا میں اُن پر مسلّط کی گئی اور آخرت میں اُن کے لیے غضبِ (خداوندی) لازم کیا گیا۔ یہ اُن کے کفر اور قتلِ انبیاء کا نتیجہ تھا اور یہ اُس سبب سے تھا جو وہ نافرمانی کرتے تھے اور حُدودِ خداوندی سے تجاوز کر جاتے تھے۔

لَيْسُوْا سَوَاءً ا یہ سب برابر نہیں۔

یعنی یہ سب (اہلِ کتاب) بُرائی میں برابر نہیں۔ لَيْسُوْا میں ضمیر اہلِ کتاب کی طرف لوٹتی ہے۔

مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ اِن اہلِ کتاب میں سے ایک جماعت وہ بھی ہے جو قائم ہیں۔

یہ نیا جملہ ہے جو اہلِ کتاب کی آپس میں برابری کی نفی کرتا ہے اور قَائِمَةٌ کا معنیٰ ہے سیدھی راہ چلنے والی اور انصاف پسند (جماعت) جیسے کہا جاتا ہے أَقَمْتُ الْعُوْدَ فَقَامَ (میں نے لکڑی کو سیدھا کیا اور وہ سیدھی ہو گئی) اور یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو اُن میں سے مسلمان ہو گئے۔

يَتْلُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ اٰنَاءَ الَّيْلِ وَ هُمْ يَسْجُدُوْنَ اللہ کی آیتیں اوقاتِ شب میں پڑھتے ہیں اور وہ نماز بھی پڑھتے ہیں۔

قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تہجّد (کے نوافل) میں، اسے یُوں تعبیر کیا کہ وہ رات (کی گھڑیوں) میں سجدے کرتے ہیں اور تلاوت کرتے ہیں تاکہ زیادہ

Marfat.com

واضح ہو جائے اور اُن کی تعریف میں مبالغہ کیا جائے اور کہا گیا ہے کہ اس سے نمازِ عشاء مراد ہے کیونکہ اہلِ کتاب کے ہاں عشاء کی نماز نہ تھی جیسا کہ روایت ہے کہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تأخیر فرمائی اور پھر تشریف لائے لوگ نماز کے لیے انتظار کر رہے تھے۔ فرمایا کہ جان لو کہ تمہارے سوا اس وقت میں کوئی بھی اہلِ مذہب اللہ کی عبادت نہیں کرتا۔

يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ

اللہ پر اور قیامت والے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام بتلاتے ہیں اور بُری باتوں سے روکتے ہیں اور نیک کاموں میں دَوڑتے ہیں۔

یہ "اُمَّۃٌ" کی مزید صفات ہیں جن میں اُن کی تعریف کی گئی ایسے خصائص کے ساتھ جو یہود میں نہ تھے کیونکہ وہ تو حق سے پھر گئے تھے اور رات کو عبادت نہ کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تھے، اُس کی صفات میں بھی الحاد کرتے تھے اور آخرت کے دن کو اس طرح بتاتے تھے کہ حقیقۃً اُس طرح نہیں گناہوں پر گرفت میں نرمی کرتے اور نیکی کرنے میں سُستی و غفلت سے کام لیتے تھے۔

وَأُولٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ اور یہ لوگ شائستہ لوگوں میں سے ہیں۔

یعنی یہی لوگ ایسی صفات سے متّصف ہیں کہ جن سے اُن کے اعمال اللہ تعالیٰ کے نزدیک صالح ہو گئے ہیں اور وہ اُس کی رضا اور تعریف کے مستحق ہو گئے ہیں۔

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ تُكْفَرُوهُ اور تم لوگ جو نیک کام کرو گے اُس سے محروم نہ کیے جاؤ گے۔

یعنی نہ ہی تو اُن کے وہ اعمال (بالکل) ضائع ہونگے اور نہ ہی اُن کے اجر و ثواب میں کچھ کمی کی جائے گی ضروری طور پر، جس طرح پورے پورے

اجر و ثواب دینے کو شکر سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی طرح ثواب میں کمی یا ضیاع کو 'کفر' سے تعبیر کیا اور یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے کیونکہ اس میں حرمان (محروم کرنے) کا معنی پایا جاتا ہے۔ اور حفص، حمزہ اور کسائی نے (دونوں جگہ) ضمیر غائب "وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ" پڑھا ہے اور باقی قرائے تاء سے پڑھا ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ اور اللہ تعالیٰ اہلِ تقویٰ کو خوب جانتے ہیں۔

یہ اُن کے لیے خوشخبری (بشارۃ بثلاثہ حرکات الباء) ہے اور اُنہیں جتلانا ہے کہ تقویٰ ہی ہر بھلائی اور حُسنِ عمل کی بنیاد ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہلِ تقویٰ (شرعی احتیاط کی زندگی بسر کرنے والے) ہی کامیاب ہیں۔

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا جو لوگ کافر ہے ہرگز اُن کے کام نہ آویں گے اُن کے مال اور اُن کی اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ذرا بھی۔

(شیئا من العذاب، عذاب سے) تھوڑا سا فائدہ اور بچاؤ بھی نہیں کریں گے یا شَيْئًا بمعنیٰ عَنَاءً (فائدہ) مفعول مطلق ہے کہ یہ لَنْ تُغْنِيَ کے مادّہ سے مصدر ہے۔

وَأُولٰئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ اور وہ لوگ دوزخ والے ہیں۔

وہ اس کے ساتھ لزوم رکھیں گے، جُدا نہ ہونگے، مفارقت نہ ہوگی۔

هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ وہ ہمیشہ ہمیشہ اُسی میں رہیں گے۔

مِثْلَ مَا يُنْفِقُوْنَ اُس کی حالت جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں۔

کفار جو دولت خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے تقرب کی خاطر یا ایک

Marfat.com

دوسرے پر فخر اور نیک شہرت کے لیے یا جو منافقین صَرف کرتے ہیں دکھلاوے کے لیے یا خوف سے (کہ اُن کا راز فاش نہ ہو جائے)۔

فِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَثَلِ رِیْحٍ فِیْهَا صِرٌّ

دُنیوی زندگانی میں اُس حالت کے مثل ہے کہ ایک ہوا ہو جس میں تیز سردی ہو۔

اس کا عام اطلاق تو ٹھنڈی ہوا پر ہوتا ہے جیسے صَرْصَرٌ۔ یہاں صِرٌّ أی الریح البارد ہی کافی تھا مگر ساتھ ہی رِیْحٌ کا لفظ بھی استعمال ہوا۔ اس کی دو توجیہات ہیں: ایک تو یہ کہ یہ مصدر ہے جو تاکید کی خاطر لایا گیا یا یہ کہ یہ خود صیغۂ لغت صفت ہے جسے مبالغہ کی خاطر لائے ہیں کہ شدید ٹھنڈک۔ جیسے کہا جاتا ہے بَرْدٌ بَارِدٌ (خوب ٹھنڈا)۔

أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ وہ لگ جاوے ایسے لوگوں کی کھیتی کو جنہوں نے اپنا نقصان کر رکھا ہو۔

یعنی اُنہوں نے کفر و ناشکری اور نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو۔

فَأَهْلَكَتْهُ پس وہ اُس کو برباد کر ڈالے۔

اُن کو عذاب دینے اور سزا دینے کی خاطر اُن کے کھیت کو تہس نہس کر دے۔ اور غضب و غصّے کے عالم میں خراب کرنا زیادہ شدید ہوتا ہے۔ یہاں اُن کی خرچ کردہ دولت کو کفار کی اُس کھیتی کے ساتھ تہس نہس ہونے میں تشبیہ دینا مقصود ہے جس پر ٹھنڈی (برباد کُن) ہوا چلی اور اُسے تباہ و برباد کر دیا اور اُن کے لیے کوئی مَنفعت باقی نہ رہی، دنیا میں نہ آخرت میں اور یہ تشبیہ المرکب بالمرکب کے قبیل سے ہے۔

(تشبیہ مفرد بالمفرد میں حرف تشبیہ مشبہ بہ کے ساتھ ہوتا ہے جیسے زَیْدٌ کَالْأَسَدِ مگر مرکب میں یہ ضروری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں حرف تشبیہ

Marfat.com

"کمثل" کو مشبہ بہ "حرث" کی بجائے "ریح" کے شروع میں رکھا گیا) بصورتِ دیگر یہاں ریح کے شروع میں "مُہلک" مقدر ماننا پڑے گا ای کمثلِ مُہلکِ ریحٍ اور اس صورت میں کلمہ تشبیہ مشبہ بہ کے ساتھ ہی ہوگا اور مُہلکِ ریحٍ سے حَرث ہی مقصود ہوگا۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ اور اللہ تعالیٰ نے اُن پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنے آپ کو ضرر پہنچا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان خرچ کرنے والوں پر (خواہ وہ کفار میں سے ہوں یا منافقین ریاکاروں میں سے) ظلم نہیں کیا کہ اُن کی اس خیرات وصدقہ کو ضائع کردیا بلکہ اُنہوں نے خود اپنے پر ظلم کیا ہے کیونکہ اُنہوں نے اس طریق پر خرچ ہی نہیں کیا جسے اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول کیا جاتا۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کھیتی والوں پر ظلم نہیں کیا بلکہ اُنہوں نے ایسے اعمال کا ارتکاب کیا تھا جس سے وہ اس عقوبت وانجام کے مستحق ہوئے۔

بعض نے اسے ولکنّ نون مشدّدہ پڑھا ہے اور ضمیرِ شأن محذوف قرار دی ہے یعنی اصل میں یہ تھا ولکنّہم (وہ ضمیر مذکر جس کا مرجع نہ ہو ضمیرِ شأن اور ضمیرِ مؤنث جس کا مرجع نہ ہو ضمیرِ قصہ کہلاتی ہے) مگر یہ درست نہیں کیونکہ ولکنّ پڑھنے سے ضمیرِ شأن بھی مقدر ماننا پڑے گی مگر اس کے ساتھ خبر کی بھی ضمیر ہونی چاہیے یعنی یظلمون کی بجائے یظلمونہا ہونا چاہیے تھا (کیونکہ لکنّ اسم وخبر دونوں چاہتا ہے اور لکنّ فعل تک ہی محدود ہو جاتا ہے۔ اور ضمیرِ شأن بھی مفسّر محذوف کسی ضرورت کے تحت ہوتی ہے۔ جیسے ضرورت شعری)۔ ہر حالت میں ضمائرِ شأن وقصہ محذوف نہیں ہوتیں (کہ اُن کا پتا بھی نہ چل سکے) ہاں ضرورت شعری میں ایسا ہو سکتا ہے۔ ابوالطیب

Marfat.com

نے کہا ؎ وما کنتُ ممن یدخل العشقُ قلبه
ولکنّ من یبصر جفونك یعشق

{(میں اُن لوگوں میں سے نہیں جن کے دلوں میں عشق آسانی سے راہ پاتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو تمہاری آنکھوں کو دیکھ پاتا ہے اُسے عاشق ہوئے بغیر چارہ نہیں رہتا۔) استشہاد یہ ہے کہ یہاں لکنّ کے بعد ضمیر شان محذوف مقدر ہے}

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً اے ایمان والو کسی کو صاحب خصوصیت مت بناؤ (یعنی ہمراز اور خاص امور انتظامی میں دخل دینے والا)۔

(بطانة کا معنی ہے) وَلیجة (راز دار) اور ولیجہ اُس شخص کو کہتے ہیں جسے آدمی اپنے راز اُس پر اعتماد کرتے ہوئے بتا دیتا ہے۔ بطانة (کپڑے کا استر) سے تشبیہ اُن کے قرب و اتصال کی وجہ سے دی گئی ہے۔ اسی طرح شعار سے بھی تشبیہ دی جاتی ہے جیسے آنحضور علیہ السلام نے فرمایا: اَلْاَنْصَارُ شِعَارٌ وَالنَّاسُ دِثَارٌ (یعنی انصار تو شعار کی مانند ہیں جو بدن کے ساتھ (کپڑا) لگا رہتا ہے اور باقی لوگ دثار ہیں وہ کپڑا جو بدن پر سب سے اوپر ہوتا ہے)۔

مِنْ دُوْنِكُمْ اپنے سوا۔

کُمْ سے مراد مسلمان ہیں یعنی مسلمانوں کو چھوڑ کر۔ یہ (جار مجرور) لا تتخذوا سے متعلق ہے یا بطانةً کی صفت محذوفہ (بطانة) کائنة سے متعلق ہے۔

لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے۔

اَور فساد پیدا کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے (یألون کا مادہ) اِلْوٌ بمعنی تقصیر، کمی کرنا ہے۔ اسے حرف کے ساتھ متعدی کیا جاتا ہے (اور یہاں حرف بھی نہیں اور اس کے ساتھ یہ کہ) مفعول بھی دو ہیں جیسے کہا جاتا ہے لَا اَلُوكَ نُصْحًا (میں تیری بہی خواہی میں کوتاہی نہیں کروں گا، یعنی اس کلمہ کو عربوں میں متعدی اکثر استعمال کیا جاتا ہے اور بدو مفعول) اَور اس سے معنیٰ "منع" یا "نقص" کا لیا جاتا ہے۔

وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ تمہاری مَضرّت کی تمنّا رکھتے ہیں۔

یعنی تمہاری تکلیف و مصیبت کی۔ "عَنِتَ" کا معنی سخت تکلیف و مصیبت ہوتا ہے اور یہاں "ما" مصدریہ ہے۔

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ یعنی بُغض اُن کے منہ سے ظاہر ہو پڑتا ہے۔

یعنی اُن کی باتوں سے (اُن کے سینوں کی) کینہ وری ظاہر ہے کیونکہ بغض (وعناد) کی زیادتی کی وجہ سے اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ پاتے۔

وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ اور جس قدر اُن کے دلوں میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے۔

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ ہم علامات تمہارے سامنے ظاہر کر چکے۔

جو رہنمائی کرتی ہیں ان امور پر کہ اخلاص (للہ) واجب ہے اور ایمانداروں کی دوستی لازم اور کافروں کی دشمنی ضروری۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ اگر تم عقل رکھتے ہو۔

اَور سمجھو ان باتوں کو جو تمہیں بیان کی گئیں۔ چاروں جملے (۱۔ لا یألونکم خبالا ۲۔ ودّوا ما عنتم ۳۔ قد بدت البغضاء من افواههم

Marfat.com

وما تخفی صدورھم اکبر۔ ٤۔ قد بینا لکم الآیات ان کنتم تعقلون) بطور علّت بنا بر استیناف ذکر کیے گئے ہیں۔ یا پہلے تینوں جملے بطانۃ کی صفت کے طور پر آئے ہیں اور چوتھا نیا جملہ ہے۔

ھٰاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَکُمْ ہاں تم ایسے ہو کہ اُن لوگوں سے محبّت رکھتے ہو اور یہ لوگ تم سے اَصلاً محبّت نہیں رکھتے۔

یعنی تم ہی ایسے ہو کہ کافروں کو دوست رکھنے کی غلطی کر رہے ہو تحبونھم اور لا یحبونکم بیان ہے اُن (مسلمانوں) کی غلطی کا کہ وہ اُن سے دوستی میں غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ تحبّونھم دوسری خبر ہے (أنتم مبتدا، اُولَاءِ پہلی خبر) یا یہ أولاء کی خبر ہے اور (أولاء تحبونھم) پورا جملہ أنتم کی خبر ہے جیسے تو کہتا ہے أنتَ زیدٌ تحبّہ یا تحبونھم صلہ ہے "اُولَاءِ" کا یا حال واقع ہوا ہے اور اس میں معنیٰ اشارہ عامل ہے اور "أولاء" منصوب بھی ہو سکتا ہے اس فعل کی وجہ سے جس کی تفسیر بعد کا فعل کرتا ہے اور سارا جملہ بن کر أنتم کی خبر ہے۔

وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْکِتٰبِ کُلِّہٖ حالانکہ تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔

یعنی جنسِ کتب (سماویہ) کے ساتھ (تمہارا ایمان ہے) اور یہ لا یحبونکم سے حال واقع ہوا ہے معنیٰ یہ ہوگا کہ (وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے) حالانکہ تم اُن کی کتاب کے ساتھ بھی ایمان رکھتے ہو پھر تم کیوں اُنہیں دوست رکھتے ہو حالانکہ وہ تمہاری کتاب کو بھی نہیں مانتے اور اس میں تو بیّن ہے کہ وہ زیادہ پختہ اور سخت ہیں اپنے باطل میں بہ نسبت تمہاری پختگی اور استقامت کے تمہارے ایمان میں۔

وَاِذَا لَقُوْکُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا اور یہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں کہ

Marfat.com

دیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔
منافقت کی وجہ سے اور دھوکا دینے کی غرض سے۔
وَ اِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ
اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں مارے غیظ کے۔
حسرت و افسوس کی وجہ سے کہ وہ تمہاری تشفی کی جانب راہ نہ پاسکے۔
اب وہ اپنے غصّے کی آگ میں جل رہے ہیں۔ (یہ کنایہ ہے شدتِ غضب سے جو مجبوری کے وقت ہو۔ تھانوی)
قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ آپ کہہ دیجیے کہ تم مرد ہو اپنے غصّہ میں۔
(تمہاری مراد پھر بھی پوری نہ ہوگی)
یعنی اُن کے لیے بد دُعا کیجیے کہ وہ اِسی غیظ و غضب میں جلتے رہیں دوام و زیادتی کے ساتھ جیسا کہ قوۃِ اسلام میں اور اہلِ اسلام میں اضافہ ہوتا جائے گا حتیٰ کہ وہ اسی حال میں ہلاک ہو جائیں گے۔
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ بے شک خدا تعالیٰ خوب جانتے ہیں دلوں کی باتوں کو۔
چونکہ اللہ تعالیٰ سینوں میں چھپی باتوں کو جانتا ہے لہذا اُن کے سینوں میں جو بغض و کینہ چھپا ہے اُسے بھی جانتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ بھی داخلِ مقول ہو یعنی آپ اُن سے یہ بھی فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ تو جو تم غصّے میں اُنگلیاں کاٹنے وغیرہ کو چھپاتے ہو اُس سے زیادہ مخفی باتوں سے بھی آگاہ ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ان اللہ علیم الخ خارج از مقول ہو یعنی یوں فرمایا کہ اُن سے کہہ دیجیے کہ غصّے میں مرجاؤ اور آپ میرے اُن کے رازوں پر اس مطلع کرنے کو عجیب نہ سمجھیں کہ میں تو اُن کے ضمائر میں چھپی باتوں کو بھی جانتا ہوں۔

Marfat.com

اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا اگر تمہیں کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو اُن کے لیے موجبِ رنج ہوتی ہے اور اگر تمہیں کوئی ناگوار حالت پیش آتی ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں۔

یہ اُن کی انتہا تک پہنچی ہوئی عداوت کا بیان ہے کہ جو کچھ بھلائی یا فائدہ اُن (مسلمانوں) کو پہنچتا ہے اُس پر حسد کرتے ہیں اور جو کچھ تکلیف یا مصیبت اُن کو پہنچتی ہے اُس پر خوش ہوتے ہیں اور مسّ استعارہ ہے اِصابۃ سے۔

وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا اور اگر تم استقلال اختیار کرو۔

اُن کی عداوت کے بارے میں اور (اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبادات کے) مکلّف ہونے کی مشقتوں کے بارے میں۔

وَتَتَّقُوۡا اور تقویٰ کے ساتھ رہو۔

یعنی بچتے رہو اُن (کفار، منافقین) کی دوستی سے اللہ[۲] کی حرام کردہ چیزوں سے خدا کا خوف کرتے ہوئے۔

لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـًٔا تو اُن لوگوں کی تدبیر تمہیں ذرا بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی۔

یعنی اللہ کے فضل و کرم سے تمہیں اُن کے مکر و فریب سے نقصان نہ پہنچ سکے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا وعدہ کیا ہے اُن لوگوں سے جو صبر و تقویٰ سے کام لیتے ہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ جو شخص کسی کام میں برابر مشق و کوشش کرتا رہے گا صبر و تقویٰ سے کام لے گا تو جب اُس پر کوئی تکلیف آئے گی اُس سے کم اثر پذیر ہوگا اور دشمن کے مقابلے میں جری ثابت ہوگا اور لَا يَضُرُّ میں 'راء' کا ضمہ 'ضاد' کے ضمہ کی پیروی اور ہمسائیگی کی وجہ سے آیا ہے ورنہ اصل میں

Marfat.com

یہ جواب شرط ہونے کی وجہ سے ساکن یضرُرْ تھا اور پھر مُدَّ کی طرح لَا یضُرُّ پڑھا گیا۔ (قواعد کے اعتبار سے اِسے لَا یَضُرِّ بثلاثہ الحرکات بلکہ بسکون الراء الثانیہ بھی پڑھا جاسکتا ہے) اور ابن کثیر، نافع، ابوعمرو، اور یعقوب نے اسے "لَا یَضِرْکُمْ" پڑھا ہے اس بناء پر کہ یہ ضَارَ یَضِیْرُ ضَیْرًا سے ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال۔

از قبیل صبر و تقویٰ وغیرھما پر۔

مُحِیْطٌ احاطہ رکھتے ہیں۔

یعنی اُس کا علم محیط ہے پس وہ تمہیں بدلہ دے گا جس کے تم مستحق ہو۔ اور اسے "بِمَا یَعْمَلُوْنَ" بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تمہارے ساتھ اُن کی دشمنی کو جانتا ہے پس انھیں اس پر سزا دے گا۔

وَاِذْ غَدَوْتَ اور جبکہ آپ صبح کے وقت چلے۔

یعنی اُس وقت کو یاد کیجیے۔

مِنْ اَھْلِکَ اپنے گھر سے۔

یعنی سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ سے۔

تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِیْنَ مسلمانوں کو جما رہے تھے۔

اُن کو اُن کی جگہوں میں اُتارتے تھے (TO TAKE POSITIONS) [۲] یا صفیں درست کرتے تھے یا [۳] مقامات متعین کرتے تھے۔ اور اِس کی تائید ہوتی ہے اُس قراءت سے جس میں اِسے المؤمنین کی بجائے "لِلمؤمنین" پڑھا گیا ہے۔

مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ مقامات پر مقاتلہ کرنے کے لیے۔

مقاعد سے مراد مواقف اور جگہیں (POSITIONS) ہیں اور کبھی کبھی

"مقعد" اور "مقام" دونوں جائزًا جگہ کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فِی مَقعَدِ صِدقٍ (أی فی مقامٍ صادق) اور قبلَ اَنْ تقومَ مِن مقامِكَ (أی قبل ان تقوم من مكانك و تتركَهٗ) وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ اور اللہ تعالیٰ سب سُن رہے تھے۔

تمہاری باتوں کو۔

عَلِيْمٌ سب جان رہے تھے۔

تمہاری نیّتوں کو۔

منقول ہے کہ مشرکین نے ۱۲ شوال ۳ھ بروز بُدھ اُحُد کے پاس پڑاؤ ڈالا تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مشورہ کیا اور اس موقع پر عبداللہ بن اُبَیّ بن سَلول کو بھی بلایا حالانکہ اس سے پہلے کبھی اُسے (مشورہ کے لیے) نہ بلایا تھا۔ تو اُس نے اور انصار کی اکثریت نے یہ مشورہ دیا کہ حضور! آپ مدینہ میں ہی قیام رکھیں اور (اُن سے قتال کے لیے) مدینہ سے باہر نہ نکلیں۔ بخدا ماضی اس بات کی شاہد ہے کہ جب کبھی ہم دشمن سے مقابلہ کے مدینہ سے باہر نکلے ہیں دشمن ہم پر فتحمند ہوئے ہے اور جب ہم مدینہ میں ہی رہے اور دشمن (لڑنے کے لیے) یہاں داخل ہوا تو ہم ہی اُس پر غالب آئے۔ اور (یہ تو جاہلیت کے زمانے کی باتیں ہیں اور) اب تو آپ بھی ہمارے میں تشریف فرما ہیں لہذا آپ اُن (اُحد والوں) کو چھوڑ دیجیے اگر وہ (وہیں) ٹھہرے رہے تو ایک بُرے قید خانے میں ٹھہرے رہیں گے اور اگر وہ (یہاں) داخل ہوئے تو مرد اُن سے جنگ کریں گے اور عورتیں اور بچے اُنہیں پتھر ماریں گے۔ اور اگر وہیں سے واپس لوٹ گئے تو ناکام و نامراد واپس لوٹیں گے۔ بعض نے مشورہ دیا کہ (مدینہ میں ٹھہرنا ٹھیک نہیں) باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے۔

Marfat.com

تو آپ نے فرمایا: مَیں نے خواب میں کچھ گایاں اپنے گرد ذبح ہوتے دیکھی ہیں تو مَیں نے اُس کی تعبیر کی ہے کہ بھلائی ہے (شہادت کا مرتبہ حاصل ہوگا) اور میں نے اپنی تلوار کی دھار میں کچھ شکستگی دیکھی ہے تو میں نے اس کی تأویل ہزیمت کی ہے۔ پھر میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط زِرہ میں ڈالا ہے تو میں نے اس کی تأویل مدینہ (کو واپسی) کی ہے۔ اب اگر تمہاری رائے ہو کہ ہم مدینہ میں رہیں اور اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دیں (تو اچھا ہے) اس پر بعض لوگوں نے، جو غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور آگے چل کر غزوۂ اُحُد میں اللہ تعالیٰ نے اُنہیں شہادت کا مرتبہ بخشا، کہا: "حضور ہمیں دشمن کے مقابلہ میں لے چلیے" اور اُنہوں نے اِصرار کیا اس پر آپ (گھر میں) داخل ہوئے اور ہتھیار پہن لیے جب (اصرار کرنے والے) لوگوں نے یہ دیکھا تو اپنے اِصرار پر نادم ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جو آپ نے خود سوچا ہے وہی کریں۔ اس پر آپ نے فرمایا: کسی پیغمبر کو یہ لائق نہیں کہ وہ ہتھیار پہن لے اور پھر لڑے بغیر اُنھیں اُتار دے۔ پھر آپ نے نماز جمعہ ادا کی اور ہفتہ کی صُبح اُحُد کی گھاٹی میں پہنچے اور وادی کی ایک جانب پڑاؤ کیا اور اپنی اور لشکر کی پُشت پر اُحد پہاڑ کو رکھا اور صفیں درست کیں۔ تیراندازوں پر عبداللہ بن جُبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مأمور فرمایا اور حکم دیا کہ تم تیراندازی سے ہمارا دفاع کرو البتہ ہو کہ (ہم آگے اُن سے مصروفِ جنگ و جدال ہوں اور) وہ پیچھے سے چھپ کر ہم پر حملہ کر دیں۔

إِذْ هَمَّتْ جب دل میں خیال کیا۔

سَمِيعٌ عَلِيمٌ سے متعلق ہے یا إِذْ غَدَوْتَ سے بدل ہے۔

طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ تم میں سے دو جماعتوں نے۔

Marfat.com

قبیلہ خزرج میں سے بنو سلمۃ اور قبیلہ اوس میں سے بنی حارثہ اور یہ دونوں لشکر کے دو بازو تھے۔

اَنْ تَفْشَلَا یہ کہ ہمت ہار دیں۔

اُنہوں نے بُزدلی اور کمزوری کا مظاہرہ کرنا چاہا — روایت ہے کہ حضور علیہ السلام تقریباً ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے اور اُن سے وعدہ فرمایا کہ اگر وہ صبر سے کام لیں گے تو فتح و نصرت ان کی ہوگی۔ پھر جب وہ بمقام شوط (ایک باغ کا نام) پہنچے تو عبداللہ بن اُبیّ تین سَو آدمی لے کر جُدا ہو گیا اور کہنے لگا کہ کس بل بوتے پر ہم اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو کٹوائیں۔ عمرو بن حزم انصاری اُن کے پیچھے گئے اور کہا کہ میں تمہیں تمہارے پیغمبر کے متعلق اور تمہاری جانوں کے متعلق اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اور دینِ اسلام کا واسطہ دیتا ہوں (جو تم نے اختیار کیا ہے) تو عبداللہ بن اُبیّ نے کہا: اگر ہم جنگ کرنا جانتے ہوتے (یا یوں کہا کہ اگر ہم یہ جانتے کہ اسے جنگ کا نام دیا جا سکتا ہے) تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ اس موقع پر ان دونوں قبیلوں نے ارادہ کیا کہ اُس (عبداللہ بن ابی) کا ساتھ دیں مگر اللہ تعالیٰ نے اُنہیں (اس غلطی کے ارتکاب سے) محفوظ رکھا اور وہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمرکاب رہے۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنہوں نے اِس (واپسی کے ارادے) پر پختگی اختیار نہ کی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا اور اللہ تعالیٰ تو ان دونوں جماعتوں کا مددگار تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کو اِس بات سے جو اُن کے دل میں کھٹکی تھی محفوظ رکھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی ہو اور اللہ تعالیٰ اُن کا مددگار تھا تو کیوں وہ بُزدلی کا مظاہرہ کرتے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ کرتے۔ (صحابہ کرام

Marfat.com

پر خدا تعالیٰ کی کیسی عنایت تھی کہ بیانِ جُرم کے ساتھ اُنہیں بشارتِ ولایتِ خاصّہ بھی سُنادی۔ تھانوی)

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اور پس مسلمانوں کو تو اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد کرنا چاہیے۔

یعنی اُنہیں چاہیے کہ تنہا اُسی پر بھروسہ کریں اور اُس کے سوا کسی اَور پر بھروسہ نہ کریں۔ (غیر پر بھروسہ کرنے سے وہ اپنا مدد کا ہاتھ اُٹھا لیتا ہے۔ اور جب تنہا اُسی سے امداد چاہی جائے تو) وہ مددگار بن جاتا ہے جس طرح وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ یہ بات محقّق ہے کہ حق تعالیٰ نے تمہیں بدر میں منصور فرمایا۔

یہاں بعض اُن اُمور کا یاد دلانا مقصود ہے جن میں توکّل اُنہیں مفید ثابت ہوا تھا۔ اَور بدر مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک چشمے کا نام تھا جو بدر نامی ایک شخص کی ملکیت تھا، بعد میں اُس چشمے کا نام بھی بدر پڑ گیا۔

وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ حالانکہ تم بے سروسامان تھے۔

نَصَرَكُمْ کی ضمیر منصوب سے حال ہے اور یہاں اَذِلَّة جمع قلت کا وزن لایا گیا ذلائل جمع کثرت کا وزن نہیں لایا گیا (حالانکہ وہ تعداد میں تین سَو سے اوپر تھے) اس سے اُنہیں یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ ذلت کے ساتھ ساتھ قلّت کا شکار بھی تھے کیونکہ اُن کا حال بہت پتلا تھا، اُن کے پاس سواریوں اور اسلحہ کی (حد درجہ) کمی تھی۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔

اَور ثابت قدم رہو۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تاکہ تم شکرگزار رہو۔

Marfat.com

شاید[1] کہ تقویٰ کی وجہ سے تم اللہ تعالیٰ کے انعامات از قبیلِ نصرت وغیرہ جو اس نے تم پر کیے ہیں شکریہ ادا کر سکو۔ یا[2] یہ کہ شاید اللہ تعالیٰ تم پر انعام فرمائے اور اُس کی وجہ سے تم اُس کا شکر ادا کرو۔ (گویا فرمایا فاتقوا اللہ لعلکم تُنعَمُون فتشکرون) اور شکر کو انعام کی جگہ رکھا کیونکہ انعام شکر کا سبب ہے (سبب کو ہٹا کر مُسبَّب کو رکھ دیا)۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ جبکہ آپ مسلمانوں سے فرما رہے تھے۔

یہ[1] نَصَرَكُمْ کا ظرف ہے (یعنی یہ اُس وقت کی بات ہے نصرت وغیرہ جب آپ مومنین سے فرما رہے تھے۔ اس میں دو صورتیں ہیں کہ یہ نصرت غزوۂ بدر کے متعلق ہو، یا غزوۂ اُحد کے بارے میں ہو) ہو[2] سکتا ہے یہ اِذْ غَدَوْتَ، سے بدلِ ثانی ہو اس بنا پر کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ اُحد کے دن واقع ہوا اور یہ قول صبر اور مخالفتِ احکام سے بچنے کے ساتھ مشروط تھا، تو جب وہ غنیمتوں کے بارے میں صبر کا مظاہرہ نہ کر سکے اور احکامِ رسول علیہ السلام کی مخالفت کر بیٹھے فرشتے امداد کے لیے نازل نہ ہوئے۔

أَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ أَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ کیا تمہیں یہ امر کافی نہ ہوگا کہ تمہارا رب تمہاری امداد کرے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ جو اُتارے جاویں گے۔

{ یہ اُس وقت کی بات ہے کہ جب آپ فرما رہے تھے کیا تمہارے لیے تین ہزار نازل کردہ فرشتے کافی نہ رہیں گے یعنی غزوۂ بدر میں ـــــ یا غزوۂ اُحد کے موقع پر جب آپ نے مسلمانوں کو پوزیشن دے دی۔ } یہ انکار ہے کافی نہ ہونے کا یعنی کافی ہونگے اور پھر حرفِ تاکید برائے نفی لایا گیا۔ اس لیے کہ یہ لوگ فتح و نصرت سے کچھ مایوس سے تھے بسبب اپنی کمزوری اور قلت کے

Marfat.com

اور دشمن کے قوی اور کثیر ہونے کے۔ کہا گیا ہے کہ غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک ہزار فرشتوں سے امداد فرمائی پھر وہ تین ہزار ہو گئے اور پھر پانچ ہزار کی تعداد کو پہنچ گئے۔

اور ابن عامر نے اسے مُنَزَّلِینَ تشدید سے پڑھا ہے کہ اس سے تکثیر یا تدریج مُراد ہے (جو باب تفعیل کا خاصہ ہے)۔

بَلٰی ہاں، کیوں نہیں۔

بَلٰی اثباتی جواب ہے اَلَنْ یکفیکم کا یعنی بَلٰی یکفیکم پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو صبر و تقویٰ کی شرط پر اور زیادہ امداد کا وعدہ فرمایا تاکہ اُنہیں صبر و تقویٰ پر ترغیب دلائی جائے اور اُن کے دلوں کو مضبوط کیا جائے لہٰذا فرمایا

اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْکُمْ اگر تم مستقل رہو گے اور متقی رہو گے اور وہ لوگ تم پر آ پہنچیں گے۔

یاْتوکم میں ضمیر فاعل سے مشرکین مُراد ہیں۔

مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا ایک دم سے۔

یعنی اِسی گھڑی اور یہ 'فَوْر' مصدر ہے فَارَتِ الْقِدْرُ سے جب ہنڈیا جوش میں آجائے پھر اُسے سُرعت کے لیے اِستعارۃً استعمال کر لیا گیا۔ محاورے میں اس کا اِطلاق اُس حالت کے لیے کیا جاتا ہے جس میں کوئی مہلت اور ڈھیل نہ ہو۔ معنیٰ یہ ہے کہ وہ تم پر اِسی وقت دھاوا بول دیں۔

یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُسَوِّمِیْنَ تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو کہ ایک خاص وضع بنائے ہوئے ہوں گے۔

Marfat.com

جونہی وہ (مشرکین) تم پر حملہ کریں بغیر کسی مہلت اور تاخیر کے تمہارا پروردگار تمہاری مدد کو فرشتے بھیج دے گا۔ مُسَوِّمِین[1] کا معنیٰ ہے معلمین یعنی علامت والے ہوں گے۔ یہ تسویم سے ہے جس کا معنیٰ ہے کسی چیز کی علامت کا ظاہر کر دینا جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام سے فرمایا "تَسَوَّمُوْا فَاِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ قَدْ تَسَوَّمَتْ" (تم بھی نشان لگا لو کیونکہ فرشتوں نے بھی نشان لگا لیے ہیں) یا[2] تسویم کا معنیٰ اِسامہ کی طرح چھوڑے ہوئے ہے۔ اور ابنِ کثیر اور ابوعمرو اور عاصم اور یعقوب نے واؤ کے کسرہ سے (مُسَوِّمِیْنَ) پڑھا ہے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اِس لیے کی۔

یعنی تمہاری امداد جو اللہ نے فرشتوں سے کی ہے۔

اِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ تاکہ تمہارے لیے بشارت ہو۔

یعنی تمہیں اِمداد کی بشارت کی غرض سے۔

وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ اور تاکہ تمہارے دِلوں کو قرار ہو جاوے۔

یعنی خوف سے (تمہارے دلوں کو) کچھ سکون حاصل ہو۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور نُصرت صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

یاد رکھو کہ فتح نہ تعداد کی کثرت سے ہوتی ہے نہ ہتھیاروں کی زیادتی سے (اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جب انسانوں کے ساتھ فرشتے بھی شریکِ جنگ ہو جائیں تو فتح حاصل ہو جائے) بلکہ یہ بھی ضرورت نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیجے (وہ بغیر اس کے بھی فتح و نصرت عطا فرما سکتا ہے۔) تاہم اس نے فرشتے

آؤ یکبستیم : اُن کو ذلیل و خوار کر دے۔

اِیمنی اس سے دوسرا مضمون اُن کی سوال کا ہو سکتا ہے اور کبھی

شدت غیظ یا کراہت کو کہتے ہیں جو دل میں بڑھ جائے اور یہاں کلمہ "آؤ"

تحویل کے لیے آیا ہے (کہ کبھی یہ کبھی وہ) تردید کے لیے نہیں (کہ ایک وجود

Marfat.com

ہو دوسرے کا نہیں)۔
فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ پھر وہ ناکام لوٹ جاویں۔
(ایسی حالت میں شکست خوردہ) واپس لوٹیں کہ اُن کی آرزوئیں شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکی ہوں۔
لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ آپ کو کوئی دخل نہیں۔
یہ جملہ معترضہ ہے۔
أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ یہانتک کہ خُدا تعالیٰ اُن پر یا تو متوجہ ہو جاویں اَور یا اُن کو کوئی سزا دے دیں۔
أَوْ يَكْبِتَهُمْ پر معطوف ہے اور معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اُن کے معاملہ کا مالک ہے چاہے تو اُنہیں ہلاک کرے اور چاہے ذلیل و رُسوا کرے یا (اُنہیں توفیقِ اسلام دے کر اُن کی) توبہ قبول کرے یا (اُن کی توبہ قبول نہ کرے یا توفیق ہی توبہ کی نہ دے اَور) اُنہیں عذاب دے، بصورتے کہ وہ کفر و عصیان پر اصرار کریں۔ اور لَيْسَ لَكَ مِنَ الامر شَيْءٌ کا معنی یہ ہے کہ آپ تو ایک بندہ ہیں جو اُن کے ڈرانے اور (بصورت نہ ماننے کے) اُن سے جہاد کے لیے مامور کیے گئے ہیں۔ یا یہ معطوف ہے الامرِ پر یا شَيْءٌ پر اَور اِن دونوں صورتوں میں يَتُوبَ اَور يُعَذِّبَ سے پہلے أَنْ (مصدریّہ) مقدر ماننا پڑے گا (یعنی اِسمیّہ کا عطف اِسمیّہ پر ہوگا اور اس طرح لَيْسَ لَكَ من الامر شَيْءٌ جملہ معترضہ نہیں ہوگا)۔ پھر جب ہم "الامر" پر معطوف قرار دیں تو تقدیرِ عبارت یوں ہوگی لَيْسَ لَكَ من امرِهم أَوْ مِنَ التَّوْبَةِ عَلَيْهِم أو من تعذيبهم شَيْءٌ (آپ کو اُن کے معاملے میں یا اُن کی توبہ قبول کرنے میں یا اُن کو عذاب دینے میں کسی بات کا اختیار نہیں) اور جب ہم اسے

Marfat.com

"شَیْءٌ" پر معطوف قرار دیں گے تو تقدیر عبارت یوں ہوگی: لیس لك من اَمرهم شَیْءٌ أَو التوبةُ علیهم أو تعذیبُهم (آپ کو ان کے معاملے میں نہ کسی بات کا اختیار ہے نہ اُن کی توبہ قبول کرنا اور نہ اُن کو عذاب دینا) یا یہ کہ أَوْ بمعنی إلاَّ أَنْ کے ہو یعنی یہ کہ آپ کو اُن کے معاملے میں کوئی اختیار نہیں إلاّ یہ کہ اللہ تعالیٰ اُن کی توبہ قبول کرے اور آپ اس سے خوش ہو جائیں یا اُنہیں عذاب دے اور آپ اُن سے خلاصی پا جائیں۔

شانِ نزول: روایت ہے کہ عتبہ بن ابی وقاص نے جنگِ اُحد میں آپ کے سر مبارک پر چوٹ لگائی جس سے آپ کے سامنے کے دانت شہید ہو گئے، آپ اپنے چہرے سے خون پونچھتے تھے اور فرماتے تھے: کَیْفَ یُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوا وَجْهَ نَبِیِّهِمْ بِالدَّمِ (وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو لہولہان کر دیا) اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اُن کو بد دعا کرنے کا ارادہ فرمایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی وجہ سے حضور علیہ السلام کو اس ارادے سے منع فرمایا کہ (آگے چل کر) اُنہی میں سے ایمان لانے والے ہوں گے۔

فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ بے شک وہ ظلم بھی بڑا کر رہے ہیں۔
وہ اپنے ظلم کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے۔
ہر چیز خَلقاً و ملکاً اللہ ہی کی ہے (اُسی نے پیدا کی ہے وہی مالک ہے) جب وہ مالک ہے تو تمام اختیار بھی اُسی کا ہے آپ کا کوئی اختیار نہیں۔

یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وہ جس کو چاہیں

Marfat.com

بخش دیں اور جس کو چاہیں عذاب دیں۔

آیت کے اس ٹکڑے سے عذاب کے واجب ہونے کی نفی کی صراحت ہوتی ہے (یعنی اللہ چاہے گا تو معاف بھی کر دے گا اور سزا نہ دے گا) اور اس میں توبہ کرنے، نہ کرنے کی قید سے بھی نفی کی صراحت ہے (یعنی اُس کا اختیار لامحدود ہے لمن یشاء فرمایا کہ جسے چاہے توبہ کی ہو، نہ کی ہو بخش دے اور جسے چاہے پکڑ لے وہ مالک ہے ۱۲)۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ تو بڑے مغفرت کرنے والے بڑے رحمت کرنے والے ہیں۔

اپنے بندوں پر، آپ اُن کے لیے بد دعا کرنے میں جلدی نہ کریں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا أَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً اے ایمان والو! سُود مت کھاؤ (یعنی نہ تو اصل سے) کئی حصے زائد (کرکے)۔

(یہاں کئی حصّے سود کے حرام ہونے کی قید نہیں کیونکہ سود قلیل و کثیر سب حرام ہے ۱۲) یعنی سُود کو (چند در چند) اضافوں کے ساتھ دوگنا چوگنا کرکے نہ کھاؤ اور یہ تخصیص (أضعافًا مضاعفةً) باعتبارِ واقع ہے کہ (اُس وقت سُود در سُود جاری تھا) ایک شخص مقررہ مدت تک سُود پر قرض دیتا تھا پھر اُس میں اضافے کرتا جاتا تھا حتیٰ کہ تھوڑے سے قرض میں مقروض کا تمام مال و زر ختم ہو جاتا تھا۔ اور ابن کثیر، ابن عامر اور یعقوب نے (مضاعفةً کو باب تفعیل سے) مضعّفةً پڑھا ہے۔ {سود مرکب کو زیادہ بُرا کہہ کر کھانے سے منع فرمایا۔ اس سے یہ نہیں نکلتا کہ سود مفرد جائز ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں بھائی کا قتل یا قتلِ اولاد حرام ہے یعنی قتل تو اصلاً بُرا ہے تو قتل الأخ اس سے بھی زیادہ بُرا ہوگا۔}

Marfat.com

وَاتَّقُوا اللّٰہَ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

اُن امور کے بارے میں جن سے تمہیں روکا گیا ہے۔

لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ امید ہے کہ تم کامیاب ہو گے۔

یعنی اللہ تعالیٰ سے فلاح کی امید رکھتے ہوئے اس سے ڈرتے رہو۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

(آگ سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ) کفار کی پیروی کرنے اور اُن کے جیسے افعال سے بچتے رہو۔ اور اس میں اس بات سے آگاہ کرنا مقصود ہے کہ نار (جہنم) اگرچہ کافروں کے لیے ہی تیار کی گئی ہے مگر بالعرض (ضمنی طور پر ——— آس میں نافرمان مسلمانوں کو بھی بھیجا جا سکتا ہے۔

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ اور خوشی سے کہنا مانو اللہ تعالیٰ کا اور رسول کا امید ہے کہ تم رحم کیے جاؤ گے۔

وعید جہنم کے بعد امید رحمت کا ذکر فرمایا کہ اس سے مخالفین احکام سے ڈرانا اور فرمانبرداری کی رغبت دلانا مقصود ہے۔ اور ایسے مواقع پر لَعَلَّ اور عَسٰی کا لایا جانا اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ اُس بات (یعنی رحمت) تک پہنچنا بہت مشکل کام ہے جو لَعَلَّ کی خبر ہے۔

وَسَارِعُوْٓا اور دوڑو۔

جلدی کرو اور آگے بڑھو۔

اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ طرف مغفرت کے جو تمہارے پروردگار کی جانب سے ہے۔

یعنی ایسے امور کی طرف جلدی کرو جو مغفرت کا مستحق بناتے ہیں جیسے

Marfat.com

(کفر سے) اسلام اور (گناہ سے) توبہ اور (شر اور ریا چھوڑ کر اعمال میں) اخلاص اختیار کرنا ـــــ اور نافع اور ابن عامر نے سَارِعُوْا سے پہلے واؤ نہیں پڑھی۔

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ اور طرف جنت کے جس کی وسعت ایسی ہے جیسے سب آسمان اور زمین۔

یعنی جنت کا عرض ان دونوں کے عرض کی طرح ہے اور یہاں عرض کو ذکر کیا اُس کی فراخی کے وصف میں مبالغہ کی خاطر اور عرضِ سموات وارض کو اُس کا مثیل قرار دیا طول کو نہیں (کہ جب جنت کا عرض ناپنے کے لیے زمین و آسمان پیمانہ ہوا تو اُس کا طول ناپنے کا کوئی پیمانہ ہی نہیں۔) اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جنت کا عرض ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ہیں جبکہ اُنہیں ایک ایک کرکے ایک دوسرے کے ساتھ رکھ دیا جائے۔ (فسبحان الخالق العظیم)۔

أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ وہ تیار کی گئی ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لیے۔

جنت اُن کے لیے تیار کی جاچکی ہے (بصیغہ ماضی) اور اس میں دلیل ہے کہ جنت مخلوق ہے اور یہ بھی کہ وہ اس عالم سے خارج ہے (لِأَنَّ الصَّغِيْرَ لَا يَسَعُ الْكَبِيْرَ بڑی چیز چھوٹی میں نہیں سما سکتی)

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ ایسے لوگ جو کہ خرچ کرتے ہیں۔

یہ[1] متقین کی صفت مادحہ ہے (اور اس صورت میں مجرور ہوگی) یا[2] مدح منصوب ہے (جبکہ أَمْدَحُ محذوف مقدر مانا جائے) یا[3] (خبر ہے مبتدا محذوف هُمْ کی اور) مرفوع ہے۔

فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ فراغت میں اور تنگی میں۔

Marfat.com

یعنی دونوں حالتوں میں خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں بھی اور تنگ دستی میں بھی۔ یا یہ کہ ہر حال میں خرچ کرتے ہیں کیونکہ انسان ہمیشہ مسرّت یا مضرّت (دو میں سے ایک حال) میں ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ وہ کسی حال میں بھی مقدور بھر چیز تھوڑی ہو یا زیادہ خرچ کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے۔

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ اور غصّے کے ضبط کرنے والے ہیں۔

یعنی روکنے والے ہیں اپنے غصّے کو باوجود قدرت رکھنے کے (محاورہ ہے کظمتُ القِرْبَةَ اِذَا مَلَئْتَهَا یعنی) جب آپ مشکیزہ کو پانی وغیرہ سے بھر لیتے ہیں اور اُسے تسمے وغیرہ سے باندھ دیتے ہیں تو کہتے ہیں کَظَمْتُ الْقِرْبَةَ اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى اِنْفَاذِهٖ مَلَأَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ اَمْنًا وَاِيْمَانًا (یعنی جو شخص غصہ پی جائے باوجودیکہ وہ اُسے پورا کرنے کی قدرت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے دل کو امن و ایمان سے بھر دے گا۔)

وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں۔

(یعنی یہ لوگ درگزر سے کام لیتے ہیں اور) اُس شخص کی سزا کو بھی چھوڑ دیتے ہیں جو اُن سے مواخذہ کرنے کا حق اُنہیں پہنچتا تھا اور آنحضور علیہ الصلوٰۃ نے فرمایا: "هٰؤُلَاءِ فِيْ اُمَّتِيْ قَلِيْلٌ اِلَّا مَنْ عَصَمَ اللّٰهُ وَقَدْ كَانُوْا كَثِيْرًا فِي الْاُمَمِ الَّتِيْ مَضَتْ" (یعنی ایسے لوگ میری اُمت میں تھوڑے ہیں جنہیں اللہ محفوظ رکھے اور پہلی امتوں میں یہ زیادہ تھے۔ مگر فضیلت جزئی فضیلت کلی کے منافی نہیں)۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اور اللہ تعالیٰ اپنے نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

Marfat.com

المحسنین میں لام جنس کا بھی ہو سکتا ہے یعنی تمام احسان کرنے والے اور اُن کے تحت مذکورہ بالا محسنین بھی آجائیں گے اور لام عہد کا بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح صرف محسنین مذکور ہی مُراد ہونگے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اور ایسے لوگ کہ جب کوئی ایسا کام کر گزرتے ہیں جس میں زیادتی ہو۔

بد درجہ برا کام جیسے زنا۔

اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یا اپنی ذات پر ظلم اُٹھاتے ہیں

یعنی اُنہوں نے کوئی سا گناہ کیا ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ الفاحشۃ سے مراد گناہِ کبیرہ ہے اور ظلم النفس سے گناہِ صغیرہ۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الفاحشۃ اُس گناہ کو کہا گیا ہو جو متعدی (اثر رکھتا) ہو اور ظلم النفس وہ گناہ جو اپنا ہو (بلکہ اپنی ذات تک محدود ہو)۔

ذَكَرُوا اللّٰهَ تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیتے ہیں۔

وہ اللہ تعالیٰ کے وعدۂ عذاب کو یاد کرتے ہیں یا (مطلقاً) اُس کے احکام کو یاد کرتے ہیں یا اُس کے حقوقِ عظیمہ کو یاد کرتے ہیں۔

فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں۔

نادم و پشیمان ہوتے ہیں اور توبہ کر لیتے ہیں۔

وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو۔

یہ مفہوم انکاری ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے جو دو عطفی جملوں کے درمیان واقع ہوا ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت کی فراخی اور اُس کی بخشش

Marfat.com

کے عموم کا بیان ہے اور استغفار پر اُبھارنا مقصود ہے اور قبولِ توبہ کا وعدہ دیا گیا ہے۔

وَلَمْ يُصِرُّوا عَلٰى مَا فَعَلُوا اور وہ لوگ اپنے فعل پر اصرار نہیں کرتے۔

یعنی وہ اپنے گناہوں پر اڑے نہیں رہتے بلکہ معافی مانگ لیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضور علیہ السلام نے فرمایا: مَا أَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَإِنْ عَادَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً (جس نے معافی مانگ لی اُس نے اصرار نہیں کیا اگرچہ اُس نے وہ فعل دن میں ستر بار کیا ہو)۔

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ جبکہ وہ جانتے ہوں۔

یہ وَلَمْ يُصِرُّوا سے حال واقع ہوا ہے یعنی وہ اپنے فعلِ قبیح پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے۔

أُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ان لوگوں کی جزا بخشش ہے ان کے رب کی طرف سے اور ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور یہ ہمیشہ ہمیشہ اُن ہی میں رہیں گے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا ..... کی خبر ہے بشرطیکہ اُسے مبتدا قرار دیا جائے یا جملہ مستانفہ ہے جو ماقبل کی وضاحت کرتا ہے بشرطیکہ اسے أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ پر یا الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ پر معطوف قرار دیا جائے۔ اور یہ جو فرمایا کہ جنت متقین و تائبین کے لیے جزا کے طور پر تیار کی گئی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مُصِرُّوْن (گناہوں پر اصرار کرنے والے) وہاں داخل نہیں ہوں گے جیسا کہ کافرین کے لیے اُن کی جزا کے طور پر جہنم تیار کرنے سے یہ

لازم نہیں آتا کہ غیر کا فر اُس میں داخل نہیں ہونگے۔

اور جَنّٰتٍ کو نکرہ لایا گیا پہلی صورت میں کہ یہ خبر ہو الّذین کی — اس سے دلیل ملتی ہے کہ جو کچھ اُن (تائبین) کے واسطے ہے وہ اُس سے کمتر ہے جو گزشتہ آیۃ میں مذکورہ صدر صفات سے متصف متقین کے لیے ہے اور تیرے لیے دلیلِ فارق دونوں میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی صفت میں الگ آیات نازل فرمائیں کہ وہ محسنین ہیں جو اللہ تعالیٰ کی محبت کو لازم پاتے ہیں اور یہ اس لیے ہے کہ اُنہوں نے حُدودِ شرعیہ پر محافظت کی اور مکارمِ اسلام میں خصوصیت حاصل کی اور تائبین و مستغفرین کے لیے جداگانہ آیۃ میں تفصیل دے دی، چنانچہ فرمایا

وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ اور یہ اچھا حق الخدمت ہے اِن کام کرنے والوں کا۔

(اِن آیتوں میں دو درجوں کے مسلمانوں کا بیان ہے: ایک اعلیٰ درجہ کے، ایک اُن سے کم، اور خُدا سے ڈرنے والوں میں سب آگئے کیونکہ توبہ بھی خدا کے ڈر ہی سے ہوتی ہے۔ ۱۲ حاشیہ تھانوی)

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ سُنَنٌ بالتحقیق تم سے قبل مختلف طُرُق گزر چکے ہیں۔

ایسے واقعات جو اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والی اُمتوں میں دکھائے جیسا کہ فرمایا: وَقٰتَلُوْا تَقْتِیْلًا سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ اور وہ قتل کیے گئے خوب قتل کرنا (اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے) یہ طریقہ رہا اللہ تعالیٰ کا اُن لوگوں میں جو (تم سے) پہلے گزرے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ سُنَنٌ بمعنیٰ اُمَمٌ ہے جیسے شاعر نے کہا ہے ؎

مَا عَایَنَ النَّاسُ مِنْ فَضْلٍ کَفَضْلِکُمْ
وَلَا رَأَوْا مِثْلَهٗ فِیْ سَالِفِ السُّنَنِ

Marfat.com

(لوگوں نے کسی بزرگی و شرافت کا مشاہدہ نہیں کیا جو تمہاری بزرگی کے مانند ہو سکے (اور یہ تو اس زمانے کی بات ہے) وہ ایسی بزرگی گزشتہ امتوں میں بھی نہ دیکھ پائے تھے؟) یہاں سُنَن بمعنی اُمَم استعمال ہوا ہے۔

فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ تو تم روئے زمین پر چلو پھرو اور دیکھ لو کہ آخر انجام تکذیب کرنے والوں کا کیسا ہوا۔

تاکہ تم اُن کے ہلاک ہونے کے آثار دیکھ کر عبرت حاصل کرو۔

هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ یہ بیان کافی ہے تمام لوگوں کے لیے اور ہدایت اور نصیحت ہے خاص خدا سے ڈرنے والوں کے لیے۔

یہ اشارہ ہے[1] قَدْ خَلَتْ کی طرف یا[2] فَانْظُرُوا کے مفہوم کی طرف یعنی یہ مکذبین کے لیے بیان ہونے کے ساتھ ساتھ متقین کے لیے زیادتی بصیرۃ اور نصیحت (کا باعث بھی) ہے۔ یا[3] هَٰذَا سے اشارہ اُس بیان کی طرف ہے جو متقین اور تائبین کا خلاصۃً مذکور ہوا اور قَدْ خَلَتْ جملہ معترضہ ہے جو ایمان اور توبہ پر ترغیب کی غرض سے ذکر کیا گیا ہے اور[4] یہ بھی کہا گیا ہے کہ هَٰذَا سے قرآن شریف کی طرف اشارہ ہے)۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو۔

غزوۂ اُحد میں جو اُنہیں تکلیف پہنچی اُس سے تسلی دلانا مقصود ہے اور معنی یہ ہے کہ بوجہ اُس مصیبت کے جو تمہیں پہنچی جہاد سے کمزور نہ پڑ جانا اور جو تم میں قتل ہوئے ہیں اُن پر (زیادہ) غمگین نہ ہو جانا۔

وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ اور غالب تم ہی رہو گے۔

Marfat.com

یعنی[1] حال یہ ہے کہ تم اُن سے بلند شان کے مالک ہو کیونکہ تم حق پر ہو، تمہارا قتال اللہ کے لیے ہے اور تمہارے مقتولین جنّت میں ہیں اور وہ (کفار) تو باطل پر ہیں، اُن کا قتال شیطان کے لیے ہے اور اُن کے مقتولین جہنم میں ہیں۔
یا[2] تم اس لحاظ سے اُن سے بلند و برتر ہو کہ تم نے غزوۂ بدر میں جو اُنہیں نقصان پہنچایا تھا وہ اِس سے زیادہ تھا جو اُنہوں نے آج تمہیں پہنچایا ہے۔ یا[3] یہ کہ تم اُن سے اعلیٰ مرتبہ رکھتے ہو انجام کے لحاظ سے، اس صورت میں گویا اُنہیں نصرت و غلبہ کی بشارت دی گئی۔

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ بشرطیکہ تم پورے مؤمن رہو۔

یہ[1] نہی یعنی لَا تَهِنُوا سے متعلق ہے۔ معنیٰ یہ ہوگا کہ اگر تمہارا ایمان صحیح ہے تو کمزوری نہ دکھاؤ کیونکہ دل کی قوۃ اللہ تعالیٰ پر بھروسے کی مقتضی ہے۔ یا[2] الاعلون سے متعلق ہے۔

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ اگر تم کو زخم پہنچا ہے تو اس قوم کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے۔

حمزہ، کسائی اور ابن عیاش نے بروایت عاصم ضمّ قاف سے (قُرْحٌ) پڑھا ہے اور باقی قرّاء نے فتح قاف سے (قَرْحٌ) پڑھا ہے اور[1] یہ دونوں بولیاں ہیں جیسے الضَّعف اور الضُّعف۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قَرْحٌ کا معنیٰ ہے زخم وغیرہ اور قُرْحٌ سے زخم کی (جو) درد و تکلیف (ہوتی ہے وہ مُراد لی جاتی ہے) معنیٰ[1] یہ ہوگا کہ اگر اُنہوں نے غزوۂ اُحد میں تمہیں مبتلائے رنج و بلا کیا ہے تو تم بھی اُنہیں غزوۂ بدر میں اسی طرح مبتلائے عذاب کر چکے ہو پھر وہ تو کمزور نہیں پڑے اور اُنہوں نے بزدلی نہیں دکھائی تو تم زیادہ لائق ہو اس بات کے کہ کمزور نہ پڑو کیونکہ تم اللہ تعالیٰ سے ایسی امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے

اور[۲] یہ بھی کہا گیا کہ (یہاں غزوۂ بدر مُراد نہیں بلکہ) دونوں جگہ غزوۂ اُحد ہی کے واقعات مُراد ہیں کیونکہ مسلمان، رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی مخالفتِ حکم سے پہلے کفار پر فتح پا چکے تھے۔

وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ اور ہم اِن ایّام کو ان لوگوں کے درمیان اَدلتے بدلتے رہا کرتے ہیں۔

(نُدَاوِلُهَا کا معنیٰ ہے نصرّفها یعنی) ہم پھیرتے رہتے ہیں کبھی (فتح و نصرت کے) مواقع ایک گروہ کی طرف پھیر دیتے ہیں کبھی دوسرے کی طرف۔ کما قال الشاعر ؎

فَيَوْمٌ عَلَيْنَا وَيَوْمٌ لَنَا وَيَوْمًا نُسَاءُ وَيَوْمًا نُسَرُّ

(ایک دن ہمارے خلاف جاتا ہے اور (پھر لیسے مواقع آتے ہیں کہ) دوسرا دن ہمارے حق میں ہوتا ہے اور اس طرح کسی دن ہم تکلیف پہنچائے جاتے ہیں اور کسی دن خوشی پاتے ہیں۔

اور 'مداولة' معاودہ کی طرح ہے (بمعنی بار بار پھیرنا) کہا جاتا ہے دَاولتُ الشئ بينهم فتداولوهُ (میں نے چیز کو اُن میں ایک سے دوسرے کی طرف منتقل کیا تو اُنہوں نے اُسے باری باری لے لیا) اور الایام (تلك کی) صفت[۱] بھی ہو سکتا ہے اور خبر[۲] بھی اور نُداولها (بصورتِ اول) خبر ہوگا اور (بصورتِ دوم) حال ہوگا۔ اور اَیّام سے مُراد فتح و نصرت کے مواقع ہیں۔

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لیں۔

اس کا عطف علّتِ محذوفہ ہے یعنی نُداوِلُها لِيَكُوْنَ كَيْتَ

Marfat.com

وَكَيْتَ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ (ہم گردشِ ایام اس لیے لاتے ہیں کہ فلاں فلاں مصلحتیں پوری ہوں اور یہ کہ اللہ کے علم میں ہو جائیں اہل ایمان) اور علت کو محذوف کرنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہاں کئی علتیں ہو سکتی ہیں (یعنی ہم زمانے کو بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کی وجہ سے جن کا شمار نہیں بدلتے رہتے ہیں) اور مسلمان کو جو تکلیف پہنچتی ہے اس میں بھی اَن گنت مصلحتیں ہیں یا فعل معلّل بہ محذوف ہے۔ اصل عبارت ہوگی: وَلِيَتَمَيَّزَ الثَّابِتُوْنَ عَلَى الْاِيْمَانِ مِنَ الَّذِيْنَ عَلٰى حَرْفٍ فَعَلْنَا ذٰلِكَ یعنی ہم نے یہ اس لیے کیا کہ ثابت قدم اہل ایمان مطلب پرستوں سے ممتاز و منفرد ہو جائیں۔) اور اس قسم کی باتوں سے (کہ اللہ جان لے) اور اِن کے برعکس باتوں سے اللہ تعالیٰ کے علم کا اثبات و نفی مقصود نہیں ہوتا بلکہ بطور برہان معلوم کا محل وقوع اور غیر وقوع مُراد ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ اللہ کے علم سے مُراد وہ علم ہے جس پر جزاء مرتّب ہوتی ہے اور وہ کسی چیز کے وجود میں آنے کے بعد کا علم ہے۔

وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ اور تم میں سے بعض کو شہید بنانا تھا۔

اس سے مراد شہدائے اُحد ہے یا (شہداء شاہِد کی جمع ہوگی اور معنیٰ یہ ہوگا کہ) تمہیں شاہدِ عدل قرار دے جیسا کہ وہ ثابت قدم اور تکالیف پر صابر پائے گئے۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ ظُلم کرنے والوں سے محبّت نہیں رکھتے۔

(ظالمین سے مُراد وہ لوگ ہیں) جو دلوں میں ایسی باتیں پوشیدہ رکھتے ہیں کہ اُن کے خلاف ظاہر کرتے ہیں یا اس سے مراد کافرین ہیں۔ یہ جملہ معترضہ ہے اور اس میں خبردار کیا گیا ہے کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کافروں کو نصرت عطا نہیں

Marfat.com

فرماتے ہاں کبھی کبھی اُنہیں استدراجاً (گناہ میں زیادہ ڈال کر دوزخ میں ڈالنے کے لیے) غلبہ دے دیتے ہیں۔ اور اس سے دوسرا مقصد مسلمانوں کی آزمائش ہوتی ہے۔

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور تاکہ میل کچیل سے صاف کر دے ایمان والوں کو۔

یعنی اگر وہ مغلوب ہو جائیں تو اس طرح اللہ تعالیٰ اُنہیں گناہوں سے پاک صاف اور مطہر کر دے۔

وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ اور مٹا دیوے کافروں کو۔

اور اگر نصرت کفار کے خلاف مسلمانوں کو حاصل ہو تو اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ کافر ہلاک ہوں۔ اور "اَلْمَحْقُ" کا معنی ہے کسی چیز کو تھوڑا تھوڑا گھٹانا۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ ہاں کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنّت میں جا داخل ہو گے۔

(أَمْ منقطعہ ہے گویا) عبارت یوں ہو گی: بَلْ أَحَسِبْتُمْ (بلکہ کیا تم نے گمان کیا؟) اور اس کا معنیٰ اِنکار ہے۔

وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو۔

(اللہ تعالیٰ کو ابھی اُن لوگوں کا علم نہیں ہوا جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں۔ یہاں علمِ الٰہی بالواسطہ مخلوق کی طرف ہے اور علم وجودی مُراد ہے یعنی) ابھی تک تم نے جہاد کیا ہی نہیں۔ اور اس آیۃ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاد فرض علی الکفایہ ہے۔ اور لَمَّا اور لَمْ میں فرق یہ ہے کہ لَمَّا میں فعل کی مستقبل

Marfat.com

میں توقع ہوتی ہے (اور لَمْ میں ایسا نہیں) اور یَعْلَمَ (بفتحِ میم) بھی پڑھا گیا اس بناء پر کہ یہ اصل میں یَعْلَمَنْ تھا پھر نون حذف کر دیا گیا۔

وَ یَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ اور نہ اُن کو دیکھا جو ثابت قدم رہنے والے ہوں۔[1]

یَعْلَمَ منصوب ہے کیونکہ اِس سے پہلے اَنْ مقدر ہے اِس بناء پر کہ وَ یَعْلَمَ میں "وَ" جمع (بین الجملتین) کی ہے (جس سے پہلے ہمیشہ اَنْ مقدر مانا جاتا ہے (جیسے کہا جاتا ہے لَا تَاْکُلِ السمنَ وَ تَشْرَبَ اللبن) اور اسے یَعْلَمُ (فعل مرفوع) بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں واؤ حالیہ ہوگی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَمَّا تُجَاهِدُوْا وَ اَنْتُمْ صَابِرُوْنَ (یعنی ابھی تک تم نے اس حال میں جہاد کیا ہی نہیں کہ تم صبر کرنے والے ہو) — (واوِ جمع منصوب محلاً اور واوِ حال مرفوع ہوتی ہے)۔

وَ لَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ اور تم تو مرنے کی تمنا کر رہے تھے۔

(اَلْمَوْت سے مُراد) جنگ ہے کیونکہ وہ بھی اَسبابِ موت میں سے ہے[2] یا (اس سے مراد) شہادت کی موت ہے۔ اور یہاں اُن لوگوں سے خطاب ہے جو غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ آنحضور علیہ السلام کی معیت میں میدانِ جنگ میں پہنچیں اور بزرگی و کرامت کے اُس درجہ کو حاصل کریں جس پر شہدائے بدر فائز ہوئے تھے۔ یہی لوگ تھے جنہوں نے غزوۂ اُحد کے موقع پر (دشمنوں کے خلاف باہر) نکل کر لڑنے پر زور دیا تھا۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ موت کے سامنے آنے سے پہلے ہی۔

Marfat.com

(یعنی تمہاری یہ شہادت کی تمنّا اور آرزو اُس وقت تھی) جب کہ ابھی تم نے جنگ کا مشاہدہ بھی نہیں کیا تھا اور اُس کی شدّت کو نہ پہچان پائے تھے۔
فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ (۳) سو اُس کو تو کھلی آنکھوں دیکھ لیا تھا۔

یعنی تم نے اُسے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا جبکہ تمہارے سوا تمہارے بھائی بند قتل ہوئے۔ اور اس میں اُنہیں ڈانٹ دینا مقصود ہے کہ اُنہوں نے جنگ کی خواہش کی تھی اور اُس کا سبب بنے تھے پھر بزدلی دکھائی اور پیچھے ہٹنے لگے۔ یا اس بات پر ڈانٹ دینا مقصود ہے کہ اُنہوں نے شہادت کی تمنا کی تھی کیونکہ شہادت کی تمنا کرنے میں (ایک پہلو) غلبۂ کفار کی خواہش (بھی) ہے۔
وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ (۴) اور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام (بھی) رسول ہی تو ہیں آپ سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔

(آپ بھی ایک پیامبر ہیں) لہٰذا آپ بھی (اس جہانِ فانی سے) وفات پاکر یا درجۂ شہادت پر فائز ہوکر چلے جائیں گے جیسے پہلے انبیاء علیہم السلام (اپنا فریضہ انجام دے کر) رخصت ہوگئے (نبوت نہ فوت نہیں)۔
أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ سو اگر آپ کا انتقال ہوجاوے یا آپ شہید ہی ہو جاویں تو کیا تم الٹے پھر جاؤ گے؟

یہاں استفہام سے انکار مقصود ہے کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفات یا شہادت پاکر رحلت کر جائیں تو وہ مرتد نہ ہوں گے اور دین سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر نہیں جائیں گے بعد اس علم ہو جانے کے کہ آپ سے پہلے بھی انبیاء گزر گئے اور اُن کا دین باقی ہے اور اُس پر عمل کیا جاتا ہے۔ اور بعض مفسرین

کہتے ہیں کہ (أَفَإِن مَاتَ میں) فاء سببیّہ ہے اور ہمزہ انکاری ہے اور انکار (ارتداد سے نہیں بلکہ) اس بات سے ہے کہ لوگ آنحضور علیہ السلام سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے گذر جانے کو آپ کی وفات کے بعد اپنے پھر جانے کا سبب بنائیں (یعنی جب سب انبیاء فوت ہو گئے تو گویا سب دین ہی غلط ہے)

منقول ہے کہ عبد اللہ بن قمیئہ حارثی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک پتھر مارا جس سے آپ کے سامنے کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے اور آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔ اُس وقت مصعب بن عُمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے (حملے کا) دفاع کر رہے تھے اور وہ صاحبِ عَلَم تھے یہاں تک کہ ابن قمیئہ نے اُنہیں شہید کر دیا اور سمجھا کہ اُس نے نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کو شہید کر دیا ہے اُس نے (پکار کر) کہا میں نے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا ہے اور ایک پکارنے والا بآوازِ بلند پکارا کہ (دیکھو) اب محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بھی قتل کر دیے گئے۔ اس پر لوگ لوٹنے لگے اور آنحضور علیہ السلام پکار رہے تھے: "اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہ" (اللہ کے بندو میری طرف آؤ) (آپ کی آواز سُن کر) تیس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ کی حفاظت کرنے لگے حتی کہ اُنہوں نے مشرکین کو آپ سے دُور ہٹا دیا اور باقی منتشر ہو گئے۔ (اس نازک موقع پر) بعض مسلمانوں نے کہا: کاش عبد اللہ بن اُبَیّ ہمارے لیے ابو سفیان سے امان لے لیتا ـــــ اور بعض منافقین نے کہا کہ "اگر آپ نبی ہوتے تو قتل نہ کیے جاتے (اے لوگو!) تم اپنے بھائیوں کی طرف (پھر جاؤ) اور اپنے (پہلے) دین کی طرف لوٹ جاؤ"۔ یہ سُن کر اَنَس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا تھے کہا: "اے میری قوم! اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قتل ہو گئے تو کیا ہوا، محمد

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ربّ تو زندہ ہے وہ نہیں مرے گا اور (ہاں) تم آنحضور علیہ السلام (کے ساتھ محبت رکھتے تھے اپنے محبوب) کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ لہٰذا تم بھی اُسی مقصدِ عظیم) کے لیے جنگ لڑ کر جان دے دو جس کے لیے اُنہوں نے اپنی جان سپردِ جان آفرین کردی۔" پھر اُس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا: یا اللہ! جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں میں اُس بارے میں تجھ سے معذرت چاہتا ہوں اور اِس معاملہ میں اپنی برأت (ظاہر) کرتا ہوں۔ پھر اُنہوں نے اپنی تلوار لے کر حملہ کیا اور لڑتے رہے حتی کہ شہید ہو گئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ) اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا اور جو شخص اُلٹا پھر بھی جاوے گا تو خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا۔

یعنی مرتد ہو جانے سے (اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا) بلکہ اپنے آپ کو نقصان پہنچائے گا۔

وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ اور خدا تعالیٰ جلد ہی عوض دے گا حق شناس لوگوں کو۔

یعنی جو لوگ نعمتِ اسلام پر (شکر ادا کرتے ہیں یعنی اُس پر ثابت قدم رہتے ہیں جیسے حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کی مانند لوگ اللہ تعالیٰ جلد ہی اُنہیں اچھا بدلہ دے گا۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ اور کسی شخص کو موت آنا ممکن نہیں بدون حکم خدا تعالیٰ کے۔

(یعنی جو کوئی مرتا ہے) اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ بایں کہ جب اللہ تعالیٰ ملک الموت علیہ السلام کو اُس کی جان قبض کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اس کا

Marfat.com

یہ معنیٰ ہے کہ ہر جان کے لیے اللہ تعالیٰ کے علم اور فیصلے میں ایک وقت مقرر ہے۔ (اور لوگ) جو جنگ سے ڈر کر دُور رہتے ہیں اور پیش قدمی نہیں کرتے وہ اپنے وقتِ مقررہ سے ایک گھڑی بھی نہ تاخیر پا سکتے ہیں نہ تقدیم۔ اور اس (آیۃ) میں قتال کے بارے میں اُبھارنا اور حوصلہ دلانا مقصود ہے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حفاظت اور تاخیرِ اجل کا وعدہ ہے۔

کِتَابًا اس طور سے کہ اس کی میعاد لکھی ہوئی رہتی ہے۔

مصدر ہے جو تاکید کے لیے آئی ہے (یعنی مفعولِ مطلق ہے) اور معنیٰ یہ ہوگا کہ موت لازمی طور پر لکھی جا چکی ہے (کُتِبَ الْمَوْتُ کِتَابًا)۔

مُؤَجَّلًا معیّن۔

یہ کِتَابًا کی صفت ہے اور اس کا معنیٰ ہے وقتِ مقررہ جسے نہ بڑھایا جا سکے اور نہ گھٹایا جا سکے۔

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا اور جو شخص دُنیوی نتیجہ چاہتا ہے تو ہم اُسے دُنیا کا حصہ دے دیتے ہیں۔

یہ اُن مسلمانوں پر تعریض ہے جو غزوۂ اُحد میں غنیمتوں میں لگ گئے تھے۔ (ہوا یوں کہ) مسلمانوں نے مشرکین پر حملہ کیا، اُنہیں شکست دی اور (مالِ غنیمت) لُوٹنا شروع کیا تو جب تیر اندازوں نے یہ دیکھا وہ بھی غنیمت کی طرف بڑھے اور اپنی جگہ چھوڑ دی۔ مشرکین نے موقع غنیمت جانا اور پیچھے سے حملہ کر دیا اور (اس طرح) مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا ہوا۔

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا اور جو شخص اُخروی نتیجہ چاہتا ہے تو ہم اسے آخرت کا حصہ دیں گے۔

یعنی آخرت کا ثواب اور نیک بدلہ عطا کریں گے۔

Marfat.com

وَسَنَجْزِی الشّٰکِرِیْنَ اور ہم بہت جلد عوض دیں گے حق شناسوں کو۔
جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا اور کسی چیز نے انہیں جہاد سے نہ روکا۔

وَکَاَیِّنْ اور بہت سے ہو چکے ہیں۔

اس کا اصل یہ ہے کہ اَیٌّ پر کاف (جارّہ) داخل ہوا اور (یوں وہ) کَمْ (خبریہ) کے معنی میں ہو گیا۔ اور نون تنوین کا ہے جو لکھنے میں علیٰ غیر القیاس اس طرح ظاہر کر دیا گیا (کہ مصحفِ عثمانی میں ایسے ہی تھا) اور ابن کثیر نے اسے کَائِنْ مانند کَاعِنْ کے پڑھا ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس (کَاَیِّنْ کو ایک ہی کلمہ سمجھ کر قلب (یعنی تعلیل) کی گئی ہے جس طرح اَحْمَرِیْ کو (ایک کلمہ سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ تین ہیں پھر اُسے بول چال میں) رَعَمْلِیْ کہتے ہیں۔ تو اس طرح (قلب سے کَاَیِّنْ کو) کَیِّئِنْ بنایا تھا اب اس میں تخفیف کی خاطر یائے ثانیہ (یائے مشدّدہ میں سے دوسری یاء) کو محذوف کر دیا اور (اس طرح وہ کَیْئِنْ بن گیا اب یائے ساکن کے شروع میں فتح ہے لہٰذا) دوسری یاء کو الف میں بدل دیا (اور کَائِنْ بن گیا) بالکل اسی طرح طَائِیٌّ کی تعلیلات ہیں (۱) طَیِّئِیٌّ سے (۲) طَیْئِیٌّ سے (۳) طَائِیٌّ بن گیا)

مِّنْ نَّبِیٍّ نبی

(مِنْ بیانیہ ہے) یہ کَاَیِّنْ کا بیان ہے۔

قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ جن کے ساتھ ہو کر بہت اللہ والے لڑے ہیں۔

(رِبِّیُّوْن سے مراد) اہلِ علم و تقویٰ (ہیں) یا اپنے رب کی عبادت کرنے والے اور یہ بھی کہا گیا کہ اس سے مراد جماعتیں ہیں۔ الربۃ بمعنی جماعت سے

Marfat.com

اسم نسبت رِبِّیّ آیا (اور یائے نسبت) مبالغہ کے لیے (ہے) اور ابنِ کثیر نے اور نافع ابوعمرو اور یعقوب نے (قَاتَلَ کی بجائے) قُتِلَ پڑھا ہے اور (قُتِلَ کا) اِسناد رِبِّیُّوْن کی طرف ہوگا یا ضمیر نبی (معہٗ) کی طرف ہوگا۔ اور (کتنے ہی نبی ہیں جو قتل کیے گئے در آنحالیکہ میدانِ جنگ میں اُن کے ساتھ بہت سے خُدا پرست موجود تھے۔) (اگر قتل کا اسناد نبیّ کی طرف کیا جائے تو) معہٗ رِبِّیُّون کثیر اُس کا حال ہوگا۔ (اگر قُتِلَ کی نسبت رِبِّیُّونَ کی طرف کی جائے تو ربیون کثیر مفعول مالم یُسَمّ فاعلہ ہوگا) اور قتل کو بالتشدید (قُتِّلَ) بھی پڑھا گیا ہے جو صورت اول (قُتِلَ ربّیّون) کی تائید میں ہے۔ اور ۲ رِبِّیون کو بنیادی طور پر رَبِّیُّونَ فتح (راء) سے بھی پڑھا گیا ہے اور رَاء کے ضمہ سے رُبِّیُّون بھی پڑھا گیا ہے اور اسم نسبت میں یہ تغیرات (اعراب) ہوتے رہتے ہیں جیسے کسر میں۔

فَمَا وَهَنُوْا لِمَا أَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سو نہ تو ہمّت ہاری اُنہوں نے اُن مصائب کی وجہ سے جو اُن پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں۔

یعنی ۱ نہ تو وہ تھکے اور نہ اُن کی کوششیں ختم ہوئیں اگرچہ اُن پر نبی کے قتل ہوجانے کی مصیبت بھی پڑی۔ یا ۲ یہ کہ اگرچہ اُن میں سے کچھ لوگ قتل ہوگئے۔

وَمَا ضَعُفُوْا اور نہ اُن کا زور گھٹا۔

یعنی ۱ اُنہوں نے دشمن کے مقابلے میں کمزوری نہ دکھائی۔ یا ۲ یہ کہ اُنہوں نے دین میں کمزوری کا مظاہرہ نہ کیا۔

وَمَا اسْتَكَانُوْا اور نہ وُہ دبے۔

یعنی اُنہوں نے دشمنوں کے سامنے عاجزی نہ دکھائی اور ۱ یا اِسْتَكَانَ (باب

Marfat.com

افتعال) کا مادہ سکن ہے کیونکہ خاضع اُس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے مدِمقابل کے سامنے رُک جائے کہ وہ اُس کے ساتھ جو (سلوک) چاہے کرے۔ اس صورت میں استکانوا میں الف اشباع کا ہوگا جو کاف کے فتح کو کھینچنے سے پیدا ہوا۔ یا یہ اصل میں اِسْتَكَنَّ يَسْتَكِنُّ مادہ کَوْنٌ سے بنا ہے (باب استفعال ہے) معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ اپنے آپ سے ایسے ہونے کا مطالبہ کرے کہ دوسرا اُسے ذلیل کرے اور یہ تعریض ہے اُس تکلیف و مصیبت پر جو اُنہیں رسولِ پاک صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل کی افواہ پر پہنچی تھی۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ اور اللہ تعالیٰ کو ایسے مستقل مزاج لوگ سے محبت ہے۔

(اللہ تعالیٰ کی محبت کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ) پھر وہ اُن کی مدد کرتا ہے اور اُن کی قدر و منزلت میں اضافہ کر دیتا ہے۔

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ اور اس کی زبان سے بھی تو اس کے سوا کچھ نہیں نکلا کہ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ ہمارے گناہوں کو اور ہمارے کاموں میں ہمارے حد سے نکل جانے کو بخش دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں کافروں پر غالب کیجیے

یعنی انہوں نے اپنی ثابت قدمی دین پر اپنا اور حق کے ساتھ ساتھ یہ بھی نہ کہا کہ ہمارے دشمن کافروں کے (کہ ہم ان سے لڑ رہے ہیں اور ہماری خطائیں معاف فرما اللہ بعض گناہ اور اسراف کو کہ نفسی کرتے ہوئے اپنی جانوں کی طرف منسوب کیا۔ اور یہ کہ جو کچھ انہیں تکلیف پہنچی ہے اُن کی سوء حالی

Marfat.com

کی وجہ سے پہنچی ہے لہذا اُس کی معافی چاہی پھر جنگ میں ثابت قدمی اور دشمن پر فتح پانے کی دُعا کی "تاکہ یہ دُعا عاجزی و طہارت کے ساتھ (اللہ کی جناب میں) جلد قبولیت پائے اور قَوْلَهُمْ کَانَ کی خبر ہے اور أَنْ قَالُوا اسم کان جو بوجہ جہتِ نسبت اور زمانِ حدث پر دلالت کرنے کے "قولھم" سے زیادہ معرفہ ہے لہذا عَرَف کو مبتدا رکھا گیا (کہ قاعدہ یہی ہے)

فَآتَاهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ سو اُنہیں اللہ تعالیٰ نے دُنیا کا بھی بدلہ دیا اور آخرت کا بھی عمدہ بدلہ (دیا) اور اللہ تعالیٰ کو ایسے نیکوکاروں سے محبت ہے۔

اُن کے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنے اور اُس کی طرف پناہ پکڑنے کے سبب اللہ تعالیٰ نے اُنہیں نصرت (و فتح)، (مالِ) غنیمت، عزت اور ذکرِ خیر اس دنیا میں نصیب فرمایا اور آخرت میں جنت اور نعمتیں عطا کیں اور آخرت کے ثواب کو حُسنِ ثواب سے تعبیر فرمایا اُس کی فضیلت کو محسوس کرانے کی خاطر اور یہ بھی کہ وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک لائقِ التفات ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ اے ایمان والو! اگر تم کہنا مانو گے کافروں کا تو وہ تمہیں پھیر دیں گے۔

یعنی تمہیں کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔

عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ اُلٹا، پھر تم ناکام ہو جاؤ گے۔

شانِ نزول: ہزیمت کے وقت مسلمانوں سے منافقین نے جب کہا کہ

Marfat.com

"اپنے (پرانے) دین پر لوٹ جاؤ اور اپنے بھائی بندوں کی طرف (ہو جاؤ) اگر محمد (علیہ السلام) نبی ہوتے تو قتل نہ ہوتے۔" اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ (اِنْ تُطِیعُوا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے) مراد یہ ہے کہ اگر تم ابوسفیان اور اُس کے ساتھیوں کے لیے عاجزی اختیار کرو گے اور اُن سے امن (و صلح) کی درخواست کرو گے تو وہ تمہیں اپنے دین کی طرف لوٹا لیں گے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ اطاعتِ کفار سے مراد عام کفار کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ کیونکہ یہ چیز آہستہ آہستہ اُن کی موافقت کی طرف کھینچ لاتی ہے۔

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰكُمْ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا دوست ہے۔

یعنی تمہارا ناصر و مُعین ہے اور اِسے (بَلِ اللّٰهَ کی بجائے) منصوب (بَلِ اللّٰهَ مَوْلٰكُمْ) بھی پڑھا گیا ہے اس تقدیر پر کہ گویا اصل عبارت یوں تھی بَلْ اَطِیعُوا اللّٰهَ مَوْلٰكُمْ۔

وَهُوَ خَیْرُ النّٰصِرِیْنَ اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے۔

لہٰذا تم (اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرتے ہوئے) کسی غیر کی دوستی اور امداد سے بے نیاز ہو جاؤ۔

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا اَشْ ڈالے دیتے ہیں ہَول کافروں کے دلوں میں۔

اس سے مراد وہ خوف و دہشت ہے جو غزوہ اُحد میں کافروں کے دلوں میں ڈال دیا تھا حتیٰ کہ وہ (میدانِ) جنگ چھوڑ کر بغیر کسی سبب کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور ابوسفیان نے پکار کر کہا کہ "اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اب ہماری مڈبھیڑ (آئندہ سال) بدر کے مقام پر ہو گی، اگر چاہو

Marfat.com

تو مقابلہ کر لینا۔" آپ نے فرمایا: "اگر اللہ نے چاہا"۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ جب وہ پلٹ گئے اور کچھ دور جا چکے تو شرمندہ ہوئے اور ارادہ کیا کہ واپس آ کر اُن (مسلمانوں) کو مٹا ڈالیں اس پر اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ اور ابن عامر، کسائی اور یعقوب نے پورے قرآن مجید میں (الرُّعُبَ) عین کے ضمہ سے پڑھا ہے اور باقی قراء نے عین کے سکون سے (الرُّعْبَ) پڑھا ہے۔

بِمَا اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ بسبب اس کے کہ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا ہے۔

باء سببیہ ہے۔

مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا ایسی چیز کو جس پر کوئی دلیل اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمائی۔

یعنی اور معبود بنائے جن کے شریک کرنے کے لیے کوئی دلیل نہ تھی اور نہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے حق میں کوئی برہان نازل فرمائی تھی۔ جیسے شاعر نے کہا ہے

لَا يُفْزِعُ الْاَرْنَبَ اَهْوَالُهَا
وَلَا تَرَى الضَّبَّ بِمَا يَنْجَحِرْ

(ترجمہ: اُس دشت و بیابان کی ہولناکیاں خرگوش کو خوفزدہ نہیں کرتیں اور نہ تو کوئی گوہ دیکھے گا جو بل میں گھسے (یعنی وہاں کوئی گوہ ہے ہی نہیں کہ بل میں گھسے اسی طرح شرک کے ہے سرے سے کوئی حجت ہے ہی نہیں تو نازل کیا ہوتی) اور سلطنۃ کا مفہوم قوۃ ہوتا ہے اسی سے السلیط اُس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی قوت (بیان) سے بھڑکا دے (اور مشتعل کر دے) اور السلاطۃ زبان کی تیزی (اور جوش بیان) کے لیے آتا ہے۔

وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ اور اُن

Marfat.com

کی جگہ جہنم ہے اور وہ بُری جگہ ہے نا انصافوں کی۔

ظاہر (ظالمین) کو مُضمَر (ھُم) کی جگہ رکھا تاکہ حکم میں سختی بیان کی جائے اور اس حکم کا سبب بھی بیان کر دیا جائے (یعنی غیر شرعی زندگی بسر کرنے والا خواہ کوئی ہو وہ یہی مشرکین ہوں یا اس سے قبل و بعد کے سب اس حکم کے تحت سزا پائیں گے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تو تم سے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا۔

جو تقویٰ اور صبر سے مشروط تھا اور یہ اُس وقت پورا ہو چکا تھا تا آنکہ تیر اندازوں نے حکم رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کی۔ کیونکہ جب مشرکین بڑھ رہے تھے تیر انداز انہیں تیروں کا نشانہ بنا رہے تھے اور باقی (مجاہدین) تلواروں سے (مصروف جہاد تھے اور) اُن کی گردنیں مار رہے تھے حتیٰ کہ وہ شکست کھا گئے اور مسلمان اُن کے پیچھے پیچھے چلے۔

اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ جس وقت کہ تم اِن کفار کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے۔

حَسَّهٗ کا معنی ہوتا ہے کہ اَبْطَلَ حِسَّهٗ [illegible] کی قوت حاسہ کو ختم کر دیا (یعنی مار ڈالا)۔

حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ یہانتک کہ تم خود ہی کمزور ہو گئے۔

تم نے بزدلی دکھائی اور تمہاری رائے کمزور پڑ گئی یا یہ کہ تم غنیمت کی طرف مائل ہو گئے کیونکہ حرص بھی کم عقلی کی بناء پر ہوتا ہے۔

وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ اور باہم حکم میں اختلاف کرنے لگے۔

تیر اندازوں کا اختلاف مراد ہے جبکہ مشرکین شکست کھا چکے تھے۔ بعض نے

Marfat.com

تو یوں کہا تھا: "اب ہمارا یہاں کھڑا ہونا بے فائدہ ہے۔" اور بعض نے کہا تھا کہ "ہم تو آنحضور علیہ السلام کے حکم کی مخالفت نہیں کرتے۔" پس تیر اندازوں کا امیر چند آدمیوں کے ساتھ کھڑا رہا جو دس سے کم تھے اور باقی سب لوٹ کی طرف بھاگ گئے۔ اور یہی معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا۔

وَعَصَيْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ اور تم کہنے پر نہ چلے بعد اس کے کہ تمہیں تمہاری دلخواہ بات دکھلا دی تھی۔

تمہاری پسندیدہ چیزیں (دشمن پر) کامیابی اور (مالِ) غنیمت اور دشمن کا شکست کھا جانا وغیرہ اور إِذْ کا جواب اِمْتَحَنَكُمْ محذوف ہے۔

مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا تم میں سے بعض تو وہ تھے جو دُنیا چاہتے تھے۔

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے غنیمت لُوٹنے کی خاطر مرکز چھوڑ دیا تھا۔

وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ اور بعض تم میں سے وہ تھے جو آخرت کے طلبگار تھے۔

اِن سے وہ لوگ مُراد ہیں جو حضور علیہ السلام کے حکم کی پابندی کرتے ہوئے (آخر دم تک) ڈٹے رہے۔

ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ پھر تمہیں ان کفّار سے ہٹا دیا۔

یعنی تمہیں اُن سے روکے رکھا حتیٰ کہ وہ (مشرک لوگ) پلٹ کر آگئے اور تم پر غالب آگئے۔

لِيَبْتَلِيَكُمْ تاکہ (خدا تعالیٰ) تمہاری آزمائش فرما دے۔

مصائب میں (مبتلا کر دے) اور پھر مصائب کے بعد تمہاری ایمان پر پختگی کا امتحان لے۔

Marfat.com

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ اور یقین سمجھو کہ (اللہ تعالیٰ نے) تمہیں معاف کر دیا۔
تم پر مہربانی کرتے ہوئے اور اس لیے کہ اُس نے تمہاری مخالفتِ حکم پر پشیمانی کو جان لیا۔
وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں مسلمانوں پر۔
اُن[1] سے درگزر کرکے مہربانیاں کرتے ہیں یا[2] یہ کہ تمام حالات میں (وہ اُن پر مہربان ہیں ظاہر طور پر) خواہ وہ حالات مسلمانوں کے حق میں ہوں یا اُن کے خلاف کیونکہ آزمائش و ابتلاء بھی رحمت ہے۔
اِذْ تُصْعِدُوْنَ (وہ وقت یاد کرو) جبکہ تم چڑھے چلے جاتے تھے۔
صَرَفَكُمْ[1] سے متعلق ہے یا[2] لِيَبْتَلِيَكُمْ سے متعلق ہے یا مقدر محذوف مثل اُذْكُرُوْا وغیرہ سے متعلق ہے اور اِصعاد کا معنی چلے جانا اور زمین میں دُور نکل جانا ہے۔ کہا جاتا ہے اَصْعَدْنَا مِنْ مَكَّةَ اِلٰى مَدِيْنَةَ (ہم مکہ سے مدینہ کی طرف گئے)۔
وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ اور کسی کو مُڑ کر بھی تو نہ دیکھتے تھے۔
کوئی شخص دوسرے کی خاطر نہ رُکتا تھا اور اُس کی انتظار نہ کرتا تھا۔
وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ اور رسول تمہیں پکار رہے تھے۔
آپ فرماتے تھے: اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ، اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ، اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ يَكِرُّ فَلَهُ الْجَنَّةُ (اللہ کے بندو میری طرف آؤ میں اللہ کا رسول ہوں جو شخص پلٹ کر حملہ کرے گا اُس کا بدلہ جنت ہے۔
فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ تمہارے پیچھے کی جانب سے۔
یعنی[1] لشکر کے ساقہ (پچھلے دستے) میں یا[2] تمہاری پیچھے والی جماعت میں۔

Marfat.com

فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ سو اللہ تعالیٰ نے تمہیں پاداش میں غم دیا بسبب غم دینے کے۔

یہ صَرَفَكُمْ پر عطف ہے اور معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری کمزوری اور نافرمانی کا بدلہ ایک غم کے بعد دوسرا غم یکے بعد دیگرے دیا۔ کہ ایک تمہارا قتل ہونے کا غم، دوسرا زخمی ہونے کا غم، پھر مشرکین کی فتح کا غم اور رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کی افواہ کا غم (یہ تمام غم گویا تمہاری اُس کمزوری اور نافرمانی کا بدلہ تھے) یا (بِغَمٍّ میں با سببیہ ہے اور معنیٰ یہ ہوگا کہ) تمہیں غم دیا اُس غم کے بدلے میں جو تم نے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نافرمانی کر کے پہنچایا تھا۔

لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ

تاکہ تم مغموم نہ ہوا کرو، نہ اُس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اُس پر جو تم پر مصیبت پڑے۔

(یعنی تمہیں غم پر غم اس لیے دیا کہ) تم سختیوں پر صبر کرنے کے عادی ہو جاؤ اور جو کچھ نفع (حاصل ہو کر) جاتا رہے یا تکلیف و ضرر پہنچے اُس پر غم و اندوہ نہ کرو۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ (لَا تَحْزَنُوا اور لَا مَا اصابکم میں) لَا زائدہ ہے اور معنیٰ یہ ہے تاکہ تم اُس فتح و غنیمت پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہی اور اُس زخم خوردگی اور شکست کی مصیبت پر جو تمہیں سزا کے طور پر پیش آئی افسوس کرو۔

بعض نے آثَابَكُمْ (کی ضمیر واحد غائب) کا فاعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہا ہے اور آثَابَ کا معنیٰ آسَاکُمْ کیا ہے یعنی آنحضور علیہ السلام نے غم میں تمہارے ساتھ ہمدردی کی اور وہ بھی تم پر نازل شدہ مصیبت پر

Marfat.com

غمزدہ ہوئے جس طرح تم اُن پہ آنے والی تکلیف سے غمگین ہوئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں تمہاری عدول حکمی پر تمہاری تسلی کے واسطے ملامت نہیں کی تاکہ تم فوت شدہ نصرت و فتح اور در آمدہ شکست و مصیبت پر غم نہ کرو۔

وَاللّٰہُ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ خبر رکھتے ہیں تمہارے سب کاموں کی۔

تمہارے اعمال سے واقف ہیں اور جو کچھ تم نے قصد کیا تھا اس سے بھی (خبردار ہیں)۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد تم پر چین و سکون جیسا

یعنی اونگھ نے نہیں آلیا اور حضرت ابی طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میدان جنگ میں ہم پر اونگھ طاری ہو گئی۔ ہم میں سے کسی کے ہاتھوں سے تلوار گر پڑتی تھی وہ اسے اٹھاتا تھا پھر تلوار گر پڑتی تھی اور وہ اسے اٹھاتا تھا۔ اور اَمَنَة کا معنی ہے اَمن جو مفعول بہ ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور نعاسًا اس سے بدل ہے یا اَنْعَسَ سے مفعول ہے اور اَمَنَة اس سے حال واقع ہوا ہے یا مقدم کر دیا گیا ہے یا اَمَنَة مفعول لہ ہے یا نعاسًا کو مفعول بہ قرار دیا جائے یہ منالجین تم میں سے حال واقع ہوا ہے بمعنی ذوی اَمَنَة یا اَمَنَة اس کی جمع بنا کر اور اَمَنَة میں سکون سے ماخوذ ہے یہ اس کا مصدر ہے گویا اَمن سے اسم مرہ ہے یعنی ایک بار امن نازل ہوا۔

یَّغْشٰی طَآئِفَةً مِّنْکُمْ کہ تم میں سے ایک جماعت پر تو اس کا غلبہ

ہو رہا تھا۔

یعنی اُن کو اُونگھ (ڈھانپے ہوئے تھی) اور حمزہ اور کسائی نے اسے تاء کے ساتھ (تَغْشٰی) پڑھا ہے اس بناء پر کہ اس کا فاعل اَمَنَۃً ہے اور طَائِفَۃً سے مراد سچے ایماندار لوگ ہیں۔

وَطَائِفَۃٌ اور ایک جماعت وہ تھی۔

یعنی منافقین۔

قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ کہ اُن کو اپنی جان ہی کی فکر پڑ رہی تھی۔

اُن کے دِلوں نے اُنہیں ہُموم میں ڈال دیا تھا یا یہ معنیٰ ہے کہ بڑی فکر جو اُن کو لگی ہوئی تھی وہ اُن کی اپنی جانیں تھیں اور یہ کہ کسی طرح وہ بچ جائیں۔

يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلافِ واقع خیالات کر رہے تھے جو کہ محض حماقت تھی۔

یہ طَائِفَۃٌ کی دوسری صفت ہے یا اُس کا حال ہے یا نیا جملہ ہے جو اپنے سے ماقبل کے بیان میں آیا ہے اور 'غیر الحق' مفعول مطلق ہو کر منصوب ہے۔ یعنی اصل عبارت یوں تھی، يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الظَّنِّ الْحَقِّ الَّذِيْ يَحِقُّ اَنْ يُظَنَّ بِهٖ (وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ٹھیک گمان نہیں رکھتے جو مناسب تھا کہ کیا جاتا) اور "ظنَّ الجاهلية" اُس سے بدل واقع ہوا ہے اور یہ وہ ظن ہے جو مِلّتِ جاہلیت اور اصحابِ جاہلیت سے خاص ہے۔

يَقُوْلُوْنَ وہ یوں کہہ رہے تھے۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہتے تھے اور يَقُوْلُوْنَ يَظُنُّوْنَ سے بَدَل ہے۔

Marfat.com

هَلْ لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ کیا ہمارا کچھ اختیار چلتا ہے؟
یعنی کیا جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا ہے اور (ہم سے) فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے کچھ بھی حصّہ ہمارے لیے ہو سکتا ہے۔ اور[2] یہ بھی کہا گیا ہے کہ عبداللہ بن ابی کو بنی خزرج کے قتل (و شہادت) کی خبر ملی تو اُس وقت اُس نے یہ کہا تھا اور معنیٰ یہ ہوگا کہ ہمیں اپنے متعلق تدبیر اور اپنے اختیار سے تصرف کرنے سے روک دیا گیا ہے اور اب ہمارے اختیار میں کچھ بھی نہیں رہا یا (یوں کہا کہ) کیا ہم پر یہ زبردستی اور جبر ختم بھی ہوگا تاکہ ہمارے لیے بھی کچھ اختیار حاصل ہو۔
قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ آپ فرما دیجیے کہ اختیار تو سب اللہ ہی کا ہے۔
یعنی حقیقی غلبہ (اور اختیار) اللہ ہی کے لیے ہے اور پھر (اللہ کی دین) اُس کے اولیاء کے لیے ہے کیونکہ (فرمایا) بلاشبہ اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔ یا[1] (الامر سے مُراد) قضاء (ہے کہ یہ) اُسی کے لیے ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس چیز کا چاہے فیصلہ (و حکم) دیتا ہے۔ اور یہ جملہ معترضہ ہے اور ابوعمرو اور یعقوب نے کُلَّهُ کو مرفوع (كُلُّهُ) پڑھا ہے اس بناء پر کہ یہ مبتدا ہے۔
يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ وہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی بات پوشیدہ رکھتے ہیں جسے آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔
یقولون کی ضمیر سے حال واقع ہوا ہے۔ یعنی وہ کہتے ہیں یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ رشد و ہدایت چاہتے ہیں اور (فتح و نصرت کے طالب ہیں مگر اپنے دلوں میں انکار اور تکذیب چھپائے ہوئے ہیں۔

يَقُوْلُوْنَ کہتے ہیں۔

یعنی اپنے دلوں میں کہتے ہیں آپس میں ایک دوسرے کو خلوت میں ملتے ہیں۔ اور یہ (یقولون) یخفون سے بدل واقع ہوا ہے یا نیا جملہ ہے جو اُس (یخفون) کے بیان کے لیے آیا ہے۔

لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ کہ اگر ہمارا کچھ اختیار چلتا۔

جس طرح کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا یا آپ نے یہ گمان کیا تھا کہ تمام معاملہ اللہ تعالیٰ (کے ہاتھ میں ہے) اور اولیاء اللہ کے حق میں ہے یا یہ کہ ہمارے بس میں کوئی اختیار و تدبیر ہوتی اور ہم ایسی حالت میں نہ ہوتے جس طرح کہ (مدینہ سے نہ نکلنے کے متعلق) عبداللہ بن اُبی وغیرہ کی رائے تھی۔

مَا قُتِلْنَا هٰهُنَا تو ہم یہاں مقتول نہ ہوتے۔

ہم پر غلبہ نہ پایا جاتا یا یہ کہ جو کوئی ہم میں سے اس جنگ میں قتل ہوا ہے وہ قتل نہ ہوتا۔

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ آپ فرمائیے کہ تم لوگ اپنے گھروں میں بھی رہتے تب بھی جن لوگوں پر قتل مقدر ہو چکا ہے وہ لوگ اُن مقامات کی طرف نکل پڑتے جہاں وہ گر کر رہتے۔

جن کا قتل ہونا اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا تھا اور لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا وہ ضرور اپنے قتل ہونے کی جگہ کی طرف نکل آتے اور مدینہ میں قیام اُن کو فائدہ نہ دیتا اور اُن میں سے کوئی بھی بچ نہ سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے معاملہ مقدر کر دیا تھا اور اُسے پہلے ہی لوح محفوظ پر مرقوم کر لیا گیا تھا۔ کوئی اس کے

فیصلے کو بدلنے والا نہیں۔

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اور یہ (جو کچھ ہوا) اس لیے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے باطن کی بات کی آزمائش کرے۔

یعنی جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اُسے آزمائے اور اُس کے پوشیدہ حالات یعنی خلوص و نفاق کو ظاہر کر دے اور یہ فعلِ محذوف کی علت ہے۔ یعنی وَ فَعَلَ ذٰلِكَ لِيَبْتَلِيَ ..... (اور اُس نے یہ اِس لیے کیا کہ آزمائے) یا محذوف پر عطف ہے۔ یا اللہ کے قول 'لِكَيْلَا تَحْزَنُوْا' پر عطف ہے۔

وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ اور تاکہ تمہارے دلوں کی بات کو صاف کر دے۔

اُن (کے حال) کو کھول دے اور اُن میں امتیاز پیدا کر دے یا یہ کہ اُنہیں وسوسوں سے پاک کر دے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اور اللہ دلوں کی سب باتوں کی خوب جانتے ہیں۔

یعنی دل کی باتیں ظاہر کرنے سے پہلے ہی وہ اُن سے پوشیدہ ہوتے ہوئے بھی واقف ہے اور اس میں وعدۂ ثواب بھی ہے اور وعیدِ عذاب کی دھمکی بھی۔ اور اس میں یہ بھی بتلانا مقصود ہے کہ وہ آزمائش سے بھی بے نیاز ہے۔ اور یہ تو اُس نے مسلمانوں کو دہشت اور عادت میں ڈال کر پختہ کار بنانے اور منافقین کے حال کو ظاہر کرنا مقصود تھا۔

إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا

Marfat.com

تم میں سے جن لوگوں نے پُشت پھیر دی تھی جس روز کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئیں اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی کہ اُن کو شیطان نے لغزش دے دی اُن کے بعض اعمال کے سبب ——— یعنی جو لوگ جنگِ اُحد میں شکست خوردہ ہوئے اُن کی شکست خوردگی کا سبب شیطان ہوا تھا کہ اُس نے اُنہیں پھسلا دیا تو انہوں نے اُس کی بات مان لی تھی اور غنیمت یا جان بچانے کی خواہش میں مرکز چھوڑنے میں رسول اکرم علیہ الصلوۃ والسلام کی نافرمانی کی تھی اور یہی اُن کے گناہ تھے لہذا اُن سے تائید (ایزدی) اور قوتِ قلب سلب کر لی گئی تھی اور یہ بھی کہا گیا کہ شیطان کے پھسلانے سے مقصد اُس کی توثی (۔۔۔۔) تھی اور یہ اُن گناہوں کے سبب سے تھا جو پہلے اُن سے سرزد ہوئے تھے کیونکہ گناہ ایک دوسرے کو کھینچ لاتے ہیں (کہ ایک کے بعد دوسرا) جس طرح (نیکی و) فرمانبرداری (کے کام ایک دوسرے کا باعث بنتے ہیں) اور یہ بھی کہا گیا کہ اُس نے اُنہیں گزشتہ گناہ یاد کرا کے پھسلا دیا تھا اور اُنہوں نے خلوصِ توبہ اور گناہ سے نکلنے سے پیشتر جہاد کو ناپسند کر لیا تھا۔

وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو معاف فرما دیا۔

اُن کی توبہ اور عُذر خواہی کی وجہ سے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ واقعی اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے ہیں۔

گناہوں کو بخشنے والے ہیں۔

حَلِيْمٌ بڑے حِلم والے ہیں۔

گناہ کرنے والے کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتے کہ شاید توبہ کر لے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

Marfat.com

اے ایمان والو! تم اُن لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو کافر ہیں۔
یہاں کافروں سے مُراد منافقین ہیں۔
وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کی نسبت۔
اُن کی وجہ سے یا اُن کے متعلق اور اَخوت سے مراد اُن کا اتفاق نسب یا مذہب ہے۔
اِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ جبکہ وہ کسی سرزمین میں سفر کرتے ہیں۔
تجارت کی غرض سے یا کسی اور معاملے میں دور دراز نکل جاتے ہیں۔ اور یہاں (اِذَا کی بجائے) اِذْ ہونا چاہیے تھا (کیونکہ اِذْ ہی ماضی کے لیے آتا ہے اور) قَالُوْا کا لفظ اس پر شاہد ہے مگر اِذَا (جو مستقبل کے لیے آتا ہے) اس لیے لایا گیا کہ یہ حال کی حکایتِ ماضیہ ہے۔
أَوْ كَانُوا غُزًّى یا وہ لوگ کہیں غازی بنتے ہیں۔
یہ غازٍ کی جمع ہے جس طرح عَافٍ کی جمع عُفًّى آتی ہے۔
لَّوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔
قَالُوْا کا مفعول ہے اور یہ دلالت کرتا ہے کہ اُن کے اِخوان اُن کے مخاطب نہیں۔
لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ تاکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو اُن کے قلوب میں موجبِ حسرت کر دیں۔
(لِیَجعل میں پہلا) لام لامِ عاقبت ہے اور یہ قَالُوْا سے متعلق ہے۔ اسی طرح لیکون لھم عدوًّا وحزنًا (الآیۃ) میں (لام لامِ عاقبۃ ہے یعنی انجام کار ایسا ہوا گویا اُن کا مقصد ہی یہی تھا) یا لَا تَكُونُوا سے متعلق

Marfat.com

ہے بعض ایسی باتیں کہنے میں اور ایسا عقیدہ رکھنے میں اُن جیسے نہ ہو جاؤ تاکہ اللہ تعالیٰ اِس چیز کو خاص کر اُن کے دل میں باعثِ حسرت و افسوس بنا دے۔ اس طرح ذالك سے اشارہ اُس اعتقاد کی طرف ہوگا جس پر اُن کا قول دلالت کرتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ذالك کا مشارٌ الیہ "لاتکونوا" کا مدلول ہے یعنی تم اُن جیسے نہ بن جاؤ تاکہ تمہارے اُن جیسے نہ بننے کو اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں میں باعثِ حسرت و افسوس بنا دے کیونکہ (تمہارا) اُن کے مخالف اور برعکس ہونا اُنہیں رنجیدہ خاطر کرتا ہے۔

وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ اور جِلاتا مارتا تو اللہ ہی ہے۔

یہ اُن کے قول کا جواب ہے کہ حیات و موت میں اللہ تعالیٰ کا حکم چلتا ہے۔ اِقامت اور سفر کو اس میں کچھ دخل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ بسا اوقات مسافر اور (جنگجو) غازی کو زندہ رکھتا ہے اور (گھر میں) قیام رکھنے والے اور جنگ پر نہ جانے والے کو مار لیتا ہے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔

(خطاب کا صیغہ لایا گیا) یہ مسلمانوں کو اُن (کافروں) کی مماثلت اختیار کرنے پر زجر و توبیخ ہے۔ اور ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے اسے یاء کے ساتھ (یَعْمَلُوْن) پڑھا ہے اس بنا پر کہ یہ کفر (و انکار) کرنے والوں کے لیے وعید (عذاب) ہے۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ اور اگر تم لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ۔

یعنی (اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤ یا) اُس کی راہ میں (کسی اور طرح) فوت

Marfat.com

ہو جاؤ اور نافع، حمزہ اور کسائی نے مَاتَ یَمَاتُ سے (مِتُّمْ) میم کے کسرہ سے پڑھا ہے۔

لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ

تو بالضرور اللہ تعالیٰ کے پاس کی مغفرت اور رحمت اُن چیزوں سے بہتر ہے جن کو تم لوگ جمع کر رہے ہو۔

(ولئن قتلتم میں لام قسمیہ گزر چکا ہے اور) یہ (اُس) قسم کا جواب ہے اور یہ جزا کے قائم مقام آیا ہے۔ معنیٰ یہ ہوگا کہ سفر اور جنگ جوئی اُن امور میں سے نہیں جو موت کو کھینچ لائیں اور مقررہ وقت کو مقدّم کر دیں اور اگر یہ بھی ہو تو اللہ کی راہ میں ہے پھر جو تم ایسی موت سے مغفرت اور رحمت پاؤ گے وہ (بدرجہا) اُس مال و منال سے بہتر ہے جو تم زندہ رہ کر دُنیا اور اُس کے فوائد و منافع اکٹھے کرو گے۔ اور حفص نے لسے یا سے (یَجْمَعُوْن) پڑھا ہے۔

وَلَئِن مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے

یعنی جس طور پر بھی تمہاری مَوت واقع ہو۔

لَإِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُونَ. تو بالضرور اللہ ہی کے پاس جمع کیے جاؤ گے۔

جس کی طرف تم قصد کرو گے اور اپنی جانیں اُس کی رضا کی خاطر خرچ کرو گے کسی اَور کی طرف تمہیں جمع نہیں کیا جائے گا پھر وہ تمہیں پورا پورا بدلا دے گا اور تمہارا ثواب بڑھا دے گا۔ اور (یہاں بھی) نافع، حمزہ اور کسائی نے مِتُّمْ بالکسرہ پڑھا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ بعد اِس کے خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ اُن کے ساتھ نرم رہے۔

یعنی رحمت کے ساتھ۔ اور یہاں (بِمَا میں) مَا زائدہ ہے جو تاکید اور تنبیہ کے لیے لایا گیا ہے اور یہ دلالت کرتا ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نرمی اللہ کی رحمت ہی ہے۔

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا اور اگر آپ تُند خُو۔

بُرے (اور تنگ) اخلاق والے اور سختی (وجفا) کرنے والے۔

غَلِيظَ الْقَلْبِ سخت طبیعت ہوتے

جس کے دل میں قساوت (وسختی) ہو۔

لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے۔

اور آپ کے پاس اکٹھے نہ ہوتے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ سو آپ اِنہیں معاف کر دیجیے۔

ایسی باتوں میں درگزر فرمائیے جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ اور ان کے لیے استغفار کر دیجیے۔

ایسے امور میں جو صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اور اِن سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجیے۔

یعنی جنگ کے بارے میں یا ایسے معاملات میں مشورہ لیجیے جن میں مشورہ لینا مناسب ہے اس سے ان کی رائے بھی معلوم ہو جائے گی (اور مناسب طریق سے اُس پر عمل کیا جا سکے گا) اور اُن کے دل بھی خوش ہو جائیں گے اور آئندہ یہ چیز اُمّت کے لیے سنّتِ مشاورت کی تمہید ثابت ہو گی۔

فَإِذَا عَزَمْتَ پھر جب آپ رائے پختہ کر لیں۔

یعنی (لوگوں سے) مشورہ کے بعد آپ جب اپنے دل میں ایک فیصلہ کر چکیں۔

Marfat.com

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ توخدا تعالیٰ پر اعتماد کیجیے۔

پھر اپنے معاملے میں اس طریق پر عمل کرتے ہوئے جو آپ کو زیادہ قرینِ مصلحت معلوم ہو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجیے کیونکہ حقیقت کو تو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور فَاِذَا عَزَمْتَ کو صیغہ متکلّم (عَزَمْتُ) بھی پڑھا گیا ہے (اس طرح یہ قول اپنے متعلق ہوگا اور) معنیٰ یہ ہوگا کہ جب میں تمہارے لیے کسی بات کا پختہ ارادہ کرلوں اور اسے تمہارے لیے مقرّر (و واضح) کردوں تو پھر مجھی پر بھروسہ کرو اور اُس کے بارے میں کسی سے مشورہ مت کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔

لہٰذا اُن کی امداد کرتے ہیں اور بھلائی کی طرف اُن کی رہنمائی کرتے ہیں۔

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ اگر حق تعالیٰ تمہارا ساتھ دیں۔

جس طرح غزوۂ بدر میں تمہارا ساتھ دیا۔

فَلَا غَالِبَ لَكُمْ تب تو تم سے کوئی نہیں جیت سکتا

یعنی کوئی بھی تم پر غلبہ نہیں پا سکتا۔

وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ اور اگر تمہارا ساتھ نہ دیں۔

جس طرح غزوۂ اُحد میں تمہیں ہزیمت اُٹھانا پڑی۔

فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ تو اُس کے بعد ایسا کون ہے جو تمہارا ساتھ دے (اور غالب کردے)

اُس[1] کے ساتھ نہ دینے کے بعد (کوئی تمہاری امداد نہیں کرسکتا) یا[2] یہ کہ اللہ کے بعد کوئی تمہاری مدد نہیں کرسکتا) مطلب یہ کہ تم نے اُس (کے احکام) سے تجاوز کیا لہٰذا تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا اور یہ توکّل کے تقاضا کے لیے خبردار

Marfat.com

کرنا اور اُس بات پر اُبھارنا مقصود ہے جو ذلّت و رسوائی کے کھینچ لانے کا سبب بنتی ہیں۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اور صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہیے

لہٰذا توکّل صرف اُسی ذات پر ہی کرنا چاہیے جبکہ اُنہوں نے یہ جان لیا ہے کہ اُس کے سوا اُن کا کوئی مددگار نہیں اور وہ اُس پر ایمان بھی لا چکے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ اور نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے۔

غنیمتوں وغیرہ میں، کیونکہ نبوت خیانت کے مُنافی ہے۔ کہا جاتا ہے غَلَّ شَيْئًا مِنَ الْمَغْنَمِ (اُس نے غنیمت میں سے کچھ چھپا لیا) يَغُلُّ غُلُوْلًا اور (باب افعال سے) اَغَلَّ (مصدر) اِغْلَالًا۔ (یہ اُس وقت کہا جاتا ہے) جب کوئی شخص خفیہ طور پر کوئی چیز لے لے۔

شانِ نزول: اس[1] سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اُس اِتّہام سے بَری ثابت کرنا مقصود ہے جو آپ پر لگایا گیا تھا جیسا کہ روایت ہے کہ غزوۂ[1] بدر میں ایک سُرخ چادر گم ہو گئی تو بعض منافقین نے کہا کہ شاید رسول پاک علیہ السلام نے اُسے (اپنے لیے) رکھ لیا ہوگا یا[2] جو غزوہ اُحد میں تیر اندازوں نے گمان کیا تھا اور اُنہوں نے غنیمت لوٹنے کے لیے مرکز چھوڑ دیا تھا۔ اُنہوں نے (اپنے میں) یہ کہا تھا کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ (نہ) کہہ دیں کہ جس نے جو چیز لُوٹی ہے وہ اُسی کی ہے اور آپ غنیمتیں تقسیم ہی نہ کریں۔" یا[2] رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہی کرنے کو نفی سے تعبیر کیا گویا آنحضور علیہ السلام کو مبالغہ کرتے ہوئے روکا گیا۔ جیسا کہ روایت ہے کہ آپ نے چند دستے (کہیں دشمن کے خلاف) روانہ کیے پھر (اُن کے

جانے کے بعد) مالِ غنیمت حاصل ہوا تو آپ نے اپنے ساتھ (موجود) لوگوں میں تقسیم کر دیا اور اُن دستوں کے لیے کچھ حصہ باقی نہ رکھا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس صورت میں بعض مستحق لوگوں کو محروم کر دینے کو (سختی اور) تشدید کی غرض سے غُلول سے تعبیر کیا (ورنہ یہ خیانت نہ تھی) اور دوسرا مبالغہ مقصود ہوگا یعنی ایک عام بات کو مبالغہ کر کے خیانت سے تعبیر کیا۔ اور نافع، ابن عامر، حمزہ، کسائی اور یعقوب نے اسے صیغہ مجہول (أَنْ يُغَلَّ) پڑھا ہے اور معنی (اس صورت میں) یوں ہوگا کہ یہ بات صحیح نہیں کہ (کوئی) نبی غلول کرنے والا پایا جائے یا یہ کہ اُسے خیانت کی طرف نسبت دی جائے۔

وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حالانکہ جو شخص خیانت کرے گا وہ شخص اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن حاضر کرے گا۔

جو چیز خیانت کی ہوگی اُسے اپنی گردن پر اُٹھائے ہوئے لائے گا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ یا جو چیز خیانت کی تھی اُس کا وبال اور گناہ اُٹھا لائے گا۔

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ پھر ہر شخص کو اُس کے کیے کا پورا عوض ملے گا۔

یعنی جو کچھ اُس نے کمایا تھا اُس کی پوری پوری جزاء دی جائے گی۔ اور ماقبل کے مناسب یہ تھا کہ کہا جاتا: ثُمَّ يُوَفّٰى مَا كَسَبَ (یعنی پہلے صیغہ مذکر چل رہا تھا اب بھی مذکر ہی کا صیغہ لایا جاتا) تو وجہ یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ نے) یہاں حکم کو عام کر دیا ہے۔ ایک تو اس سے مقصود یہ دلیل دینا تھی (کہ جب ہر ایک کو جزاء سزا ملے گی تو خائن کو بھی ملے گی) اور دوسرا اس سے مبالغہ مقصود ہے کہ جب دوسرے جرموں کو سزا ملے گی تو خیانت ایک بڑا جرم ہے اس کے مرتکب

کرنا اور اُس بات پر اُبھارنا مقصود ہے جو ذلّت و رسوائی کے کھینچ لانے کا سبب بنتی ہیں۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اور صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہیے

لہٰذا توکّل صرف اُسی ذات پر ہی کرنا چاہیے جبکہ اُنہوں نے یہ جان لیا ہے کہ اُس کے سوا اُن کا کوئی مددگار نہیں اور وہ اُس پر ایمان بھی لا چکے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ اور نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے۔

غنیمتوں وغیرہ میں، کیونکہ نبوت خیانت کے مُنافی ہے۔ کہا جاتا ہے غَلَّ شَيْئًا مِنَ الْمَغْنَمِ (اُس نے غنیمت میں سے کچھ چھپا لیا) يَغُلُّ غُلُولًا اور (باب افعال سے) اَغَلَّ (مصدر) اِغْلَالًا۔ (یہ اُس وقت کہا جاتا ہے) جب کوئی شخص خفیہ طور پر کوئی چیز لے لے۔

شانِ نزول: اس[1] سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اُس اتّہام سے بَری ثابت کرنا مقصود ہے جو آپ پر لگایا گیا تھا جیسا کہ روایت ہے کہ غزوۂ[1] بدر میں ایک سُرخ چادر گم ہو گئی تو بعض منافقین نے کہا کہ شاید رسول پاک علیہ السلام نے اُسے (اپنے لیے) رکھ لیا ہوگا یا[2] جو غزوۂ اُحد میں تیر اندازوں نے گمان کیا تھا اور اُنہوں نے غنیمت لوٹنے کے لیے مرکز چھوڑ دیا تھا۔ اُنہوں نے (اپنے میں) یہ کہا تھا کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ (نہ) کہہ دیں کہ جس نے جو چیز لُوٹی ہے وہ اُسی کی ہے اور آپ غنیمتیں تقسیم ہی نہ کریں۔" یا[2] رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہی کرنے کو نفی سے تعبیر کیا گویا آنحضور علیہ السلام کو مبالغہ کرتے ہوئے روکا گیا۔ جیسا کہ روایت ہے کہ آپ نے چند دستے (کہیں دشمن کے خلاف) روانہ کیے پھر (اُن کے

Marfat.com

جانے کے بعد) مالِ غنیمت حاصل ہوا تو آپ نے اپنے ساتھ (موجود) لوگوں میں تقسیم کر دیا اور اُن دستوں کے لیے کچھ حصہ باقی نہ رکھا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس صورت میں بعض مستحق لوگوں کو محروم کر دینے کو (سختی اور) تشدید کی غرض سے غُلول سے تعبیر کیا (ورنہ یہ خیانت نہ تھی) اور دوسرا مبالغہ مقصود ہوگا یعنی ایک عام بات کو مبالغہ کر کے خیانت سے تعبیر کیا۔ اور نافع، ابن عامر، حمزہ، کسائی اور یعقوب نے اسے صیغہ مجہول (أَنْ يُغَلَّ) پڑھا ہے اور معنی (اس صورت میں) یوں ہوگا کہ یہ بات صحیح نہیں کہ (کوئی) نبی غلول کرنے والا پایا جائے یا یہ کہ اُسے خیانت کی طرف نسبت دی جائے۔

وَمَنْ يَّغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حالانکہ جو شخص خیانت کرے گا وہ شخص اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن حاضر کرے گا۔

جو چیز خیانت کی ہوگی اُسے اپنی گردن پر اُٹھائے ہوئے لائے گا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ یا جو چیز خیانت کی تھی اُس کا وبال اور گناہ اُٹھا لائے گا۔

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ پھر ہر شخص کو اُس کے کیے کا پورا عوض ملے گا۔

یعنی جو کچھ اُس نے کمایا تھا اُس کی پوری پوری جزاء دی جائے گی۔ اور ماقبل کے مناسب یہ تھا کہ کہا جاتا: ثُمَّ يُوَفّٰى مَا كَسَبَ (یعنی پہلے صیغہ مذکر چل رہا تھا اب بھی مذکر ہی کا صیغہ لایا جاتا) تو وجہ یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ نے) یہاں حکم کو عام کر دیا ہے۔ ایک تو اس سے مقصود یہ دلیل دینا تھی (کہ جب ہر ایک کو جزاء سزا ملے گی تو خائن کو بھی ملے گی) اور دوسرا اس سے مبالغہ مقصود ہے کہ جب دوسرے جرموں کو سزا ملے گی تو خیانت ایک بڑا جرم ہے اس کے مرتکب

Marfat.com

کو تو بالاولیٰ سزا ملے گی۔
وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ اور اُن پر بالکل ظلم نہ ہوگا۔
اُن میں سے کسی فرمانبردار کا ثواب کم نہ کیا جائے گا اور کسی نافرمان کی سزا زیادہ نہیں کی جائے گی۔
أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ سو ایسا شخص جو رضائے حق کا تابع ہو۔ اور طاعت گزار ہو۔
كَمَنْ بَاءَ کیا وہ اُس شخص کے مثل ہو جائے گا جو مستحق ہو۔
بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ غضب الٰہی کا۔
(اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا) بسبب نافرمانیوں کے۔
وَمَأْوٰهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہو اور وہ جانے کی بُری جگہ ہے۔
مَصیر اور مَرجع میں یہ فرق ہے کہ مصیر میں ضروری ہے کہ وہ پہلی حالت سے مختلف ہو اور مَرجَع میں ایسا ضروری نہیں اور جہنم بدترین جگہ ہوگی سب سے مختلف۔
هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ یہ (مذکورین) درجات میں مختلف ہوں گے اللہ کے نزدیک۔
اُنہیں درجات سے تشبیہ (استعارہ) کیا کیونکہ ثواب اور عذاب کے لحاظ سے اُن میں (ایسے ہی) فرق ہوگا (جس طرح سیڑھی کے درجوں میں اوپر نیچے وغیرہ) یا (اس کا معنی یہ ہے کہ) وہ درجوں والے ہوں گے۔ (ذُوْو درجات)
وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے ہیں اُن کے اعمال کو۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال اور درجاتِ اعمال سے جو اُن سے صادر ہوتے ہیں خوب واقف ہیں لہٰذا اُن کے مطابق اُن کو بدلہ دیں گے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا۔

(وہ مسلمان) جو آپ کی قوم میں سے آپ پر ایمان لائے تھے اُن پر انعام فرمایا اور خاص کر کے اُن پر احسان اس لیے بتلایا کہ اُنہوں نے اس نعمت سے زیادہ فائدہ اُٹھایا ورنہ آپ کی بعثت تو عام ہے (آپ رحمۃ للعالمین ہیں) اور اِسے لَمِنْ مَّنِّ اللّٰه بھی پڑھا گیا ہے جبکہ اسے مبتدا محذوف کی خبر قرار دیا جائے اور مبتدا محذوف مَنُّهٗ یا بَعْثُهٗ ہوگا۔

إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ جبکہ اُن میں اُنہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا۔

یعنی اُن کے خاندان (قریش) میں سے یا اُن کی جنس و قوم (عرب) میں سے (بھیجا) تاکہ وہ آنحضور (علیہ السلام) کے کلام کو سہولت سے سمجھ سکیں اور آپ کے حالات از قبیلِ صدق و امانت وغیرہ سے واقف ہوں اور آپ کی وجہ سے (دوسروں پر فخر کر سکیں اور بعض قُرّاء نے اسے مِنْ أَنْفَسِهِم (بفتح الفاء) پڑھا ہے یعنی آپ اُن میں سے شریف ترین ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قبائلِ عرب اور نیچے کی پشتوں میں بھی بلند تر قبیلے اور شاخ سے تعلق رکھتے ہیں۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ کہ وہ اُن کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں۔

یعنی قرآن پاک۔ بعد اس کے کہ وہ جاہل لوگ تھے اور وحی (کا نام بھی) نہ

Marfat.com

سُن پائے تھے۔

وَيُزَكِّيهِمْ اور اُن لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں۔

یعنی (ظاہری) طبائع کا میل کچیل بھی دُور کرتے ہیں اور (باطنی برائی) بد اعتقادی اور بدعملی کا گرد بھی صاف کرتے ہیں۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ اور اُن کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں۔

یعنی قرآن پاک اور سنتِ کریمہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام)

وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ اور بالیقین یہ لوگ اس سے قبل صریح غلطی میں تھے۔

یہاں اِن مخفّفہ من مثقّلہ ہے (یعنی اِنَّ سے تخفیف کرکے اِنْ پڑھا گیا) اور لَفِيْ ضَلٰل میں لام فارقہ (کہ اِنْ (نافیہ) وصلیہ نہیں بلکہ مخفّفہ من الثقیلہ ہے یہی بتلانے کے لیے) ہے اور معنیٰ یہ ہوگا: "اور حال یہ تھا کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے وہ کُھلی گمرہی میں تھے۔" {اِنْ كَانُوْا = اِنَّهُمْ كَانُوْا = (ضمیر شان محذوف ہوئی نون کو خفیف کیا لہٰذا) اِنْ كَانُوْا ہوا۔}

أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا اور جب تمہاری ایسی ہار ہوئی جس سے دوحصّے تم جیت چکے تھے تو کیا (ایسے وقت میں) تم (یوں) کہتے ہو کہ یہ کدھر سے ہوئی۔

(ہمزہ استفہام کا نہیں بلکہ تنبیہ کرنے اور (مفہومِ مابعد کو) ثابت کرنے کے لیے ہے اور واؤ عاطفہ ہے (عطف القصہ علی القصہ یعنی) اس جملے کا عطف اُن واقعات پر ہے جو اُحد کے بارے میں ذکر ہوئے (یعنی فرمایا تھا وَلَقَدْ صدقکم اللہ وعدہ اِذ تحسونھم الخ یہ اُسی پر عطف ہے) یا محذوف

Marfat.com

پر عطف ہے (جو ہمزہ کے بعد اور واؤ سے پہلے محذوف ہے) عبارت تقدیری یوں تھی اَفَعَلْتُمْ كَذَا وَ قُلْتُمْ ..... الخ لَمَّا، قُلْتُمْ کا ظرف ہے جس کی نسبت اَصَابَتْكُمْ کی طرف ہے یعنی تم نے یہ کہا جب تم پر مصیبت آ پڑی، وہ یہ کہ غزوۂ اُحد میں تمہارے ستّر آدمی شہید ہوئے جبکہ تم غزوۂ بدر میں اُس سے دُگنا پا چکے تھے۔ یعنی دشمن کے ستّر آدمی قتل اور ستّر ہی قیدی بنائے تھے" (پھر تم یہ کہتے ہو کہ) یہ مصیبت کہاں سے آئی۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں (فتح و) نصرت کا وعدہ دیا تھا۔

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ آپ فرما دیجیے کہ (یہ ہار) خاص تمہاری طرف سے ہوئی۔

یعنی یہ مصیبت اس[1] وجہ سے ہے جس کا خود تمہاری ذوات نے ارتکاب کیا کہ آنحضور علیہ السلام کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے مرکز[2] کو چھوڑ بیٹھے اور وعدۂ نصرت تو ثابت قدمی اور اطاعت سے مشروط تھا یا اس وجہ سے کہ تم نے ہی مدینہ سے نکل کر مقابلہ کرنے کو کہا تھا اور حضرت علیؓ[3] نے فرمایا کہ اس وجہ سے کہ تم نے غزوۂ بدر میں قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا تھا (اب اُس کا نتیجہ تمہیں یہاں نقصان اٹھانا پڑا)۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

جب وہ ہر بات پر قادر ہے تو وہ امداد دینے اور امداد روک لینے پر بھی قادر ہے اور اس بات پر بھی قادر ہے کہ تمہیں شکست دلائے — اور تمہیں فتح دینے پر بھی قادر ہے۔

وَمَا اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اور جو مصیبت تم پر

Marfat.com

پڑی جس روز کہ دونوں گروہ باہم مقابل ہوئے۔
ایک جماعت مسلمانوں کی اور دوسری جماعت مشرکین کی تھی۔ مراد غزوۂ اُحد ہے۔

فَبِاِذْنِ اللّٰهِ سو خدا تعالیٰ کی مشیئت سے ہوئی۔
یہ بات اللہ تعالیٰ کی قضاء (اور فیصلے) میں ایسے ہی تھی یا[۲] کفار کے کھلا چھوڑ دینے کو اِذْن سے تعبیر کیا کیونکہ تخلیہ (کھلا چھوڑ دینا) بھی لوازمِ اِذْن میں سے ہے۔

وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا اور تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کو بھی دیکھ لیں اور ان لوگوں کو بھی دیکھ لیں جنہوں نے نِفاق کا برتاؤ کیا۔

تاکہ مومنین اور منافقین میں خطِ امتیاز قائم ہو جائے اُن کا ایمان ظاہر ہو جائے اور اِن کا کفر و نفاق۔

وَقِيْلَ لَهُمْ اور اُن سے (یوں) کہا گیا۔

نَافَقُوْا پر معطوف ہے اور الّذین کا صلہ (ثانیہ) ہے۔ یا[۲] یہ بِنائے کلمہ ہے (اس کا ماقبل سے کوئی تعلق نہیں)۔

تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوِ ادْفَعُوْا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑنا یا دشمنوں کا دفعیّہ بن جانا۔

اس معاملے میں اُنہیں تقسیم بتا دی اور اختیار دے دیا کہ (چاہو تو) آخرت کی جزاء کے لیے جہاد کرو یا (کم از کم) اپنے جان و مال سے مدافعت (اور اُس کی حفاظت) کے لیے ہی جنگ میں حصہ لو۔ اور کہا گیا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ کافروں سے لڑو یا مجاہدین کے لشکر کو بڑھا کر اُن کا دفاع کرو کیونکہ لشکر

Marfat.com

کی زیادتی دشمن کو مرعوب کرتی ہے اور اُن کی طاقت کو توڑتی ہے۔
قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعْنٰكُمْ وہ بولے کہ اگر ہم کوئی ڈھنگ کی لڑائی دیکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے۔

اگر[1] ہم جانتے کہ اِسے صحیح معنٰی میں قتال کا نام دیا جا سکتا ہے تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیتے مگر یہ معاملہ جس میں تم ہو قتال نہیں کہلا سکتا بلکہ یہ تو اپنے آپ کو صریح ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ یا[2] یہ کہ ہمیں جنگ کرنا صحیح معنی میں آتا ہی نہیں، نہیں تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے اور یہ بدنیتی اور مذاق کی خاطر کہا۔
هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ یہ (منافقین) اس روز کفر سے نزدیک تر ہو گئے بہ نسبت اس حالت کے کہ وہ ایمان سے نزدیک تھے۔

اُن[1] کے (جنگ سے) پیچھے ہٹ جانے اور ایسی باتیں کرنے کے سبب سے کیونکہ یہ دونوں چیزیں (قول و فعل) پہلی علامات تھیں جس نے اُن کے کفر سے آگاہ کیا۔ اور[2] یہ بھی کہا گیا کہ جب اُن سے یہ باتیں صادر ہوئیں تو وہ گویا اہلِ کفر کی امداد کے زیادہ قریب تھے بہ نسبت اہلِ ایمان کے کیونکہ اُن کا پیچھے ہٹنا اور ایسی باتیں کہنا مشرکین کے لیے تقویت کا باعث تھا اور اہلِ ایمان کو باعثِ خذلان ـــــ (دوسری صورت میں لِلْكُفْرِ سے لِاَهْلِ الْكُفْرِ اور لِلْاِيْمَانِ سے لِاَهْلِ الْاِيْمَانِ مُراد لیں گے)
يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ یہ لوگ اپنے منہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو اُن کے دل میں نہیں۔

وہ جو کچھ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اُس کے خلاف ظاہر کرتے ہیں اور ایمان کے متعلق اُن کے دل اُن کی زبانوں کی موافقت نہیں کرتے اور قول کا اِسناد

Marfat.com

اَفْوَاہ (مُونہوں) سے کیا (حالانکہ باتیں تو منہ سے ہی کی جاتی ہیں تو وجہ یہ ہے) کہ اِس سے تاکید اور خاکہ کشی (محاکاۃ) مقصود ہے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یَکْتُمُوْنَ اور اللہ تعالیٰ خُوب جانتے ہیں جو کچھ یہ اپنے دل میں رکھتے ہیں۔

یعنی نفاق اور تنہائی میں جو ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں (اللہ تعالیٰ اِس سے بخوبی واقف ہے) کیونکہ وہ تو سب کچھ علمِ واجب کے ساتھ (بغیر کسی کی اعانت کے) تفصیلی طور پر جانتا ہے اور تم (صرف) اجمالاً (اور وہ بھی) علامات سے جان سکتے ہو۔

اَلَّذِیْنَ قَالُوْا یہ ایسے لوگ ہیں کہ باتیں بناتے ہیں۔

یَکْتُمُوْن کی (واؤ یعنی) ضمیر جمع غائب سے بدل ہو کر مرفوع ہے یا بنابر مذمّت منصوب ہے (یعنی اَذُمُّ فعل کا مفعول ہے جو ہمیشہ مقدّر مانا جاتا ہے) یا اَلَّذِیْن نَافَقُوْا کا وصف ہے [لہٰذا اُسی کا سا اِعراب (نصب) ہوگا] یا اَفْوَاھِھِم کی ضمیرِ مجرور سے بدل ہو کر مجرور ہے۔ یا قُلُوْبِھِم کی ضمیر مجرور سے بدل ہو کر مجرور ہے۔ جیسے ایک شاعر نے کہا ؎

عَلٰی حَالَۃٍ لَوْ اَنَّ فِی الْقَوْمِ حَاتِمًا
عَلٰی جُوْدِہٖ لَضَنَّ بِالْمَاءِ حَاتِم

(ایک ایسی حالت میں کہ اگر قوم میں حاتم بھی موجود ہوتا تو باوجود فیاضی اور سخاوت میں مشہور ہونے کے حاتم بھی پانی کے بارے میں بخل سے کام لیتا)۔ (یہاں مقامِ استدلال یہ ہے کہ قافیہ حاتم مجرور ہے جو اسم ظاہر ہونے کے باوجود جُوْدِہٖ کی ضمیر مجرور سے بدل واقع ہونے پر مجرور ہو گیا)۔

لِاِخْوَانِھِمْ اپنے بھائیوں کی نسبت۔

Marfat.com

یعنی اُن کی خاطر کہتے ہیں۔ اس سے مراد وُہ لوگ ہیں جو[1] اُن کے اقارب میں سے غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے یا[2] اُن کے متعلق جو اُن کے بھائی بند (نہ قریبی رشتے دار) شہید ہوئے۔

وَقَعَدُوْا بیٹھے ہوئے۔

حال ہے، اس سے پہلے قَدْ مقدّر ہے یعنی اُنہوں نے یہ کہا جبکہ وہ جنگ میں حصہ نہیں لے رہے تھے۔

لَوْ أَطَاعُوْنَا کہ اگر ہمارا کہنا مانتے۔

اور مدینہ میں بیٹھے رہتے۔

مَا قُتِلُوْا تو قتل نہ کیے جاتے۔

جیسے ہم قتل نہ ہوئے وہ بھی قتل نہ ہوتے اور نیچ جلتے اور ہشام نے لسے (مَا قُتِّلُوْا) تاء کی تشدید سے پڑھا ہے (یعنی اس طرح سختی سے قتل نہ کیے جاتے)

قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ آپ فرما دیجیے کہ اچھا تو اپنے اُوپر سے موت کو ہٹاؤ اگر تم سچے ہو۔

یعنی اگر تم (اپنے دعوٰی میں) سچے ہو کہ تم موت کو (اُس شخص سے) دُور کر سکتے ہو (جس پر موت یا قتل ہونا لکھا گیا ہے) تو پھر اپنی جانوں کو ہی موت اور اُس کے اسباب سے بچا لو کیونکہ تم اس کے زیادہ لائق ہو۔ اور مطلب یہ ہے کہ (جنگ سے) بیٹھ رہنا موت سے بچانے والا نہیں کیونکہ موت کے اسباب بہت زیادہ ہیں۔ جس طرح قتال موت کا اور (گھر میں) بیٹھ رہنا نجات کا سبب بن سکتا ہے بالکل اسی طرح معاملہ اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے (کہ جو

Marfat.com

جنگ میں گیا ہو وہ بچ جائے اور گھر میں بیٹھ رہنے والے کو موت آلے)۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا

اور (اے مخاطب) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے اُن کو مُردہ مت خیال کرو۔

شانِ نزول: شہدائے اُحد کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شہدائے بدر کے متعلق نازل ہوئی اور خطاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے یا ہر شخص کے لیے (جو پڑھے یا سنے) اور اسے یا کے ساتھ (وَلَا يَحْسَبَنَّ) بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں ضمیر کا اسناد حضور علیہ السلام کی طرف ہوگا یا (۲) (ضمیر غائب کا مرجع عام ہوگا کہ) جو شخص گمان کرتا ہو یا (۳) الّذین قُتِلُوْا کی طرف اس ضمیر کا مرجع ہے (یعنی الّذین قُتِلُوْا اس کا فاعل ہوگا۔) اور (حَسِبَ افعالِ قلوب میں سے ہے جس کے دو مفعول آتے ہیں جب الّذین قُتِلُوْا فاعل ہوا تو) مفعول اوّل (اَنْفُسَهُم وغیرہ) محذوف ہوگا کیونکہ نحوی قاعدہ ہے کہ جب قرینہ موجود ہو تو مفعولِ اوّل کا حذف جائز ہوتا ہے اور ابن عامر نے (الّذین قُتِلُوْا کو) باب تفعیل سے قُتِّلُوْا پڑھا ہے جو کثرۃِ مقتولین پر دلالت کرتا ہے۔

بَلْ اَحْيَاءٌ بلکہ وہ تو زندہ ہیں۔

مبتدا محذوف ہے یعنی هُمْ اَحْيَاءٌ اور اسے منصوب بھی پڑھا گیا اس بنا پر کہ اَحْسَبُهُمْ محذوف مقدر ہے اور یہ اُس کا مفعول ثانی ہے۔

عِنْدَ رَبِّهِمْ اپنے پروردگار کے مقرّب ہیں۔

يُرْزَقُوْنَ اُنہیں رزق بھی ملتا ہے۔

یعنی جنّت سے (اُنہیں رزق دیا جاتا ہے) اور یہ اس بات کی پختگی پر دالّ ہے کہ وہ واقعۃً زندہ ہیں، (صرف شہرت وغیرہ کی بنیاد پر نہیں)۔

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وہ خوش ہیں اس چیز سے جو اُنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی۔

(مِنْ فَضْلِهٖ بیان ہے مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ کا) اور وہ ہے شرفِ شہادت اور ہمیشہ کی زندگی پانے میں کامیابی اور اللہ تعالیٰ کا قرب اور جنت کی نعمتوں سے مُتمتّع ہونا۔

وَيَسْتَبْشِرُوْنَ اور وہ خوش ہوتے ہیں بشارت پاکر۔

بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ اُن لوگوں کی اس حالت پر جو اُن کے پاس نہیں پہنچے۔

یعنی اُن کے مومنین بھائی جو ابھی درجۂ شہادت پاکر اُن سے مل نہیں سکے۔

مِّنْ خَلْفِهِمْ اُن سے پیچھے رہ گئے ہیں۔

یعنی جو زمانے یا درجے کے لحاظ سے اُن سے پیچھے ہیں۔

اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ یہ کہ اُن پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہونگے۔

الذین لم یلحقوا سے بدلِ (اشتمال) ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ وہ خوش ہیں اس لحاظ سے کہ آخرت کا معاملہ اُن پر کھل چکا اور اُن لوگوں کا معاملہ بھی جنہیں اُنہوں نے اہلِ ایمان میں سے اپنے بعد چھوڑا ہے اور وہ یوں کہ جب وہ فوت ہوں گے یا شہادت پائیں گے تو ایسی زندگی پائیں گے جسے کسی چیز کے ہونے اور کسی محبوب چیز کے کھو جانے کا خوف مکدّر نہیں کرے گا۔ اور یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ انسان اس محسوس ڈھانچے کو چھوڑ کر کچھ اور چیز ہے بلکہ وہ ایک جوہر ہے جو اپنی ذات میں اِدراک رکھتا ہے اور وہ بدن کے خراب ہو جانے سے فنا نہیں ہو جاتا اور نہ ہی اس (جسم) کے ساتھ اُس کا اِدراک اور

Marfat.com

اُس کا رنجیدہ ہونا اور اُس کا لذّت حاصل کرنا موقوف (و منحصر) ہے اور اس بات کی تائید آلِ فرعون کے متعلق اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے: اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا {اُن (آل فرعون) کو صبح و شام آگ دکھائی جاتی ہے۔} (معلوم ہوا اُن کی رُوح زندہ ہے جسے آگ سے دُکھ دیا جاتا ہے)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا "اَرْوَاحُ الشُّهَدَاءِ فِیْ اَجْوَافِ طَیْرٍ خُضْرٍ تَرِدُ اَنْهَارَ الْجَنَّةِ وَتَاْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا وَتَاْوِیْ اِلٰی قَنَادِیْلَ مُعَلَّقَةٍ فِیْ ظِلِّ الْعَرْشِ" (شہداء کی رُوحیں سبز رنگ کے پرندوں کی صورت میں جنّت کی نہروں پر آتی ہیں جنت کے پھل کھاتی ہیں اور پھر عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی قندیلوں میں آرام پاتی ہیں) اور جن لوگوں (معتزلہ وغیرہ) نے اس بات کا انکار کیا اور کہا کہ رُوح تو ایک قسم کی ہوا اور عَرَض ہی ہے (کہ جسم کے ساتھ وہ بھی فنا ہو جاتی ہے) اُنہوں نے (اِس آیت کی تفسیر میں یُوں) کہا کہ وہ (شہداء) قیامت کے دن زندگی پائیں گے اور اسے صیغۂ حال سے تعبیر کیا گیا کیونکہ[1] (مستقبل میں) اُن کا زندہ ہونا متیقّن الوقوع اور ناگزیر ہے اور اُس کے قرب کی وجہ سے یا[2] وہ ذکرِ (خیر) کی وجہ سے زندہ ہیں (کہ اپنی یاد باقی چھوڑ گئے) یا[3] اپنے ایمان کی وجہ سے (گویا وہ) زندگی پا گئے ـــــ اور اس آیت میں جہاد[1] کی ترغیب دی گئی ہے اور شہادت[2] (کے حصول) کا شوق دلایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ[3] کی عبادت و طاعت میں زیادہ ہونے پر اُبھارا گیا ہے اور اُن[4] لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو اپنے بھائیوں کے لیے اُسی طرح کے انعامات کی تمنّا رکھتے ہیں جو اُن پر ہوئے اور مؤمنین کو فلاح (و نجات) کا مُژدہ سنایا گیا ہے۔

یَسْتَبْشِرُوْنَ وہ خوش ہوتے ہیں۔

Marfat.com

اسے تاکید کی خاطر دوبارہ لائے ہیں اور اس لیے بھی کہ جو چیز اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ سے متعلق (و مربوط) تھی اُسے بیان کر دیا جائے (اس صورت میں بشارت کا سبب ایک ہی تھا بخلاف صورتِ آئندہ کے جس میں دونوں بشارتیں مختلف متعلقات رکھتی ہیں وہ یہ کہ) ہو سکتا ہے پہلی بشارت اور خوشی اُن کی بھائیوں کے حال کے بارے میں ہو اور اِس جگہ اُن کی اپنی ذوات مُراد ہوں۔

بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ بوجہ نعمتِ خداوندی کے۔

یعنی اپنے اعمال کے بدلے میں۔

وَفَضْلٍ اور (بوجہ) فضلِ (الٰہی) کے۔

یعنی اُن کے اجر و ثواب سے زیادہ عطا کریں گے جیسے کہ فرمایا لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (جن لوگوں نے نیکی کی اُنہیں نیکی ملے گی بلکہ اس کے علاوہ بھی بڑا ثواب) اور نِعْمَةٍ اور فَضْل دونوں نکرہ لائے گئے اُن کی عظمت بتلانے کی خاطر (تنکیر للتعظیم)۔

وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور بوجہ اس کے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔

یہ بھی منجملہ اُنہی باتوں کے ہے جن سے وہ خوشی و مسرّت پا رہے ہیں اور اس کا عطف فَضْلٍ پر ہے۔ اور کِسائی نے کسر کے ساتھ (اِنَّ) پڑھا ہے اس بناء پر کہ یہ جملۂ مستأنفہ معترضہ ہے جو اس بات پر دلیل ہے کہ جو کچھ اُنہیں ملا ہے اُن کے ایمان کے صلے میں ملا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کے پاس (سرمایۂ) ایمان نہیں اُس کے اعمال اکارت جائیں گے اور اُس کا اجر و ثواب ضائع ہوگا۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَا

Marfat.com

أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو قبول کرلیا بعد اس کے کہ اُن کو زخم لگا تھا۔

(گزشتہ آیت میں) المؤمنین موصوف اور یہ جملہ اُس کی صفت ہے (لہٰذا مجرور ہے) یا منصوب علی المدح ہے (کہ شروع میں اَمْدَح) فعل مقدر ماننا پڑے گا) یا مبتدا (مرفوع) ہے اور اس کی خبر (آگے آتی) ہے۔

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ اُن لوگوں میں جو نیک اور متقی ہیں اُن کے لیے ثوابِ عظیم ہے۔

(اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی دعوت کو قبول کرنے والے) تمام (ایمانداروں) کے لیے اجرِ عظیم ہے اور (یہاں مِنْهُمْ میں) مِنْ بیانیہ ہے (یعنی وہ حُسنِ اعمال اور شرعی احتیاط کی زندگی بسر کرتے ہیں) اور اُن کے دو وصف بیان فرمائے ایک تو اُن کی مدح کی خاطر اور دوسرا (اجرِ عظیم کی) عِلّت (وسبب بیان کرنے) کی خاطر، (یہ دو وصف اُن کی) تقیید وحصر کے لیے نہیں (بیان کیے) کیونکہ دعوت قبول کرنے والے (اور لبّیک کہنے والے) (الّذین استجابوا) سب کے سب محسنین ومتّقین ہیں۔

شانِ نزول: روایت ہے کہ جب ابوسفیان اور اُس کے ساتھی واپس ہوگئے اور (مقامِ) رَوْحَاء پہنچے تو پشیمان ہوئے اور واپس لوٹنے (اور حملہ کرنے) کا ارادہ کیا۔ حضور علیہ السلام کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو اُن لوگوں کے تعاقب کی دعوت دی اور یہ بھی فرما دیا کہ ہمارے ساتھ صرف وہی لوگ شریک ہو سکتے ہیں جو کل ہمارے ساتھ شریکِ جنگ تھے۔ پس آپ ایک جماعت لے کر نکلے اور 'حمراء الاسد' تک جا پہنچے جو مدینہ منوّرہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ باوجودیکہ آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ

علیہم اجمعین زخموں (کی وجہ) سے (تکلیف میں) تھے تاہم اُنہوں نے اپنی جانوں پر بوجھ ڈالا تاکہ اُن سے (جہاد کا) اجر کھو نہ جائے مگر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دلوں میں رُعب ڈال دیا اور وہ چلے گئے اُس وقت یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ یہ ایسے لوگ ہیں کہ لوگوں نے ان سے کہا۔

یعنی[1] بنی عبدقیس کا وہ قافلہ جو اُن (مسلمانوں) کو راستے میں ملے تھے۔ یا[2] نُعَیم بن مسعود اشجعی مراد ہے اور (بصورتِ ثانی) شخصِ واحد کے لیے النّاس کی تاویل یہ ہوگی کہ وہ بھی ان کی جنس میں سے تھا جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص تو گھوڑوں پر سوار ہوتا ہے حالانکہ وہ ایک گھوڑے پر ہی سوار ہوتا ہے یا[3] یہ کہ نُعَیم اشجعی اکیلا مُراد نہیں بلکہ وہ سب لوگ جو اُس نے اپنے ساتھ اہلِ مدینہ میں سے ملا لیے تھے اور افواہیں پھیلانے میں اپنے ساتھ شریک کر لیے تھے۔

اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ کہ ان لوگوں نے تمہارے لیے سامان جمع کیا ہے سو تمہیں اُن سے اندیشہ کرنا چاہیے۔

یہاں النّاس سے مُراد ابوسفیان اور اُس کے ساتھی ہیں۔ روایت ہے کہ جب وہ اُحد سے واپس ہونے لگا تو پکار کر کہا: "اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اب ہمارا مقابلہ آئندہ بدر کے میلے کے دنوں ہوگا بشرطیکہ آپ مقابلہ کرنا چاہیں۔" آپ نے جواب دیا: "انشاء اللہ (ضرور مقابلہ ہوگا)" (اِنْ شِئْتَ کے جواب میں انشاء اللہ کہہ کر گویا تصحیح بھی فرما دی اور چیلنج بھی قبول فرما لیا) پھر جب موقع آیا تو ابوسفیان مکّہ والوں کو لے کر نکلا اور مرّ الظہران میں آکر پڑاؤ ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے دل میں رعب ڈال دیا اور اُس نے واپسی

Marfat.com

کی ٹھان لی۔ اس موقع پر بنی عبد قیس کا ایک قافلہ اُس کے پاس سے گزرا جو مدینہ سے اناج خریدنے جا رہا تھا۔ ابوسفیان نے اُنھیں ایک اونٹ کا بوجھ کشمش دینے کا وعدہ کیا کہ وہ مسلمانوں کو جا کر روک دیں۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ ابوسفیان کی ملاقات نُعَیم بن مسعود سے ہوئی جو عُمرہ کرنے مکہ آیا تھا۔ ابوسفیان نے اُس سے بات کی اور اُسے دس اونٹ دینے کا وعدہ کیا تو نُعَیم روانہ ہو گیا۔ اُس نے دیکھا کہ مسلمان تیاری کر رہے ہیں، اُس نے اُن سے کہا کہ وہ لوگ تمہارے گھروں میں (تمہارے دیس میں جنگ لڑنے) آئے تھے تو تم میں سے کوئی نہ بچ سکا تھا سوائے اُن کے جو بھاگ گئے تھے، اب کیا تم یہ مناسب سمجھتے ہو کہ اُن کے مقابلے کے لیے نکلو جبکہ اُنھوں نے ایک جمعیت اکٹھی کر لی ہے۔ اس پر مسلمان سُست پڑنے لگے۔ آنحضور علیہ السلام نے فرمایا: قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں تو ضرور (جہاد کے لیے) نکلوں گا خواہ میرے ساتھ کوئی بھی نہ نکلے۔ پھر آپ ستّر سواروں کے ہمراہ روانہ ہوئے اور وہ کہہ رہے تھے حَسْبُنَا اللّٰہ ..... الخ

فَزَادَهُمْ إِيمَانًا سو اس نے اُن کے ایمان کو اور زیادہ کر دیا۔

زاد کی ضمیرِ مستتر اُس قول کے لیے ہے جو اُن سے کہا گیا تھا (یعنی ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم) یا قال کے مصدر کی جانب راجع ہے (یعنی اس کہنے نے ایمان بڑھا دیا) یا اس کا فاعل وہی ہے جو قال کا فاعل ہے بشرطیکہ اس سے صرف نُعَیم مراد لیا جائے اور ضمیر بارز (هُمْ) سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں یہ بات کہی گئی تھی (یعنی مسلمان) اور معنیٰ یہ ہوگا کہ اُنھوں نے اُس (کے پراپیگنڈے) کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور نہ کمزوری دکھائی بلکہ اس سے اُن کا یقین اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور پختہ ہو گیا اور اُن کا ایمان بڑھ گیا۔ اُنھوں نے حمیّتِ اسلام کا مظاہرہ کیا اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی نیّت کو

Marfat.com

خالص کر لیا۔ اور یہ (آیت) دلیل ہے اس بات کی کہ ایمان بڑھتا اور گھٹتا ہے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول اس کی مزید تقویت کرتا ہے، آپ نے کہا: اے پیغمبرِ خدا! کیا ایمان بڑھتا اور گھٹتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "ہاں بڑھتا ہے حتی کہ اہلِ ایمان جنّت میں چلا جاتا ہے اور گھٹتا بھی ہے حتی کہ وہ شخص دوزخ میں پہنچ جاتا ہے۔" اگر طاعت و فرمانبرداری کو منجملہ ایمان کے شمار کیا جائے تو یہ بات ظاہر ہے اور اگر طاعت کو ایمان کا حصہ قرار نہ دیا جائے تو اس صورت میں یہاں ہم کہیں گے کہ یقین بڑھتا ہے عادت کی وجہ سے اور کثرتِ غور و فکر کی وجہ سے اور کئی دلائل کے باہم مل جانے کی وجہ سے۔

وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ اور (انہوں نے) کہہ دیا کہ ہمیں حق تعالیٰ کافی ہے۔

{حَسْب مصدر ہے جو اسم فاعل کے معنی میں آیا ہے (مُحْسِبٌ)} یعنی ہمیں کفایت کرتا ہے۔ یہ اَحْسَبَهٗ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے وہ اسے کافی ہے۔ اس میں دلیل یہ ہے کہ یہاں حَسْب مصدر بمعنی صیغۂ صفت ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حسب مضاف کیا جائے اپنے مابعد کی طرف تو اس کے اندر کوئی تعریف پیدا نہیں ہوتی جیسے کہا جاتا ہے هٰذا رجلٌ حَسْبُكَ (یہ شخص تجھے کافی ہے)۔

وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لیے اچھّا ہے۔

اور وہ اچھا ہے جس کی طرف معاملہ سپرد کیا جائے۔

فَانْقَلَبُوْا پس یہ لوگ واپس آئے۔

(بدر سے)

بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ خدا کی نعمت کے ساتھ۔

(نعمت کا معنی ہے) عافیت کے ساتھ اور ایمان پر پختگی اور اس میں اضافے کے ساتھ۔

Marfat.com

وَفَضْلٍ اور فضل کے ساتھ۔

یعنی تجارت میں نفع کے ساتھ۔ اس لیے کہ جب یہ لوگ بدر پہنچے وہاں اُنہوں نے میلہ پایا چنانچہ اُنہوں نے وہاں تجارت کی اور فائدہ اُٹھایا۔

لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ اُنہیں کوئی ناگواری ذرا پیش نہیں آئی۔

یعنی (اُنہیں) کوئی زخم وغیرہ (بھی نہیں پہنچا) اور نہ دُشمن کی چالیں (اُنہیں نقصان پہنچا سکیں)۔

وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ اور وہ لوگ رضائے حق کے تابع رہے۔

اللہ کی رضا جو کامیابی کا مدار ہے دونوں عالموں کی بھلائی کے ساتھ اپنی جرأت اور اللہ کی راہ میں نکلنے کے سبب۔

وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے۔

اُس نے اُن پر فضل فرمایا کہ ثابت قدم رکھا، ایمان میں برکت عطا کی، جہاد کی طرف سبقت کی توفیق دی، دین میں مضبوطی عطا کی، دشمن کے خلاف جرأت کی توفیق دی اور ہر بُرائی سے اُن کی حفاظت کی اور (آخرت میں) اجر کی ضمانت کے ساتھ اُنہیں نفع بھی پہنچایا حتی کہ وہ اللہ کی نعمت اور مہربانی حاصل کرکے واپس ہوئے۔ اور اس آیت میں جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کے لیے حسرت دلانا مقصود ہے اور اُنہیں غلطی جتلانا مقصود ہے کہ اُنہوں نے اپنے آپ کو اُس چیز سے محروم رکھا جسے اِن خوش نصیبوں نے حاصل کیا۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہ یہ شیطان ہے۔

شیطان سے مراد جہاد سے روکنے والا نعیم اشجعی ہے یا ابوسفیان مُراد ہے اور الشیطان[1]، ذالکم کی خبر ہے اور اس کا ما بعد یُخَوِّفُ اولیاءہ

Marfat.com

اُس کی شیطنت کا بیان ہے یا الشیطان، ذالکم کی صفت ہے (یہ صفت موصوف مرکب توصیفی مبتدا ہے اور) مابعد اُس کی خبر ہے اور[۳] یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ذالکم کا اشارہ قولِ شیطان کی طرف ہو یعنی مضاف محذوف ہو۔ اصل عبارت یہ ہے اِنّما ذالکم قولُ الشیطان یعنی ابلیس علیہ اللعنۃ کا قول ہے۔

یُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ کہ اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔

اولیاء سے مُراد وہ لوگ ہیں جو حضور علیہ السلام کے ساتھ جہاد کے لیے نہیں نکلے اور مدینہ میں بیٹھے رہے۔ یا[۲] یہ کہ (مفعول اوّل مقدر ماننا پڑے گا یعنی یخوّفکم اولیاءَہٗ اس صورت میں) اولیاء سے مراد ابوسفیان اور اُس کے ساتھی ہوں گے۔

فَلَا تَخَافُوهُمْ سو تم اُن سے مت ڈرنا۔

(مخاطب مسلمان ہیں) ضمیرِ منصوب هُمْ پہلی صورت میں (جو اوپر ذکر ہوئی) الناس ثانی کی طرف راجع ہے (یعنی انّ الناس قد جمعوا لکم اور اس سے مُراد ابوسفیان اور اُس کے ساتھی ہیں) اور بصورتِ[۲] دوم (جبکہ اولیاء سے مُراد ابوسفیان وغیرہ ہوں تو) یہ ضمیر أولیاء کی طرف ہی راجع ہوگی۔

وَخَافُونِ اور مجھ ہی سے ڈرنا۔

یعنی میرے حکم کی مخالفت میں (مجھ سے ڈرو) لہٰذا (تمہیں مناسب ہوگا کہ) میرے پیغمبر کے ساتھ ہو کر دشمنوں سے لڑو۔

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ اگر تم ایمان والے ہو۔

کیونکہ ایمان تقاضا کرتا ہے کہ اللہ کے خوف کو انسان کے خوف پر ترجیح دی جائے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ اور آپ کے لیے وہ لوگ موجبِ غم نہ ہونے چاہئیں جو جلدی سے کفر میں جا پڑتے ہیں۔ اور یہ[1] منافقین تھے جو جنگ میں شریک نہ ہوئے تھے یا[2] وہ لوگ جو اسلام سے پھر گئے تھے۔ اور معنیٰ یہ ہے کہ اُن سے ضرر کا خوف آپ کو مغموم نہ کرے کہ وہ آپ کے خلاف دشمنوں کی امداد کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ

اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا یقیناً وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ذرّہ برابر بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔

یعنی وہ اللہ کے دوستوں کو باوجود اپنی کافرانہ حرکات میں تیز گامی کے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے بلکہ وہ تو اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اور شَيْئًا مفعول بہ بھی ہو سکتا ہے اور[2] (مصدر یعنی) مفعول مطلق بھی جبکہ اسے ضَرًّا کے معنی میں لیا جائے۔ اور نافع نے پورے قرآن پاک میں جہاں بھی آیا ہے اِسے (باب افعال سے) يُحْزِنُ پڑھا ہے سوائے سورۃ انبیاء کے (کہ وہاں اس نے بھی ثلاثی مجرّد سے) يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ پڑھا ہے اور باقی قرّاء نے ہر جگہ اسی طرح (ثلاثی مجرد سے) پڑھا ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ آخرت میں سے اُن کو اصلاً حصہ نہ دے۔

یعنی آخرت میں ثواب کا کوئی حصہ (نہ ملے) اور اس میں دلیل ہے کہ وہ سرکشی میں انتہا کو پہنچ چکے ہیں اور کفر پر مریں گے۔ اور یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے (یرید اللہ) تو اس سے یہ جتانا مقصود ہے کہ اُن کا کفر حد درجہ کو پہنچ گیا حتی کہ ارحم الراحمین (سب مہربانوں سے بڑے مہربان) نے بھی

یہی ارادہ کر لیا کہ (آخرت میں) اُس کی رحمت سے اُن کے لیے کوئی حصہ نہ ہو۔
اور اُن کا کفر میں تیزی سے بڑھنا بھی اسی لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا
کہ آخرت میں اُن کا کوئی (اجر و ثواب کا) حصہ ہو۔
وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ اور اُن لوگوں کو سزائے عظیم ہوگی۔
یعنی ثواب سے محرومی کے ساتھ ساتھ (بڑی سزا بھی اُنہیں ملے گی)۔
إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ
يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ یقیناً جتنے لوگوں
نے ایمان کی جگہ کفر کو اختیار کر رکھا ہے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ذرّہ برابر ضرر نہیں
پہنچا سکتے اور اُن کو دردناک سزا ہوگی۔
تاکید[1] کی خاطر دوبارہ لایا گیا ہے (کیونکہ پہلے بھی لن یضروا اللہ گزرا ہے)
یا جنگ سے پیچھے رہ جانے والے منافقین یا مرتدینِ عرب کی تخصیص کے بعد
یہاں تمام کافروں کے لیے مطلقاً فرمایا۔
وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ
خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں آپ ہرگز خیال نہ
کریں کہ ہمارا اُن کو مہلت دینا اُن کے لیے بہتر ہے۔
حضور[i] علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب ہے یا[ii] ہر اُس شخص کو جو گمان کرے۔
اور[1] الذین کفروا مفعول بہ ہے اور أنّما نُملی لَهُمْ اُس سے بدل
ہے اور یہاں ایک ہی مفعول پر اکتفاء کیا گیا (جبکہ حَسِب از قبیل افعالِ
قلوب ہے کہ دو مفعول چاہتا ہے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں سارا بھروسہ
بدل پر ہے جو دو مفعولوں کا قائم مقام بھی ہو سکتا ہے جیسے کہ فرمایا أَمْ تَحْسَبُ
أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ (یہاں اکثرھم کا بدل یسمعون ہے)۔

Marfat.com

[۲] یا مفعول اول الذین کفروا اور مفعول ثانی مضاف محذوف مقدر مانیں گے تقدیر عبارت یوں ہوگی (ا) لَا تحسبنّ الذین کفروا اصحابَ أنّ الإملاء خیر لأنفسھم {أنّما + مَا (مصدریہ)} (ب) یا یوں تقدیر عبارت ہوگی لَا تحسبنّ حَالَ الّذین کفروا أنّ الإملاء خیر لأنفسھم اور أنّما میں مَا مصدریّہ ہے لہذا مناسب یہ تھا کہ اسے (أنّ سے ملا کر نہ لکھا جاتا بلکہ) الگ لکھا جاتا (کیونکہ مَا کافّہ مُلغٰی عن العمل إنّ کے ساتھ ملا کر لکھی جاتی ہے اور مَا مصدریہ الگ مگر یہاں) اس لیے (ملا کر لکھی گئی) کہ مُصحفِ عثمانی میں ملا کر لکھی ہوئی پائی گئی لہذا اُس کا اِتّباع کیا گیا۔

[۳] اور ابن کثیر، ابوعمرو، عاصم، کسائی اور یعقوب نے (لَا تَحْسَبَنّ کو بصیغہ مذکر غائب) لَا یَحْسَبَنّ پڑھا ہے اس بناء پر الّذین کفروا فاعل ہے اور أنّ اپنے ساتھ والوں سمیت مفعول ہے اور ابن عامر، حمزہ اور عاصم نے پورے قرآن مجید میں فتحۂ سین سے (یعنی باب سمِع یسمَع) سے پڑھا ہے اور (ا) اِملاء کا معنیٰ ہے مُہلت دینا اور عمر کو طویل کرنا اور (ب) یہ بھی کہا گیا کہ اس کا معنیٰ ہے "اُنہیں اُن کی حالت پر چھوڑ دیا" عرب کہتے ہیں أَمْلٰی لِفَرَسِہٖ جب کوئی شخص اپنے گھوڑے کی رسی کو ڈھیلا چھوڑ دے تاکہ وہ جیسے چاہے چرتا رہے۔

إِنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ لِیَزْدَادُوْا إِثْمًا ہم اُنہیں صرف اس لیے مہلت دے رہے ہیں تاکہ جُرم میں اُنہیں اور ترقی ہو جاوے۔

یہ نیا جملہ ہے جو حکم ماقبل کی علّت (وسبب) کا حامل ہے اور مَا کافّہ ہے اور (لیزدادوا میں) لام لامِ ارادہ ہے (یعنی یہ لوگ اتنے گناہ گار ہیں کہ اللہ کا ارادہ بھی اُنہیں گناہ میں بڑھانے کا ہو گیا ہے) معتزلہ کے نزدیک لامِ لامِ عاقبت ہے (یعنی انجام کار ایسا ہوا ـــــ جیسے "فالتقطه آلُ

Marfat.com

فرعونَ لِيكونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا" میں بھی لامِ عاقبت ہے کہ انجام کار حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کے دُشمن ہوتا تھے۔)

اور یہاں (اِنّما کو بالفتحہ) أنّما اور سابقہ أنّما کو (بالکسر) إنّما اور لَا تَحْسَبَنَّ کو بصیغہ غائب لَا يَحْسَبَنَ بھی پڑھا گیا۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ کافر یہ گمان نہ کریں ہمارا مہلت دینا اس لیے ہے کہ وہ زیادہ گناہ کریں بلکہ اس لیے ہے کہ وہ توبہ کریں اور ایمان میں داخل ہوں اور "إنّما نُملی لَهُمْ خَيْرٌ لأنفسهم" جملہ معترضہ ہے کہ کافر متنبہ ہو کر تلافیٔ مافات کرلیں۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ اور اُن کو توہین آمیز سزا ہوگی۔

یعنی اِن اعمال کے بدلے میں اُنہیں یہ سزا ملے گی) یہ جملہ لِيَزْدادوا کی ضمیر (هُمْ) سے حال واقع ہوا ہے یعنی حَالَ كَوْنِ الْعَذَابِ المهين مُعَدًّا لَهُمْ (وہ گناہوں میں بڑھتے رہیں اس حال میں کہ رُسوا کُن عذاب اُن کے لیے تیار ہو چکا ہے)۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلٰى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت میں نہیں رکھنا چاہتے جس پر تم اب ہو جب تک کہ ناپاک کو پاک سے متمیّز نہ فرما دیں۔

یہ خطاب عام ہے تمام مخلِص مسلمانوں اور منافقین کو جو آپ کے عہد مبارک میں تھے اور معنیٰ یہ ہے کہ وہ تمہیں ملا جُلا نہیں چھوڑے گا کہ مخلص کو منافق سے الگ نہ پہچانا جا سکے یہانتک کہ اپنے پیغمبر کی طرف تمہارے احوال کے متعلق وحی کر کے منافق کو (مؤمنِ) مخلص سے الگ کر دے گا۔ یا یہ کہ (مُسلم معاشرے کو)

ایسے اعمال کا مکلّف قرار دے کہ اُن اعمال پر صرف مخلص ہی صبر (و پابندی) کر سکیں (وہ اعمال کیا ہوں گے؟) یہ کہ مال اور جان اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ہوگا تاکہ حضور اکرم علیہ السلام تمہاری مخفی باتوں کو جانچ لیں اور اُن کے ذریعے تمہارے عقائد پر آگاہ ہو سکیں ـــــ اور حمزہ اور کسائی نے یہاں تو حَتّٰی یَمِیْزَ پڑھا ہے اور سورۂ انفال میں یاء کی پیش، میم کی زبر اور یاء (ثانی) کو مکسور مشدّد پڑھا ہے (یعنی یُمَیِّزَ) اور باقی قرائے نے (ہر جگہ) فتحہ یاء، کسرِ میم اور سکونِ یاءِ ثانیہ سے (یَمِیْزَ یعنی ثلاثی مجرّد سے ہی) پڑھا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اور اللہ تعالیٰ ایسے اُمورِ غیبیّہ پر تمہیں مُطّلع نہیں کرتے ولیکن ہاں جسے خود چاہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اُنہیں مُنتخب فرما لیتے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو علمِ غیب نہیں دیتا کہ تم دلوں کے کفر و ایمان پر آگاہ ہو جاؤ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی رسالت کے لیے جسے چاہتا ہے چُن لیتا ہے پھر اُس کی طرف وحی کرتا ہے اور بعض غیب کی باتیں بتا دیتا ہے یا کچھ علامات دیتا ہے جس سے وہ راہنمائی پا سکیں۔ {اللہ کا علم ذاتی اور غیر مُکتسَب ہوتا ہے نبی کا مُکتسَب من اللہ، اللہ کا علم کلّی ہوتا ہے پیغمبر کا جزئی اور پیغمبر تمام مغیبات کا عالِم نہیں ہوتا}۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ پس اب اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ۔

صفتِ اخلاص سے متصف ہو کر ایمان لاؤ یا یہ کہ تم صرف اللہ کو ہی

Marfat.com

غیب پر مُطّلع سمجھو اور یہ یقین کر لو کہ وہ (پیغمبر) اللہ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں وہ کچھ نہیں جانتے سوا اُس کے جو اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بتایا اور وہ کچھ نہیں کہتے مگر وہ باتیں جو اللہ نے اُن کی طرف وحی کیں۔

شانِ نزول: ۱- منقول ہے کہ کافروں نے کہا کہ اگر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سچے ہیں تو ہمیں بتائیں کہ ہم میں سے کون ایماندار ہے اور کون کافر اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۲- اور سدّیؒ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ "مجھ پر میری اُمّت پیش کی گئی اور مجھے معلوم کرایا گیا کہ کون مجھ پر ایمان رکھتا ہے اور کون نہیں"۔ اس پر منافقین نے کہا کہ آپ کو گمان ہے کہ آپ پہچانتے ہیں اپنے پر ایمان رکھنے والے کو بھی اور نہ ماننے والے کو بھی حالانکہ ہم اُن کے ساتھ رہتے ہیں اور آپ ہمیں نہیں پہچانتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَإِنْ تُؤْمِنُوا اور اگر تم ایمان لے آؤ۔

جیسے ایمان لانے کا حق ہے۔

وَتَتَّقُوا اور پرہیز رکھو۔

نفاق سے بچتے رہو۔

فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ تو پھر تمہیں اجرِ عظیم ملے۔

(اِتنا کہ) اُس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم اور ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیزوں میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات کچھ اُن کے لیے اچھی ہوگی۔

اس میں بھی پہلے کی طرح قرأتیں ہیں (یعنی لا یحسبنّ ، تحسبنّ وغیرھما) اور جس نے تا سے پڑھا ہے اُس نے مضاف مقدر کیا ہے تاکہ دو مفعول ایک دوسرے پر محمول ہوں (کیونکہ یحسب کے مفعولین دراصل مبتدا اور خبر ہوتے ہیں اور ایک دوسرے پر محمول ہوتے ہیں اور صادق آتے ہیں) تقدیر عبارت یوں ہوگی: وَلَا تَحْسَبَنَّ بُخْلَ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ اور اسی طرح جس نے یاء سے پڑھا ہے اُس میں مضاف مقدر نکالا جائے گا اگر فاعلِ ضمیرِ رسول ہو یا ہر وہ شخص جو گمان کرے اور اگر (اسم موصول) الّذین فاعل ہو تو مفعول اول محذوف ہوگا جس پر یبخلون دلالت کرتا ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی: وَلَا يَحْسَبَنَّ الْبُخَلَاءُ بُخْلَهُمْ هُوَ خَيْرًا لهم۔

بَلْ هُوَ۔ بلکہ یہ بات۔

یعنی بُخل۔

شَرٌّ لَّهُمْ اُن کے لیے بہت ہی بُری ہے۔

کیونکہ یہ بُخل ہی اُن کی طرف عذاب کھینچ لائے گا۔

سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وہ لوگ قیامت کے روز طوق پہنا دیے جائیں گے اُس کا جس میں اُنہوں نے بخل کیا تھا۔

یہ شَرٌّ لَّهُمْ کا بیان ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ اُن سے اس بخل کا وبال اس طرح چپک جائے گا جس طرح (گلے کا) طوق اور آنحضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: مَا مِنْ رَجُلٍ لَا يُؤَدِّيْ زَكٰوةَ مَالِهٖ إِلَّا جَعَلَهُ اللّٰهُ شُجَاعًا فِيْ عُنُقِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ { جو شخص بھی اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا قیامت کے دن وہ مال اُس کے گلے میں ایک ناگ بن کر لپٹ جائے گا۔

وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ اور اخیر میں آسمان و زمین

Marfat.com

اللہ تعالیٰ ہی کا رہ جاوے گا۔

یعنی جو چیز آسمان و زمین میں اس قبیل سے ہے کہ اُس کا وارث بنا جاتا ہے اُس کا فی الواقع وارث اللہ ہی ہوگا۔ تو پھر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اُسی کے ساتھ اُس کے مال کے بارے میں بخل کرتے ہیں اور اُس کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس چیز کو وہ روکے رکھتے ہیں اور اُس کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اُسے برباد کر دے گا، اور اُن کے لیے حسرت و ارمان اور عقوبت و سزا باقی رہے گی۔

وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ اُن کے سب اعمال کی۔

یعنی جو کچھ وہ روکے رکھتے ہیں اور جو کچھ دیتے ہیں۔

خَبِيْرٌ پوری خبر رکھتے ہیں۔

(اور چونکہ خبردار ہیں) لہٰذا اُنہیں اُس کا بدلہ دیں گے۔ اور نافع، ابن عامر، عاصم، حمزہ اور کسائی نے بناء بر التفات تا سے (تَعْمَلُوْنَ) پڑھا ہے اور یہ وعید عذاب میں زیادہ بلیغ ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ بے شک اللہ تعالیٰ نے سُن لیا ہے اُن لوگوں کا قول جنہوں نے (یوں) کہا کہ اللہ تعالیٰ مُفلس ہے اور ہم مالدار ہیں۔

یہود نے جب آیت کریمہ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا سُنی تو اُنہوں نے یہ کہا (کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں)۔

شانِ نزول: روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنابِ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خط دے کر یہود بنی قینقاع کی طرف بھیجا جس میں دعوتِ اسلام تھی اور پھر پابندیٔ نماز، ادائیگیٔ زکوٰۃ

اور اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسن دینے کے متعلق کہا تھا تو فنحاص بن عازورا نے کہا: اللہ فقیر ہے جو اُس نے قرض مانگا ہے۔ اس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس کے منہ پر تھپڑ مارا اور فرمایا کہ "اگر ہمارے تمہارے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو میں تیری گردن اُڑا دیتا۔" اُس نے آنحضور علیہ السلام سے اِس بات کی شکایت کی اور اُس بات سے جو کہی تھی انکار کر دیا۔ اِس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مطلب یہ ہے کہ اُس پر یہ بات مخفی نہیں اور یہ کہ اُس نے اُن کے لیے ایسی باتوں پر عذاب تیار کر رکھا ہے۔

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ

ہم اُن کے کہے ہوئے کو لکھ رہے ہیں اور اُن کا انبیاء کو ناحق قتل کرنا بھی۔

یعنی ہم اُسے لکھنے والے فرشتوں کے صحائف میں لکھ لیتے ہیں یا یہ کہ ہم اُسے اپنے علم میں محفوظ کر لیتے ہیں اُسے یونہی نہیں چھوڑ دیتے کیونکہ یہ بہت بڑی بات ہے اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے اور قرآن پاک اور رسولِ پاک علیہ السلام کا استہزاء ہے۔ اور (یہ بات اتنی بڑی تھی کہ) اُسے قتلِ انبیاء کے ساتھ رکھا ہے اور اس میں یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ یہ کوئی پہلا جُرم نہیں جس کا اُنہوں نے ارتکاب کیا اور یہ کہ جو لوگ قتلِ انبیاء تک کی جرأت کر سکتے ہیں اُن سے ایسی باتیں کہاں بعید ہیں۔ اور حمزہ نے سَيُكْتَبُ (واحد غائب مجہول) پڑھا ہے اور قَتْلَهُمْ کو مرفوع رکھا ہے اور اس کا نائب الفاعل وَيُقَالُ (واحد مذکر غائب) پڑھا ہے (یعنی مَا قَالُوْا اور قتلهم کو نائب الفاعل کر دیا ہے)۔

وَنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ اور ہم کہیں گے چکھو

آگ کا عذاب۔

یعنی اُن سے اس طرح انتقام لیں گے کہ اُن سے کہیں گے کہ جلانے والا عذاب چکھو اور اس میں وعیدِ عذاب میں مبالغے ہیں اور "ذُوْقُ" کھانے کی چیز چکھنے کے بارے میں آتا ہے اور مجازاً تمام محسوسات اور ملائمات کے ادراک کے لیے اس کا استعمال ہوتا ہے اور یہاں اُسے اس لیے ذکر کیا گیا کہ عذاب اُن کی اس بات ("اِنَّ اللّٰہ فقیر") پر مرتب ہوا جو بخل سے پیدا ہوئی تھی اور اُنھوں نے مال کے بارے میں جان کی بازی لگا دی تھی اور انسان کی مال کے بارے میں غالب حاجت کھانے کا حاصل کرنا ہوتا ہے اور بخل زیادہ تر اس لیے کرتا ہے کہ وہ ختم نہ ہو جائے اس لیے کھانے کا ذکر مال کے ساتھ اکثر آتا ہے۔

ذٰلِكَ یہ (عذاب وغیرہ)

بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ اُن (اعمال) کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں۔

یعنی تم نے جو (اعمال کیے از قبیل) قتلِ انبیاء اور جو کچھ ایسی باتیں کیں۔ یا سب گناہ مُراد ہیں اور اَنفس کی بجائے اَیدی کے لفظ سے تعبیر کیا کیونکہ اعمال اکثر ہاتھوں سے ہی انجام پاتے ہیں۔

وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ اور یہ (امر ثابت ہی ہے) کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں۔

مَا قَدَّمَتْ پر عطف ہے (اور باء جارّہ اس پر بھی داخل ہے) اور یہ عذاب کا سبب اس لیے ہے کہ ظلم کی نفی عدل کو مستلزم ہے اور عدل نیکی کرنے والے کو ثواب اور برائی کرنے والے کو عذاب دینے کا متقاضی ہے۔

اَلَّذِينَ قَالُوا وہ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں۔

Marfat.com

اور ان کہنے والوں سے مُراد کعب بن اشرف، مالک، حُیَیّ، فنحاص اور وہب بن یہودا ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ إِلَيْنَا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم فرمایا تھا۔ یعنی تورات میں اس بات کی وصیت کی ہے۔

أَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ کہ ہم کسی پیغمبر پر اعتقاد نہ لاویں جب تک کہ ہمارے سامنے (معجزہ) نذر (و نیاز خداوندی کا) ظاہر نہ کرے کہ اُسے آگ کھا جاوے۔

ہم نہ مانیں کسی رسول کو جب تک وہ یہ خاص معجزہ نہ دکھلائے جو انبیائے بنی اسرائیل کا تھا اور وہ یوں تھا کہ قربانی کی جاتی پھر نبی اُٹھتا اور دُعا کرتا آسمانی آگ اُترتی اور اُسے کھا جاتی یعنی اُسے جلا کر اپنی طبع میں بدل دیتی اور یہ اُن کی من گھڑت اور جھوٹ باتوں میں سے تھا کیونکہ آگ کا قربانی کو کھا جانا ایمان کو واجب نہیں کرتا ہاں ایک معجزہ ضرور تھا (مگر خاص یہی معجزہ باقی معجزات کو چھوڑ کر موجباتِ صداقت نبوت سے نہیں) اور معجزہ ہونے کے لحاظ سے تو سب معجزات برابر ہیں۔

قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ آپ فرما دیجیے کہ بالیقین بہت سے پیغمبر مجھ سے پہلے بہت سے دلائل لے کر آئے اور (خود) یہ (معجزہ) بھی جس کو تم کہہ رہے ہو سو تم نے اُنہیں کیوں قتل کیا تھا اگر تم سچے ہو۔

اُن (کفار) کو جھٹلانا مقصود ہے اور اُنہیں الزام دینا مقصود ہے کہ آپ سے پہلے بھی انبیاء مثل زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کے تشریف لائے اُن

Marfat.com

کے پاس اور معجزات بھی تھے جو تصدیق کو واجب کرتے تھے اور وہ معجزات بھی تھے جن کا انہوں نے مطالبہ کیا ہے انہوں نے انہیں بھی قتل کر دیا۔ پھر اگر وہی معجزہ دکھانا ہی تصدیق کے لیے ضروری تھا اور ان کا ایمان سے رُکنا اور توقف اُسی (کے نہ ہونے) کی وجہ سے تھا تو پھر انہیں کیا ہوا کہ یہ اُس نبی پر بھی ایمان نہ لائے جو اور معجزات کے ساتھ ان کے مطلوبہ معجزے کا حامل بھی تھا اور انہوں نے (کیوں) اُس کے قتل پہ جرأت کی۔

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ سو اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں تو بہت سے پیغمبروں کی جو آپ سے پہلے گزرے ہیں تکذیب کی جا چکی ہے جو معجزات لے کر آئے تھے اور صحیفے لے کر اور روشن کتاب لے کر۔

اپنی قوم اور یہود کے جھٹلانے کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلّی دینا مقصود ہے اور زُبُر جمع ہے زَبور کی اور زبور اُس کتاب کو کہتے ہیں جس میں حکمتیں ہی حکمتیں ہوں۔ کسی[1] چیز کو جب بند کر دیا جائے تو اُس وقت کہتے ہیں زَبَرْتُ الشَّیْءَ اور الکتاب عُرفِ قرآن میں اُس چیز کو کہتے ہیں جس میں اصول و احکام بیان کیے گئے ہوں (اور حکمت اور چیز ہے اور اصول و احکام اور چیز) لہٰذا پورے قرآن مجید میں الکتاب اور الحکمۃ کو عطف سے بیان کیا گیا ہے (کیونکہ ان دونوں میں آپس میں فرق ہے نظری مسائل کو حکمت اور عملی مسائل کو کتاب کہا جاتا ہے) اور[2] بعض لوگوں نے کہا کہ زُبُر سے مراد پند و نصائح اور زجر و توبیخ کرنے والی باتیں ہیں جب کسی کو زجر و توبیخ کی جائے تو کہا جاتا ہے زُبِرَ تُہٗ (یعنی اسے سختی سے

Marfat.com

منع کیا)۔ ابن عامر نے اسے بِالزُّبُرِ (با، جارّہ داخل کرکے وَالکتابِ پڑھا ہے اور ہشام نے بِالبَیِّنٰتِ وَالزُّبرِ و بالکتابِ (بدخول الباء علی الکتاب غیر الزبر) پڑھا ہے اُن کی دلیل یہ ہے کہ البَیِّنٰت اور (بصورتِ اوّل) الزُّبر اور (بصورت دوم) الکتاب میں بھی مغایرتِ تامّہ موجود ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

تصدیق کرنے والے کے لیے وعدۂ جزا ہے اور جھٹلانے والے کے لیے وعیدِ عذاب۔ اور اسے تنوین کے ساتھ منصوب ذَائِقَةً الْمَوْتَ اور تنوین کے بغیر منصوب ذَائِقَةُ الْمَوْتَ بھی پڑھا گیا ہے (کیونکہ صیغۂ صفت کے مابعد کو اُس کا مفعول بھی قرار دیا سکتا ہے یعنی مضاف اگر صفت کا صیغہ ہو تو اُس کا مضاف الیہ منصوب بھی ہو سکتا ہے) جیسے شاعر نے کہا ؎

فَأَلْفَيْتُهُ غَيْرَ مُسْتَعْتِبٍ
وَلَا ذَاكِرُ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيلًا

(اس شعر میں بھی ۱۔ ذَاكِرُ اللّٰهِ ۲۔ ذَاكِرَ اللّٰهَ ۳۔ ذَاكِرُ اللّٰهَ تینوں صورتیں جائز ہیں۔)

وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ اور تمہیں پورا پورا بدلہ ملے گا۔

یعنی تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ مکمل اور پورا پورا دیا جائے گا خواہ وہ (اعمال) بھلائی کے تھے یا بُرائی کے۔

يَوْمَ الْقِيَامَةِ قیامت ہی کے روز۔

جس دن تم قبروں سے کھڑے ہو گے۔ اور لفظ "توفیہ" (پوری پوری ادائیگی) سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ کچھ اجر و ثواب اُس سے پہلے بھی مل جائے گا۔ اور اس کی تائید حضور علیہ السلام کے اس فرمان سے ہوتی ہے کہ اَلقَبرُ رَوضَةٌ

Marfat.com

مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ (قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے)۔

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ تو جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا۔

یعنی اُس سے دُور رکھا گیا اور زحزحہ اصل میں کلمہ 'الزّح' کو دوبار لانے سے بنتا ہے اور "الزّح" کا معنی ہے جلدی سے کھینچ لینا۔

وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ اور جنّت میں داخل کیا گیا سو پُورا کامیاب وہ ہؤا۔

نجات پاکر کامیاب ہؤا اور اپنا مقصود پا گیا اور "فوز" کا معنی ہے اپنی چہیتی چیز کا حاصل کرنا۔ اور آنحضور علیہ السلام نے فرمایا: "مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَيُدْخَلَ الْجَنَّةَ فَلْتُدْرِكْهُ مَنِيَّتُهُ وَهُوَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْتِي إِلَى النَّاسِ مَا يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى إِلَيْهِ" {جو شخص پسند کرتا ہے کہ اُسے آگ سے بچایا جائے اور جنّت میں داخل کیا جائے تو اُسے اُس کی موت اِس حال میں آئے کہ وہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں کے ساتھ وہ سلوک کرتا ہو جو وہ اپنے ساتھ کیا جانا پسند کرے۔}

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں۔

یعنی اس (دنیا) کی لذّتیں اور اس کا بناؤ سنگار، رغبتیں اور دلچسپیاں۔

إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ صرف دھوکے کا سودا ہے۔

(اصلی مقصود بنانے کے قابل نہیں)۔ دنیوی زندگی کو ایسے سامانِ تجارت سے تشبیہ دی ہے جس کی حقیقت کو خریدار سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ اور اُسے فریب دیا جاتا ہے یہانتک کہ وہ خرید لیتا ہے۔ اور یہ اُس شخص کے متعلق کہا

ہے جو دُنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے اور جو شخص اِس (دنیوی زندگی) سے آخرت طلب کرے تو یہ اُس کے لیے (کامیابی تک) پہنچانے کا ذریعہ ہے ــــ اور غُرور مصدر ہے یا غارٌ (اسم فاعل) کی جمع ہے۔

لَتُبْلَوُنَّ البتہ آگے اور آزمائے جاؤ گے۔

(یعنی وقتاً فوقتاً تم پر حوادث آئیں گے ورنہ اللہ تعالیٰ آزمانے کے حقیقی معنیٰ سے پاک ہے کیونکہ وہ عالم الغیب ہے ۱۲ منہ) (لام قسمیہ ہے)۔

فِيْ اَمْوَالِكُمْ اپنے مالوں میں۔

یعنی تمہیں (اپنی دولت) خرچ کرنے کا مکلف بنایا جائے گا اور تمہارے مالوں پر آفتیں (نقصان وغیرہ) آئیں گی۔

وَ اَنْفُسِكُمْ اور اپنی جانوں میں (آزمائے جاؤ گے)۔

جہاد (فرض کرنے) سے کچھ قتل ہوں گے، کچھ قیدی ہونگے اور کچھ زخمی ہونگے۔ اور اُن چیزوں کے ساتھ (آزمایا جائے گا) جو انسانی نفوس پر آتی ہیں از قبیلِ خوف و مرض و تھکن وغیرہ۔

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا اور البتہ آگے کو اور سنو گے بہت سی باتیں دل آزاری کی لوگوں سے جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں اور اُن لوگوں سے جو کہ مشرک ہیں۔

مثلاً وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجو کریں گے اور دینِ (اسلام) میں طعن (و تشنیع) کریں گے اور کافروں کو مسلمانوں کے خلاف اُبھاریں گے ــــ مسلمانوں کو ان باتوں کی اطلاع قبل از وقوع دے دی تاکہ وہ اپنے آپ کو ان پریشانیوں کے خلاف صبر و برداشت کا عادی بنالیں

Marfat.com

اور اِن سے نپٹنے کے لیے (ابھی سے) تیار ہو جائیں ایسا نہ ہو کہ ان پریشانیوں کا (یکبارگی) نزول ان کی مزید پریشانی کا باعث بنے۔

وَإِنْ تَصْبِرُوْا اور اگر صبر کروگے۔

ان سب مندرجہ بالا تکالیف پر۔

وَتَتَّقُوْا اور پرہیز رکھوگے۔

یعنی اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے بچوگے۔

فَإِنَّ ذٰلِكَ تو یہ (صبر و تقویٰ)۔

مِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ تاکیدی احکام میں سے ہے۔

ایسی باتوں میں سے جن کا عزم ضروری ہے یا جن کا اللہ نے عزم کیا ہے یعنی ان کا حکم دیا ہے اور تاکید فرمائی ہے۔ اور عزم لغت میں کسی چیز کے نافذ کرنے کے بارے میں پختگی رائے کو کہتے ہیں۔

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے لیا (عہد)۔

یعنی وہ عہد یاد کرو۔

مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ اہلِ کتاب سے یہ عہد۔

یہاں اہلِ کتاب سے (توراۃ و انجیل کے) علماء (متقدمین) مراد ہیں۔

لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ کہ اس کتاب کو تمام لوگوں کے روبرو ظاہر کر دینا اور اسے پوشیدہ مت کرنا۔

اُن (علماء) سے جو خطاب ہوا تھا اُسے بعینہٖ نقل کر دیا گیا اور ابن کثیر، ابو عمرو اور عاصم نے بروایت ابن عیاش (بصیغۂ غائب) لَيُبَيِّنُنَّهٗ — وَلَا يَكْتُمُوْنَهٗ پڑھا ہے کیونکہ علماء غائب ہیں اور لام جوابِ قسم ہے۔ (وہ قسم) جس کی بجائے أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ اللہ کا قول آیا ہے (کیونکہ

Marfat.com

أخذ میثاق اور قسم ایک ہی چیز ہے) اور ضمیر (مفعول) کتاب کے لیے ہے۔

فَنَبَذُوْهُ سو اُن لوگوں نے اُسے پھینک دیا۔

(ضمیر غائب مفعولی سے) مُراد میثاق ہے۔

وَرَاءَ ظُهُوْرِهِمْ اپنے پسِ پُشت۔

یعنی اُنہوں نے اُس کی رعایت و پاس نہ کیا اور اُس کی جانب توجّہ نہ کی اور نَبْذ وَرَاءَ الظَّهْر (پسِ پشت ڈال دینا) کسی بات کے (اعتبار نہ کرنے) شمار میں نہ لانے اور توجہ نہ کرنے سے مَثَل ہے اور اس کی ضدّ جَعْل نصبُ العینین (مرکزِ اَنظار بنالینا) اور اِلقَاء بین عَینَیه (آنکھوں کے سامنے رکھنا) ہے (یعنی اُس نے فلاں کام کو اپنا نصب العین قرار دے لیا)۔

وَاشْتَرَوْا بِهٖ اور اُس کے مقابلہ میں لے لیا۔

اُس کا معاوضہ لے لیا۔

ثَمَنًا قَلِيْلًا کم حقیقت معاوضہ۔

ثمن قلیل (تھوڑی قیمت) سے مُراد دُنیوی ساز و سامان اور اغراضِ دنیا ہیں (جو آخرت کے مقابلے میں جتنی بھی ہوں کم حقیقت اور گھٹیا ہیں)۔

فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ سو بُری چیز ہے جسے وہ لوگ لے رہے ہیں۔

جو وہ اپنی جانوں کے لیے پسند کر رہے ہیں (بُرا ہے) اور آنحضور علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس شخص نے علم کو اُس کے اہل سے چھپایا اُسے (قیامت کے دن) آگ کی لگام دی جائے گی۔ حضرت علی رضؓ نے (بھی) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جاہلوں سے عہد لیا کہ وہ سیکھیں گے مگر اس سے قبل اُس نے اہلِ علم سے عہد لیا کہ وہ سکھائیں گے۔

Marfat.com

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا أَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ أَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ جو لوگ ایسے ہیں کہ اپنے کردار (بد) پر خوش ہوتے ہیں اور جو (نیک) کام نہیں کیا اُس پر چاہتے ہیں کہ اُن کی تعریف ہو سو ایسے شخصوں کو ہرگز ہرگز مت خیال کرو کہ وہ خاص طور پر کے عذاب سے بچاؤ میں رہیں گے۔

خطاب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے اور جنہوں نے لَا تَحْسَبَنَّ (واحد حاضر) کی بجائے لَا تَحْسِبُنَّ (جمع حاضر کا صیغہ) پڑھا ہے وہ کہتے ہیں کہ خطاب آنحضور علیہ السلام اور مؤمنین سے ہے اور (حَسِبَ کا) پہلا مفعول الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ اور دوسرا بِمَفَازَةٍ ہے اور لَا تَحْسَبَنَّهُمْ (دوبارہ) تاکید کے لیے آیا ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ یہ لوگ جو فریب دہی کرتے اور حق کو چھپاتے ہیں اور جنہوں نے میثاقِ الٰہی کو پورا نہ کیا اور اظہارِ حق نہ کیا اور سچی باتیں لوگوں سے نہ کہیں آپ انہیں عذاب سے بچنے والے گمان نہ کریں یہ کہ وہ عذاب سے نجات پاکر کامیاب ہو جائیں گے اور ——— ابنِ کثیر اور ابو عمرو نے پہلے مقام پر (واحد مذکر غائب) لَا يَحْسَبَنَّ اور دوسری جگہ (جمع مذکر غائب) لَا يَحْسَبَنَّهُمْ پڑھا ہے اس بنا پر کہ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ فاعل ہے اور اس صورت میں لَا يَحْسَبَنَّ کے دونوں مفعول محذوف ہوں گے۔ اور دوسری جگہ لَا يَحْسَبُنَّهُمْ کے دونوں مفعول اُس کے دونوں مفعولوں پر دلالت کرتے ہیں اور وہ (چونکہ) پہلے لَا يَحْسَبَنَّ کا مؤکِّد ہے {مؤکِّد اور مؤکَّد اصل میں ایک ہیں لہٰذا اُس کے مفعول پہلے کے مفعول ہونگے۔ پہلا مفعول (هُمْ یعنی) انفسهم اور دوسرا مفعول بِمَفَازَةٍ من العذاب} گویا

Marfat.com

یوں کہا گیا کہ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا، فَلَا یَحْسَبُنَّ اَنْفُسَھُمْ بِمَفَازَۃٍ ـــــ یا[۲] مفعولِ اوّل محذوف ہے اور لَا یَحْسَبُنَّھُم فعلِ اوّل، اُس کے فاعل اور معفولِ محذوف (تینوں) کی تاکید ہے۔

وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (بلکہ) اور اُن کو دردناک سزا ہوگی۔

اُن کے کفر اور فریب دہی کی وجہ سے۔

شانِ نزول: ۱- روایت ہے کہ آنحضور علیہ السلام نے یہود سے تورات کے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا تو اُنہوں نے توراۃ میں لکھے کے خلاف بیان کیا اور یوں ظاہر کیا گویا اُنہوں نے سچ ہی کہا ہے پھر اپنے کیے پر بہت خوش ہوئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۲- یہ بھی کہا گیا کہ بعض وہ لوگ جو غزوہ میں شامل نہ ہوئے تھے پھر اُنہوں نے عُذر کیا تھا کہ اُنہوں نے کسی مصلحت کی بناء پر تخلّف کیا ہے پھر اُس پر تعریف چاہی تھی۔ اُن کے بارے میں نازل ہوئی۔

۳- یہ بھی کہا گیا کہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ وہ اپنی منافقت پر خوش ہوتے تھے اور مسلمانوں سے اُس ایمان کے بارے میں تعریف چاہتے تھے جو درحقیقت وہ نہ لائے تھے۔

وَلِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی۔

لِلّٰہ کی تقدیم مفیدِ تخصیص ہے، اَرض و سماء و ما فیھما کی مِلک صرف اللہ ہی کی ہے لہذا وہی اُن کے (اُمور و) معاملات کا مالک ہے۔

وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

Marfat.com

اور چونکہ وہ ہر کام پر قادر ہے لہذا اُن کو سزا دینے پر بھی قادر ہے ۔
—— اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اُن (یہود) کے (اِس) قول کا جواب ہے (جو اُنہوں نے کہا تھا اِنَّ اللّٰہَ فَقِیر ——)
اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہلِ عقل کے لیے ۔

کیونکہ صانع (حقیقی) کے وجود پر، اُس کی وحدانیت پر، اُس کے کمالِ علم پر اور کمال قدرت پر دلائلِ واضحہ موجود ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایسی عقلیں رکھتے ہیں کہ وہ حسّیات اور وہم کی آلودگیوں سے پاک، صاف اور خالص ہیں جیسا کہ پہلے سورۃ بقرہ میں بھی گزرا —— اور اس آیت میں تین چیزوں کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا وجہ یہ ہے کہ تغیّر ہی مدارِ استقلال ہیں اور یہ (تینوں) تغیّر کے جملہ اقسام کو قبول کرتی ہیں (اور سب اشیاءِ کائنہ کا اِحصاء تو ممکن ہی نہیں) پس یا تو یہ تغیّر کسی چیز کی ذات میں ہوگا جیسے رات اور دن کا تغیّر یا کسی چیز کے کسی جزء میں ہوگا جیسے عناصر میں ان کی صورتوں کی تبدیلی کی وجہ سے تغیّر (واستحالہ) ہوتا ہے ۔ یا یہ کہ وہ تغیر نہ تو ذاتِ شیئ میں ہو نہ جزءِ شیئ میں بلکہ خارجِ شیئ میں ہو جیسے افلاک کا تغیّر اُن کی وضع کے بدلنے سے —— اور آنحضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اُس شخص کے لیے ہلاکت ہے جو یہ آیت کریمہ پڑھے اور پھر اس میں غور نہ کرے ۔
اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں

کھڑے بھی، بیٹھے بھی اور لیٹے بھی۔

یعنی تمام حالتوں میں اُس کی یاد میں رہتے ہیں۔ اور آنحضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص چاہے کہ جنّت کے باغات سے (لطف اندوز) ہو اور) کھائے پیے اُسے چاہیے کہ اللہ کو زیادہ یاد کرے (مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَرْتَعَ فِي رِيَاضِ الْجَنَّةِ فَلْيُكْثِرْ ذِكْرَ اللّٰهِ) —— اور یہ بھی کہا گیا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ حسب طاقت ان تینوں حالتوں میں نماز پڑھتے ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے عمران بن حصین سے فرمایا: صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ تُومِئُ إِيمَاءً (کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرو اور اگر اتنی طاقت نہ رہے (کہ کھڑے ہو سکو) تو بیٹھ کر اور اگر اتنی طاقت بھی نہ ہو تو پہلو کے بل لیٹے ہوئے ہی سہی جبکہ تم اشارے سے پڑھو گے)۔ اور اسی آیت سے امام شافعی رحمہ اللہ نے حجّت پکڑی ہے کہ مریض اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ کر اور اپنے جسم کے اگلے حصّوں کو قبلہ رُخ کر کے نماز ادا کرے —— (مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے دوسری حدیث شریف کو دلیل بنایا جس میں الفاظ ہیں: "يُصَلِّي مُسْتَلْقِيًا عَلٰى قَفَاهُ")۔

وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں۔

استدلال کی خاطر، (غور کرتے ہیں کہ مخلوق سے خالق اور مصنوع سے صانع اعظم تک پہنچا جائے) اور عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی خاطر۔ اور یہ (غور و فکر) تمام عبادات سے افضل ہے جیسا کہ آنحضور علیہ السلام نے فرمایا: "لَا عِبَادَةَ كَالتَّفَكُّرِ (تفکّر کی مانند کوئی عبادت نہیں) اس لیے کہ یہ دل سے اور تخلیقِ کائنات کے مقصود سے (تعلّق و خصوصیت رکھتی ہے —— اور

آپ نے یہ بھی فرمایا: بینما رجل مستلق علی فراشہ اذ رفع رأسہ فنظر إلی السماء والنجوم فقال أشہد أن لک ربا و خالقا — اللھم اغفر لی — فنظر اللہ إلیہ فغفر لہ {جب کوئی آدمی اپنے بستر پر لیٹا ہو اور یونہی سر اوپر اٹھائے پھر وہ آسمان اور (اُس کے) ستاروں کو دیکھے اور کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ (اے آسمان) تیرا بھی کوئی پروردگار اور خالق ضرور ہے — اے اللہ تجھ بخش دے — تو اللہ تعالیٰ اُس کی طرف نظر (رحمت) کرتے ہیں اور اُسے بخش دیتے ہیں} اور یہ واضح دلیل ہے علم اصول (علم العقائد اور معرفتِ الٰہی) کے شرف پر اور اُس میں مشغول لوگوں کی فضیلت پر۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے اِسے لایعنی پیدا نہیں کیا۔

اس سے پہلے "قول" کا صیغہ مقدر ہے گویا یوں ہے: یتفکرون قائلین ربنا ما خلقت ھذا باطلا — اور ھذا کا اشارہ اُس چیز کی طرف ہے جس میں غور و فکر کیا جا رہا ہے یعنی خلقِ (سموات و ارض) اس بنا پر کہ اس تخلیق سے مراد آسمان و زمین ہو۔ یا یہ اشارہ (مُطْلَقاً) آسمان و زمین کی طرف ہے اور اسم اشارہ تثنیہ کی بجائے واحد اس لیے لائے کہ آسمان و زمین بمعنی مخلوق واحد ہیں — اور مطلب یہ ہے کہ (اے اللہ) آپ نے اسے بیکار بغیر کسی حکمت کے ختم ہو جانے والا نہیں بنایا بلکہ آپ نے اُسے عظیم حکمتوں پر مبنی پیدا فرمایا ہے منجملہ اُن (حکمتوں) کے یہ ہے کہ وہ انسانی وجود کا مبدء (اور آغاز کی جگہ) بنیں اور اُس کی روزی کے اسباب اُن میں مہیا ہوں اور ایسی دلیل (و حجت) حاصل ہو جو تیری معرفت کی طرف

رہنما ہو اور اُس (انسان) کو تیری فرمانبرداری پر اُبھارے تاکہ وہ ابدی حیات اور تیری ہمسائیگی میں سعادتِ سرمدی حاصل کر سکے۔

سُبْحٰنَكَ ہم آپ کو مُنزّہ سمجھتے ہیں۔

(فعل سَبَّحْتُ ہمیشہ محذوف ہوتا ہے اور یہ اُس کا مفعول مطلق ہے) تو عبث اور باطل تخلیق سے پاک ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے۔

فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ سو ہمیں عذابِ دوزخ سے بچا لیجیے۔

خلقِ سموات وارض میں غور و فکر کرنے میں ہم سے جو کوتاہی واقع ہوئی ہو اور جن باتوں پر عمل کرنے میں ہم پورے نہ اُتر سکے ہوں جس کا تقاضا یہ (غور و فکر) کرتا ہے (آپ ہمیں معاف فرما دیجیے اور عذابِ دوزخ سے بچائیے) ـــــ اور فاء شروع میں لانے کا فائدہ یہ ہے کہ وہ دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ تخلیقِ سموات وارض جس مقصد کے لیے ہوئی اُنہیں اس بات کا علم ہو گیا ہے اور اِس بات نے اُنہیں پناہ مانگنے پر مجبور کیا ہے (کہ وہ سمجھ گئے کہ جتنا کچھ ہم جان سکے ہیں اس سے بھی زیادہ حکمتیں پوشیدہ ہیں)۔

رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ

اے ہمارے پروردگار! بے شبہ آپ جسے دوزخ میں داخل کریں اُسے واقعی رُسوا ہی کر دیا۔

غایت درجہ رُسوائی۔ اور اس کی مثال یہ ہے جیسے کہتے ہیں: مَنْ اَدْرَكَ مَرْعَى الضَّمَّانِ فَقَدْ اَدْرَكَ { (جس نے ضمّان کی چراگاہ پالی اُس نے پالی) (یعنی اس سے تاکید مراد ہے ورنہ آگ میں جانا اور پھر رسوائی اس سے زیادہ کیا ہو گی) } اور مُراد اس سے مستعاذ منہُ (جس سے پناہ مانگی جا رہی ہے اُس کی) ہو لناکی کا بیان ہے اور یہ اس بات کے ظاہر کرنے کے لیے آیا کہ وہ عذاب

دوزخ سے کتنا زیادہ خوف رکھتے ہیں اور اُس سے پناہ مانگتے ہیں اور اس میں یہ بھی بتا دیا گیا کہ عذابِ روحانی زیادہ پریشان کُن ہے۔

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ اور ایسے بے انصافوں کا کوئی بھی ساتھ دینے والا نہیں۔

(ظالمین سے آگ میں) داخل کیے جانے والے مُراد ہیں اور یہاں مُضمَر (یعنی ضمیر لانے) کی بجائے مُظہَر (اسم ظاہر ظالمین) رکھا جو اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اُن کا ظلم ہی اُن کے آگ میں داخل ہونے اور دوزخ کے عذاب سے چھڑانے سے نُصرت کے انقطاع کا سبب ہوا اور اس نفیِ نُصرت سے نفیِ شفاعت لازم نہیں آتی کیونکہ نُصرت کا معنیٰ ہے جبراً کسی کو چھڑا لینا (لہذا جبراً چھڑانا اور بات ہے اور سفارش کرنا اور بات ہے)۔

رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْإِيْمَانِ

اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک پکارنے والے کو سُنا کہ ایمان لانے کے واسطے اعلان کر رہے ہیں۔

یہاں فعل کو سُننے والے پر واقع کیا گیا ہے اور مسموع کو حذف کر دیا گیا ہے اس وجہ سے کہ اُس کا وصف مسموع پر دلالت کرتا ہے اور اس طرح مبالغہ پیدا کیا گیا ہے جو مسموع کے ذکر کر دینے سے پیدا نہ ہوتا (گویا وہ منادی خود نِداء بن گیا تھا) اور "منادی" کو نکرہ مطلق لایا گیا پھر اُس کو صفت يُنَادِيْ لِلْإِيْمَانِ سے مقیّد کر دیا گیا تاکہ اُس کی عظمتِ مرتبت ظاہر ہو۔ اور اُس[1] (منادی) سے مُراد آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں ـــــ اور یہ بھی کہا گیا کہ اس سے قرآن مجید مُراد ہے اور نِداء اور دُعا[2]

اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ "اِلیٰ" اور "لام" کے صلہ سے متعدی ہوتے ہیں (یعنی) جب انتہاء کا معنیٰ پیدا کرنا ہو (تو "اِلیٰ") اور جب اختصاص پیدا کرنا ہو (تو "لام" لایا جاتا ہے) -

أَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا کہ تم اپنے پروردگار پہ ایمان لاؤ سو ہم ایمان لے آئے -

(یہ اصل میں بِأَن اٰمِنُوا تھا کہ ایمان ہمیشہ باء کے ساتھ متعدی ہوتا ہے) -

رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اے ہمارے پروردگار! پھر ہمارے گناہوں کو بھی معاف فرما دیجیے -

(ذُنُوب سے) کبائر (گناہ) مُراد ہیں کیونکہ اُن پہ سزا بھی ہوگی -

وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا اور ہماری بدیوں کو بھی ہم سے زائل کر دیجیے -

ہمارے صغیرہ گناہ بھی دُور کر دیجیے - کیونکہ ذات میں تو یہ بھی بُرے ہیں تاہم یہ دُور کیے جانے والے ہیں اُس شخص سے جو کبائر سے بچتا رہے - (جیسا کہ ارشاد ہے: إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ ـــــ الخ القرآن)

وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت دیجیے -

"اس حال میں کہ ہم اُن کی صحبت کی نسبت و خصوصیت رکھنے والے بنوں" اُنہی کے زمرہ میں شمار ہونے والے ہوں" اور اس میں یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ وہ اللہ کی ملاقات سے محبت رکھنے والے ہیں اور جو اللہ سے ملاقات پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس سے ملاقات پسند کریں گے ـــــ اور اَبرار

Marfat.com

بَرّ یا بَارّ کی جمع ہے جس طرح (ربّ کی جمع) اَرباب اور (صاحب کی جمع) اَصحاب آتی ہے۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ اے ہمارے پروردگار! اور ہمیں وہ چیز بھی دیجیے جس کا ہم سے اپنے پیغمبروں کی معرفت آپ نے وعدہ فرمایا ہے۔

کہ اپنے پیغمبروں کی تصدیق پر عطا کریں گا ثواب (و اَجر) وغیرہ میں سے ـــــ حکم کردہ اُمور کی تعمیل کا اظہار کر چکنے کے بعد اُس پر (اجر و ثواب کے) وعدہ (کے ایفاء) کی درخواست کی ـــــ وعدہ خلافی کے خوف سے نہیں بلکہ اس خدشے کی بنا پر کہ کہیں سُوءِ عاقبت کی وجہ سے اُنہیں موعودین میں ہی شمار نہ کیا گیا ہو ـــــ یا اس لیے کہ فرمانبرداری میں کوتاہی ہو گئی ہو ـــــ یا اپنی بندگی اور عاجزی کے اظہار کے لیے (ایسا کہا) ـــــ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "عَلٰی" متعلق بہ محذوف ہو اور تقدیر عبارت یوں ہو مَا وَعَدْتَّنَا مُنَزَّلًا عَلٰی رُسُلِكَ مَحْمُوْلًا عَلَيْهِمْ (وہ اجر و ثواب جو آپ نے اپنے انبیاء پر نازل کرتے ہوئے وعدہ فرمایا ـــــ اور اُن پر ایمان لانے پر اُسے مشروط دکھا) اور یہ بھی کہا گیا کہ اس کا معنی ہے عَلٰی اَلْسِنَةِ رُسُلِكَ {جو آپ نے وعدہ فرمایا اپنے انبیاء کی زبانوں پر یعنی اُن کے ذریعے}۔

وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور ہمیں قیامت کے روز رُسوا نہ کیجیے۔

یعنی آپ ہمیں اُن اعمال سے محفوظ رکھیے جو اُس (رُسوائی) کا سبب بنیں۔

اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ یقیناً آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔

ایماندار کو اجر و ثواب دینے میں اور پکارنے والے کی پکار کا جواب

Marfat.com

دینے میں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ "المیعاد" سے مُراد موت کے بعد اُٹھایا جانا ہے اور رَبَّنَا کو دوبارہ لانا عاجزی میں مبالغہ کی خاطر ہے اور اِس سے طلب کردہ اشیاء کا بذاتہا مستقل ہونا اور اُن کا بلند مقام وغیرہ ظاہر ہوتا ہے اور آثار میں ہے کہ جسے کوئی مشکل کام آپڑے تو وہ پانچ بار "رَبَّنَا" کہے، اللہ تعالیٰ اُسے اُس سے نجات دے گا جس سے وہ ڈرتا ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ سو منظور کر لیا اُن کی درخواست کو اُنہا کے رب نے۔

اور یہ (اِستجاب باب استفعال سے آیا ہے جو) باب افعال (یعنی اَجَابَ) سے زیادہ مخصوص (معنی دیتا) ہے (کیونکہ جب حروف بڑھ جائیں تو معانی بھی بڑھ جاتے ہیں) اور یہ (بغیر کسی صلہ کے) براہِ راست بھی متعدّی ہوتا ہے اور لام کے صلہ سے بھی۔

أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو جو کہ تم میں سے کرنے والا ہو اکارت نہیں کرتا۔

(أَنِّي سے پہلے باء مقدّر ہے گویا اصل میں یوں تھا) بِأَنِّي لَا أُضِيعُ ——— اور اسے إِنِّي (بکسر الہمزہ) بھی پڑھا گیا اس بنا پر کہ یہ (اللہ تعالیٰ کا) قول ہے۔ (اور قول کے صیغوں کے بعد إِنَّ بالکسر آیا کرتا ہے)۔

مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

(دونوں کے لیے یکساں قانون ہے ۱۲ منہ) (مِنْ بیانیہ ہے اور یہ جملہ) عامل کی وضاحت کے لیے آیا ہے۔

بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ تم آپس میں ایک دوسرے کے جزء ہو۔

Marfat.com

کیونکہ[1] مرد عورت سے ہے اور عورت مرد سے۔ یا[2] یہ مُراد ہے کہ اصل میں دونوں ایک ہیں۔ یا[3] یہ کہ دونوں صنفوں میں (معاشرے میں) اتصال و اتحاد (موجود) ہے یا[4] یہ کہ دین میں دونوں باہم اتفاق و اتحاد رکھتے ہیں۔ یہ جملہ معترضہ ہے جس سے عاملین میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی شرکت بیان فرمائی ہے۔

شانِ نزول: روایت ہے کہ اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں سُنتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہجرت میں مردوں کا ذکر کرتے ہیں اور عورتوں کا ذکر نہیں کرتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا سو جن لوگوں نے ترکِ وطن کیا۔

یہ تفصیل ہے عاملین کے اعمال کی اور اُس چیز کی جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے بدلے کے طور پر تیار کی ہے بطور مدح اور تعظیم کے اُس کا ذکر کیا گیا اور معنی یہ ہے کہ جن لوگوں نے شرک (و معاصی) کو ترک کر دیا یا[1] یہ کہ دین کی خاطر اپنے قبیلوں اور وطن کو چھوڑ دیا۔

وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ (تفصیل ہے)

اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور تکلیفیں دیے گئے میری راہ میں (اللہ پر) ایمان لانے کی وجہ سے اور اللہ (کے احکام پر عمل کرنے کی وجہ سے۔

وَقٰتَلُوْا اور جہاد کیا۔

یعنی کفار سے لڑے۔

وَقُتِلُوْا اور شہید ہو گئے۔

جہاد میں اور حمزہ اور کسائی نے اس کے اُلٹ (یعنی پہلے قُتِلُوْا اور پھر

Marfat.com

قَاتَلُوْا) پڑھا ہے اور یہ کہتے ہے کہ واؤ سے ترتیب لازم نہیں اور دوسری قرأت افضل ہے یا یہ مراد ہے کہ اُن میں سے کچھ لوگ قتل ہوئے اور باقی سب جہاد کرتے رہے اور کمزور نہ پڑے ـــــ اور ابن کثیر اور ابن عامر نے قُتِّلُوْا تشدید سے پڑھا ہے اور اس سے تکثیر مراد لی ہے۔

لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ضرور اُن لوگوں کی تمام خطائیں معاف کر دوں گا۔

(تکفیر سیئات کا معنیٰ ہے برائیاں) مٹا دوں گا۔

وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور ضرور اُنہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی، یہ عوض ملے گا اللہ تعالیٰ کے پاس سے۔

یعنی اُنہیں یہ ثواب دوں گا جبکہ یہ ثواب اللہ کی جانب سے اُس کے فضل و کرم کی وجہ سے ہوگا اور ثوابًا (مصدر یعنی) مفعول مطلق ہے جو فعل محذوف اُثِیْبُ کی تاکید میں لایا گیا۔

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ اور اللہ ہی کے پاس اچھا عوض ہے۔

یعنی طاعات پر (حُسنِ جزاء اُس کے پاس موجود ہے) اور وہ اس بات پر قدرت رکھتا ہے۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ آپ کو ان کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا مغالطہ میں نہ ڈال دے۔

خطاب آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے اور مراد آپ کی اُمت ہے یا آپ کو مَا کَانَ علیہ (یعنی اپنی سابقہ حالت) پر ثابت قدم رکھنا

Marfat.com

مقصود ہے جس طرح فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ میں ہے یا ہر واحد کو خطاب ہے اور نہی اصل میں مخاطب ہی کو ہے مگر عبادت میں نہی تقلّب پر وارد ہوئی ہے۔ مبالغہ کی خاطر (بلاغت میں یہ مجاز عقلی ہے) اور یہ کہ مسبّب کی جگہ سبب کو لایا گیا کہ تقلّب سبب اور دھوکا کھانا مسبّب ہے۔ معنیٰ یہ ہے کہ آپ کفار کی ظاہری فراخی اور خوشحالی پر نظر نہ کریں اور نہ دھوکا کھائیں اُن کی ظاہری دست سے اُن کے کاروبار، تجارت اور کھیتیوں وغیرہ میں۔

شانِ نزول: روایت ہے کہ بعض مؤمنین نے مشرکین کی خوشحالی اور آرام کی زندگی کو دیکھ کر کہا کہ یہ دشمنانِ خدا کیسی بھلائی کی زندگی گزار رہے ہیں اور ہم (مسلمان ہونے کے باوجود) بھوک اور مشقت اُٹھا رہے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مَتَاعٌ قَلِيلٌ یہ چند روزہ بہار ہے۔

(کیونکہ مرتے ہی اس کا نام و نشان بھی نہ رہے گا۔ ۱۲ حاشیہ) مبتدا محذوف (ذٰلِكَ التقلّب) کی خبر ہے یعنی یہ تقلب متاعِ قلیل ہے۔ کیونکہ اس کا عرصہ بہت مختصر ہے اُس نعمت کے مقابلے میں جو اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے لیے تیار کی ہے۔ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "دنیا آخرت کے مقابلے میں سوائے اس کے نہیں کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی دریا میں ڈالے، پھر وہ دیکھے کہ (اُس کی انگلی دریا سے) کیا کچھ لے کر لوٹی ہے۔

ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ پھر اُن کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور وہ بُری آرامگاہ ہے۔

یعنی جو کچھ اُنھوں نے اپنی جانوں کے لیے تیار کیا ہے (وہ بُرا ہے)

لٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي

Marfat.com

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ لیکن جو لوگ خدا سے ڈریں اُن کے لیے باغات ہیں جن میں نہریں جاری ہوں گی وہ اُن (باغات) میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے۔

النُّزُل اور النَّزْل اُس کھانے پینے اور خاطر مدارات کو کہتے ہیں جو (آنے والے) مہمان کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ ابو الشعر الضبی کہتا ہے:

وَكُنَّا اِذِ الْجَبَّارُ بِالْجَيْشِ ضَافَنَا
جَعَلْنَا الْقَنَا وَالْمُرْهَفَاتِ لَهٗ نُزُلَا

{جب کوئی جابر (بادشاہ) اپنے لشکر کے ساتھ ہمارا مہمان ہوتا ہے (یعنی ہم پر حملہ کرتا ہے) تو ہم نیزوں اور تیز تلواروں سے اُس کی مہمان نوازی کرتے ہیں}۔

اور نزلاً حال ہے جَنّٰت سے لہٰذا منصوب ہے (ذوالحال کا معرفہ ہونا لازم ہے مگر یہاں نکرہ ہے تو وجہ یہ ہے کہ یہ نکرہ موصوفہ ہے جَنّٰتٌ تجری من تحتها الأنهر اور حال میں کوئی عامل ہوا کرتا ہے تو یہاں) "لَهُمْ" (جار مجرور ظرف ہوتا ہے) میں جو ظرف ہے وہ عامل ہے ـــــ اور بعض (نحویوں) نے کہا کہ یہ مفعول مطلق ہے اور تقدیرِ عبارت یُوں ہے: "اِنْزِلُوْهَا نُزُلًا"۔

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ اور جو چیزیں خُدا کے پاس ہیں۔

اپنی کثرت اور دوام کی وجہ سے۔

خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ وہ نیک بندوں کے لیے بدرجہا بہتر ہیں۔

زیادہ اچھی ہیں بہ نسبت اُن چیزوں کے جن میں فجّار لوٹ پوٹ رہے ہیں وہ قلیل (وحقیر) اور سریع الزّوال ہیں۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ اور بالیقین بعض لوگ اہلِ کتاب میں سے ایسے بھی ضرور ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعتقاد

Marfat.com

رکھتے ہیں۔

(سیدنا) عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور[2] یوں بھی کہا گیا کہ نجران کے چالیس آدمیوں، حبشہ کے بتیس اور روم کے آٹھ آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو پہلے نصاریٰ تھے پھر اسلام لے آئے۔ اور[3] یہ بھی کہا گیا کہ اصحمہ نجاشی کے متعلق نازل ہوئی۔ جبکہ جبریل علیہ السلام نے آنحضور علیہ الصلوۃ والسلام کو اُس کی وفات کی خبر سنائی۔ پس آپ (جنازہ گاہ کی طرف) نکلے اور اُس کی نماز جنازہ ادا کی۔ اس پر منافقین کہنے لگے: اس شخص کی طرف دیکھو ایک کٹر نصرانی پر نماز جنازہ پڑھتا ہے جسے اس نے دیکھا بھی کبھی نہیں ——— اور اِنّ بھی حرف تاکید ہے۔ اور "ل" بھی، دونوں جمع نہیں ہو سکتے یہاں اِنّ کے اسم "مَنْ یؤمنُ" پر اس اصول کے تحت لام تاکید داخل نہیں ہو سکتا تھا مگر اِنّ کے فوراً بعد من اھل الکتاب خبرِ مقدم (ظرف) آگیا جس نے اِنّ اور اسم اِنّ میں فصل پیدا کر دیا لہٰذا لام تاکیدی کا لانا جائز ہوا۔

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ اور اُس کتاب کے ساتھ بھی جو تمہارے پاس بھیجی گئی

یعنی قرآنِ پاک۔

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ اور اُس کتاب کے ساتھ بھی جو اُن کے پاس بھیجی گئی۔

یعنی دونوں کتابیں (تورات و انجیل)۔

خَاشِعِيْنَ لِلّٰهِ اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

یؤمن کے فاعل (مِنْ اَھل الکتاب مَنْ) سے حال واقع ہوا ہے اور

'مَنْ' لفظاً مفرد اور معنیً جمع ہے یہاں معنیٰ کا اعتبار کرکے حال کو بھی جمع لایا گیا۔ {مَنْ کے واحد لفظی اور جمع معنوی ہونے کا ثبوت من اراد الاخرۃ وسعی لہا الآیہ میں ہے}

لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اللہ تعالیٰ کی آیات کے مقابلے میں کم حقیقت معاوضہ نہیں لیتے۔

اللہ کی آیات کی سوداباذی کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ جس طرح علمائے یہود و نصاریٰ میں سے تحریف کرنے والے کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ایسے لوگوں کو اُن کا نیک عوض ملے گا اُن کے پروردگار کے پاس۔

وہ اجر جو ان کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے اور جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں کہ اُولٰئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ ـــ {یہی لوگ ہیں جن کو دو اجر ملیں گے پہلی کتب و انبیاء پر ایمان لانے کا اور اس کتاب اور نبی پر ایمان لانے کا ـــ}

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جلدی ہی حساب کر دیں گے۔

کیونکہ وہ تمام اعمال کا علم رکھتے ہیں اور اُس کا بھی علم رکھتے ہیں جو یہ اعمال جزاء پانے کے حقدار ہیں اور اُسے مزید غور و فکر اور احتیاط کی ضرورت نہیں اور مُراد یہ ہے کہ جس اجر کا وعدہ دیا گیا ہے وہ اُنہیں جلدی پہنچنے والا ہے کیونکہ سُرعتِ حساب سُرعتِ جزاء کی مقتضی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا اے ایمان والو! خود صبر کرو۔

Marfat.com

فرمانبرداری اور اطاعت کے کاموں کی مشقت اُٹھانے کے بارے میں اور اُن تکالیف کے بارے میں جو تمہیں پہنچتی ہیں۔

وَصَابِرُوْا اور مقابلہ میں صبر کرو۔

اور جنگ کے شدائد پر صبر کر کے دشمن پر غلبہ حاصل کرو اور اپنے سخت ترین دشمن یعنی نفس کا مقابلہ کرو کہ خواہشات کی مخالفت کر کے صبر کا مظاہرہ کرو ـــــ اور اُمر مطلق اصْبِرُوْا کے بعد دوبارہ صَابِرُوْا (باب مفاعلہ) کا صیغہ لایا گیا۔ یہ تخصیص اس لیے ہے کہ مطلق صبر سے کسی کے مقابلے میں صبر کرنا نسبتاً زیادہ مشکل ہے

وَرَابِطُوْا اور مقابلہ کے لیے مستعد رہو۔

یعنی اپنے جسموں کو اور اپنے گھوڑوں کو سرحدات اسلامی پر دشمن کے خلاف گھات میں لگائے رکھو اور اپنے نفوس کو اللہ کی طاعت پر لگائے رکھو جیسے فرمایا مِنَ الرِّبَاطِ اِنْتِظَارُ الصَّلٰوۃِ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ (کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کی انتظار میں رہنا بھی رباط ہی ہے۔) اور آنحضرت علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا مَنْ رَابَطَ یَوْمًا وَلَیْلَۃً فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ کَانَ کَعَدْلِ صِیَامِ شَھْرِ رَمَضَانَ وَقِیَامِہٖ لَا یُفْطِرُ وَلَا یَنْفَتِلُ عَنْ صَلٰوتِہٖ اِلَّا لِحَاجَۃٍ (جو شخص ایک دن اللہ کی راہ میں سرحداتِ اسلامی پر اپنے آپ کو جمائے رکھے وہ مساوی ہوتا ہے اُس شخص کے جس نے رمضان کے روزے رکھے حتیٰ کہ افطار بھی نہ کیا اور راتوں کو قیام کیا اور نماز سے نہ ہٹا بلکہ مشغول ہی رہا سوائے کسی خاص حاجت کے)۔

وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پورے کامیاب ہو جاؤ۔

اُس کے ماسوا سے برائت و دستبرداری اختیار کرو تاکہ کامل اور انتہائی کامیابی پا جاؤ ـــــ یا یہ کہ اپنے آپ کو قبیح عادتوں سے بچاؤ کہ تین مقامات بالترتیب پا سکو۔ طاعتوں کی تکالیف پر صبر اور بُری عادات چھوڑنے میں (مصابرہ) نفس کا مقابلہ اور بارگاہِ کبریا کے ساتھ برابر رابطہ ـــــ ان تینوں کے نتیجہ میں تین چیزیں وجود میں آئیں گی جنہیں شریعت، طریقت اور حقیقت کا نام دیا جاتا ہے۔ {یعنی صبر علی مضض الطاعات کا نتیجہ شریعتِ کاملہ ہو گی۔ مُصابرۃ النفس فی رفض العادات سے طریقت (طاعات کا ملکہ اور صراطِ مستقیم کی راہ پانا وغیرہ) کا حصول ہوگا۔ پھر مرابطہ بجناب الحق کا نتیجہ حقیقتِ تامّہ تک باریابی ہوگا نیکی کی راہ مل جائے گی اور پھسلنے کا خطرہ کم ہو جائے گا اور یہی مقصود ہے (الواردات: الاحوال، لِتَرَصُّد: للانتظار)}

آنحضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: "جو شخص سورۃ آل عمران کی تلاوت کرے اُسے اس کی ہر آیت کے بدلے پُل صراط پر اَمان ملے گی" ـــــ اور آپ نے یہ بھی فرمایا: "جو کوئی اُس سورۃ کو جس میں آل عمران کا ذکر ہے (یعنی سورۃ آل عمران جمعہ کے دن پڑھے اُس پر اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے سورج غروب ہونے تک رحمت بھیجتے رہتے ہیں" ـــــ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ الْمُعِیْنُ جَلَّ جَلَالُہٗ۔

Marfat.com

التخییر من التفسیر

سورۂ آلِ عمران

حضرت مولانا بیضاوی رح کی تفسیر کا اردو ترجمہ

برائے ایم۔

از

محمد حمزہ نعیم ایم۔اے (عربی)

ناشر: اُردو بازار۔ لاہور

Marfat.com